بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا

علمِ تجوید کے موضوع پر عام فہم اور سلیس زبان میں بشکلِ سوال و جواب

ایک جامع اور مفید ترین کتاب

مُعَلِّمُ التَّجْوِيْد

قدس

لِلْمُتَعَلِّمِ الْمُسْتَفِيْد

شیخ التجوید استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی مدرسہ دار القراء، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ناشر

مکتبۃ القراءۃ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ : وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا

علمِ تجوید کے موضوع پر عام فہم اور سلیس زبان میں بشکلِ سوال و جواب

ایک جامع اور مفید ترین کتاب

مُعلّم التجوید للمتعلّم المستفید

تالیف

شیخ التجوید استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی مدرسہ دار القراء ماڈل ٹاؤن، لاہور

ناشر

مکتبۃ القراءۃ لاہور

حافظ خالد محمود، دار القراء، بی بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فہرست مضامین

کتاب ہذا کے بارے میں حضرات مجودین و شیوخ قرآۃ کی گراں قدر

تقاریظ

امام المجودین شیخ القراء استاذی المکرم حضرت مولانا الحافظ المقری عبد المالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی مدرسہ دارالترتیل لاہور و سابق شیخ القراء مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد! رسالہ معلّم التجوید للمتعلم المستفید مولفہ مجی قاری محمد شریف صاحب صدر شعبہ تجوید مدرسہ تجوید القرآن لاہور کو مَیں نے اکثر جگہ سے دیکھا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ موجودہ جتنے اُردو میں تجوید کے رسائل ہیں یوں تو سب ہی بہتر اور نافع ہیں۔ لیکن اس رسالہ میں مؤلف نے تجوید کے جملہ مسائل کو نہایت کاوش کے ساتھ عمدہ اور سلیس عبارت میں سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے جس سے معمولی استعداد کا طالب علم بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ نیز تجوید کے تمام مسائل سلف اور خلف کی معتبر کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ پھر ہر مسئلہ کو سوال اور جواب کی صورت میں پیش کیا ہے جس سے مسائل کو یاد کر لینے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔ اس رسالہ کو سمجھ کر پڑھ لینے کے بعد پھر بقیہ دیگر رسالوں کے پڑھنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور فنِ تجوید و قرآۃ کی مزید خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

(قاری) عبد المالک صدر مدرس مدرسہ دارالترتیل لاہور۔ ۲۹ شوال ۱۳۷۸ھ

حافظ قرأت عشرہ حضرت مولانا الحافظ القاری المقری فتح محمد صاحب پانی پتی شارح شاطبی و درّہ وغیرہ

مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد! احقر نے کتاب "معلم التجوید"

کی فہرست اوّل سے آخر تک بغور سُنی اور چند مضامین تفصیلاً بھی سُنے۔ بحمد اللہ! اس کو طلبار کی ضرورت کے اور نیز ان کو تجوید کے علم میں ماہر بنانے کے بارے میں نہایت ہی جامع پایا اور طرزِ بیان بھی نہایت عجیب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب طلبار کی خیرخواہی اور ان پر بے حد شفقت کے اور ان کو اللہ کا خالص بندہ اور قرآن کا سچا عاشق اور مخلص خادم بنانے کے دلی تقاضے سے مرتّب کی گئی ہے۔ اس کے لفظ لفظ سے اس کی خوبیاں آشکارا ہوتی ہیں اور حضرت مرتّب کے کمالِ علمی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ نیز رشک آتا ہے کہ کاش یہ بیش بہا اور خالص علمی اور مفید ترین خدمت اس بندۂ ناچیز کو بھی نصیب ہوجاتی لیکن ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خدا تعالیٰ شانہٗ مؤلف کو اعلیٰ سے اعلیٰ جزاء عطا فرمائے اور طلبا کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے آمین یارب العالمین　　　(قاری) فتح محمد۔ ۲۴ شوال ۱۳۷۰ھ

حضرت مولانا الحافظ القاری المقری محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ)

مظاہر العلوم سہارن پور (بھارت)

مکرم و محترم جناب قاری صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ: آپ کا ارسال کردہ رسالہ "معلم التجوید للمتعلم المستفید" اور اس کے بعد ایک لفافہ پہنچا۔ بہت بہت شکریہ۔ اظہار رائے کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے سو عرض ہے احقر نے رسالہ ہٰذا کو بہ نظر تحقیق من اولہ الی آخرہ دیکھا موافق قواعد کتب تجوید پایا۔ حق تعالیٰ اس کے مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ اس پُرآشوب زمانہ میں اس فن کے افراد نادرالوجود ہیں۔ اس رسالہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی زبان نہایت سلیس عام فہم اور ترتیب نہایت عمدہ اور دلآویز ہے۔ مسائل تجوید نہایت صاف اور واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں جن سے اُمید واثق ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ شائقین علم تجوید کے لیے عموماً اور مبتدیانِ فن کے لیے خصوصاً نافع اور مفید ثابت ہوگا۔ مَیں مؤلف رسالہ ہٰذا کو اس رسالہ کی تدوین

وترتیب پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت عامہ عنایت فرمائے آمین :

بندہ محمد سلیمان عفرلہٗ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور ۱۰ رمضان ۱۳۷۸ھ

حضرت مولانا الحافظ القاری المقری محب الدین احمد صاحب مدظلہ العالی حال صدر مدرس مدرسہ تجوید القرآن لکھنؤ

مجی مخلصی جناب قاری صاحب زید حبکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

آپ کی مرسلہ کتاب "معلم التجوید" بذریعہ رجسٹری پہنچی ۔ ماشاء اللہ بہت خوب ہے اس وقت رمضان المبارک کی وجہ سے پوری کتاب نہیں دیکھ سکا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ عید کے بعد آپ کی خواہش کے مطابق اس کو ضرور دیکھوں گا ۔ بہرحال جس قدر بھی دیکھا اس سے یہ خوشی ہوئی کہ آپ نے میرے اور اپنے ہی بزرگوں کی تصانیف کی عمدہ پیرائے میں پوری طرح شرح کر دی اور فن کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے ۔ آپ کی کتاب "معلم التجوید" طلبائے فن کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے ۔ طلبائے فن کو چاہیئے کہ اس کتاب کو ضرور دیکھیں ۔

ابن ضیاء محب الدین احمد ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

مخدومنا استاذی المحترم حضرت الحافظ القاری المقری خدا بخش صاحب مدظلہ العالی

مقیم کانٹھ ضلع مراد آباد (بھارت)

کتاب "معلم التجوید" مرسلہ وصول پائی ۔ بالاستیعاب مِنْ وعَنْ تو سننے کا اتفاق نہیں ہوا ۔ البتہ مختلف مقامات سے سنی ۔ ماشاء اللہ نہایت مفید پائی ۔ عبارت اور مضامین مطلب خیز اور سہل الوصول ہیں ۔ میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ آپ کو خدمتِ قرآن کی مزید توفیق اور ملکہ عطا فرمائے اور تحدیثِ نعمت کے طور پر مجھ کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ میری تمنا پوری ہوئی اور میری ابتدائی

کوششوں کا نتیجہ احسن اور نعم البدل نکلا۔

(قاری) خدا بخش کانٹھوی

مخدومنا حضرت الحافظ القاری المقری فضل کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس

مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار۔ لاہور

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیّن محمّد والہ واصحابہ اجمعین

امابعد! کتاب "معلم التجوید" احقر کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہے۔ احقر نے اس میں سے جس بیان کو بھی سنا بغیر تکمیل چھوڑنے کو دل نہ چاہا میں نے اپنی اس آرزو کو مؤلف زادہ اللہ عمراً و علماً و افادتاً للمسلمین الطالبین کے سامنے ایک مرتبہ دورانِ گفتگو میں رکھا جیسا کہ انہوں نے کتاب کے شروع میں تصریح کی ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ علیٰ احسانہ انہوں نے نہ صرف میری اس درخواست کو منظور ہی کیا بلکہ فوراً اس کی تکمیل میں مصروفِ عمل ہو گئے۔ کتاب کو دیکھنے اور سننے سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب ہذا متعلمین اور معلمین دونوں کے لیے ــــ معلم ہے بطریقِ سوال وجواب لکھے جانے کے باعث اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگ گئے۔

بارگاہِ الٰہی میں استدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو مؤلف کے لیے کفارۂ ذنوب اور مغفرت اور ترقی درجات کا باعث بنائے اور طالبینِ فن کے لیے یہ کتاب مشعل راہ ثابت ہو۔

اَرْجُوْا بِهٖ اَنْ يَّنْفَعَ الطُّلَّابَا	وَالْاَجْرَ وَالْقَبُوْلَ وَالثَّوَابَا
يَا نَاظِرًا فِيْهِ سَلْ بِاللّٰهِ مَرْحَمَةً	عَلَى الْمُصَنِّفِ وَاسْتَغْفِرْ لِصَاحِبِهٖ
وَاطْلُبْ لِنَفْسِكَ مِنْ خَيْرٍ تُرِيْدُ بِهَا	مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ غُفْرَانًا لِّكَاتِبِهٖ

(قاری) فضل کریم، ۲ شوال ۱۳۰۸ھ

مخدومنا حضرت الحافظ القاری المقری محمد حسن صاحب مدظلہ العالی امروہی خطیب

شاہی مسجد ریاست قلات

"معلم التجوید للمتعلم المستفید" کو میں نے اکثر مقامات سے دیکھا ہے کتاب کو نہایت ہی جامع اور طلباء تجوید کے لیے واقعی معلم التجوید اسم بامسمّٰی پایا تدوین وحفاظت قرآن کے بارے میں جناب مؤلف نے ایک مفید اور مدلّل بحث کر کے موجودہ دور کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اصول تجوید اور اس کے متعلقات کو اس طرح سوالاً جواباً حل کیا ہے کہ متعلم ذرا سی محنت سے بآسانی قواعد تجوید پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔

میری یہ دعا ہے کہ خداوند کریم طلباء تجوید کو اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور جناب مؤلف کے لیے اس کو ذخیرۂ آخرت کرے۔

محمد حسن امروہی خطیب شاہی مسجد قلات

فخر المجودین شیخ القراء استاذی المکرم حضرت مولانا الحافظ القاری المقری عبد المعبود صاحب

رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ القراء مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العلمین ملک یوم الدین
ایاک نعبد و ایاک نستعین والصلوٰۃ والسلام علی افضل رسلہ
محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وحفاظ کتابہ وعلماء امتہ اجمعین

اما بعد رسالہ "معلم التجوید للمتعلم المستفید" کو میں نے شروع سے آخر تک خوب اچھی طرح دیکھا ماشاء اللہ اس کے مؤلف یعنی عزیز محترم مولوی حافظ قاری مقری محمد شریف صاحب نے مسائل فن تجوید کو عمدہ عنوان اور نئی طرز پر بیان فرمایا ہے جسے طلبہ کمال دلچسپی اور نہایت رغبت وشوق سے حاصل کریں گے۔ واقعی یہ رسالہ معلمین و متعلمین دونوں کے لیے بے حد مفید ہے اور ایک ایسا چراغ ہے

جس کی روشنی و ضوء سے ہر ایک اپنے مقاصد میں کامیاب رہے گا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدنیا والآخرہ۔ نیز آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا:۔

عزیز محترم میں نے آپ کے رسالہ کو مسلسل ایک مہینہ میں خوب اچھی طرح غور سے دیکھا مسائل سب صحیح ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں۔ مجھے آپ کی اس محنت سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں۔ نیز اس کے علاوہ اور بھی خدمت قرآن پاک کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

عبد المعبود ابن الشیخ منشی عبد الرزاق صاحب الہ آبادی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

خطبہ اور سببِ تالیف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ وَشَرَّفَنَا بِحِفْظِہٖ وَتِلَاوَتِہٖ وَاَمَرَنَا بِتَجْوِیْدِہٖ وَتَرْتِیْلِہٖ وَجَعَلَ ذٰلِكَ مِنْ اَعْظَمِ عِبَادَتِہٖ فَطُوْبٰی لِمَنْ اَعْرَضَ عَنْ کُلِّ شَاغِلٍ یَّشْغَلُہٗ عَنْ تَدَبُّرِہٖ وَدِرَاسَتِہٖ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا وَشَفِیْعِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ اَنْبِیَآئِہٖ وَرُسُلِہٖ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ نَھَضُوْا لِخِدْمَۃِ کِتَابِہٖ فَجَاھَدُوْا فِیْ حِفْظِہٖ وَاِشَاعَتِہٖ۔

امابعد احقر العباد محمد شریف بن شیخ مولا بخش امرتسری ثم لاہوری غفراللّٰہ لہ ولوالدیہ ومشائخہ۔ جملہ محبانِ قرآن کی خدمت میں عموماً اور طالبانِ علم تجوید کی خدمت میں خصوصاً عرض رسا ہے کہ عرصہ سے خیال تھا کہ علم تجوید میں ایک ایسا رسالہ تالیف کیا جائے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ جملہ ضروری اور قرآن پاک کی تلاوت کے وقت عمل میں آنے والے مسائل پر حاوی ہو۔ مگر کاہلی۔ عدیم الفرصتی اور اپنی بے بضاعتی تکمیل ارادہ میں حائل رہی۔ تا آنکہ میرے برادر عزیز جناب قاری محمد الیاس صاحب سلمہ مہتمم مدرسہ ترتیل القرآن ناجک ضلع کیمبل پور نے بھی میرے گفتگو میں اسی قسم کی خواہش کا اظہار کیا اور اظہار سے بڑھ کر یہاں تک اصرار کیا کہ مجھے قطعی طور پر تکمیل ارادہ کا پختہ وعدہ کرنا پڑا، مگر وعدہ کرنے کے بعد پھر کچھ حالات ایسے ہوئے کہ ممکن تھا کہ ایفائے عہد سے غفلت ہو جاتی، یا کچھ دیر کے لیے یہ کام معرضِ التوا میں پڑ جاتا حتی کہ

ایک روز علم تجوید کی نشر و اشاعت کے متعلق دوران گفتگو میں میرے استاد اور محترم بزرگ حضرت حافظ قاری فضل کریم صاحب صدر مدرس و بانی مدرسہ تجوید القرآن کوچہ کندیگراں مدتی بازار لاہور نے بھی ارشاد فرمایا۔ کہ میں علم تجوید میں بہ شکل سوال و جواب نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں کہ جسے مبتدی طلباء بآسانی سمجھ سکیں، ایک مختصر مگر ضروری مسائل کو واضح کرنے والا رسالہ تالیف کروں، اور اس کام کو فوراً ہی شروع کر دوں، تاکہ اختتام شعبان تک مکمل ہو کر آئندہ سال فن کے طالبین کے لیے داخل نصاب ہو سکے چنانچہ ان دونوں حضرات کی فرمائش اور ارشاد کی تعمیل میں نیز اپنی دیرینہ تمنا کے پورا کرنے اور اس مقدس علم کے طلباء کی خدمت و افادہ کے پیش نظر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اس کریم ذات سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے بتاریخ ۱۰ جمادی الآخر ۱۳۷۸ھ بروز چہار شنبہ مطابق یکم جنوری ۱۹۵۸ء کو اس رسالہ کا آغاز کر دیا۔ اور اس کا نام "معلم التجوید۔ للمتعلم المستفید" تجویز کیا۔ جو بفضل اللہ تعالیٰ و بتوفیقہٖ ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ مطابق ۴ مارچ ۱۹۵۹ء کو اختتام پذیر ہو کر ماہ ذیقعد میں حلیۂ طباعت سے آراستہ ہو گیا۔

اعتذار اور اظہار حقیقت

گو یہ حقیر سی خدمت اس قابل تو نہیں کہ فن کی تصانیف میں کوئی مقام حاصل کر سکے اس لیے کہ مؤلف نہ تو عبارت آرائی اور اس میں حسن پیدا کرنے کے فن سے واقف ہے اور نہ ہی اس کو اس علم میں کوئی ایسی دسترس حاصل ہے کہ جس کی بناء پر اس کی یہ محنت ارباب فن اور اصحاب علم کے ہاں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جا سکے مگر عام طلباء اور اس فن کے مبتدیوں کے لیے اس میں کتنی افادیت ہے اور اس محنت سے ان کو کیا کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے، اس کا فیصلہ خود وہ طلباء ہی کر سکیں گے جن کے مطالعہ میں یہ رسالہ آئے گا یا جن کو پڑھایا جائے گا، اور اگر فن کے معلمین بھی مؤلف کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اور محض حسن ظن سے کام لے کر اس کو داخل نصاب فرمالیں گے، تو بارگاہ صمدی سے قوی امید ہے کہ وہ بھی اس کو طلباء کے لیے بے حد مفید اور ان کے لیے فن کے مسائل ضبط کرنے میں ان شاء اللہ الحمید بے عدیل پائیں گے، اور گو یہ کچھ بھی

نہیں۔لیکن اتنی سی خدمت کو بھی اگر پسندیدگی اور قدر افزائی کی نظر سے دیکھا گیا، تو انشاء اللہ یہ بھی فن سے روشناس کرانے اور اس کی اہمیت کو دلوں میں بٹھانے کے لیے بہت حد تک کافی ثابت ہوگی بلکہ مؤلف کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہاں تک امید ہے، کہ یہ رسالہ نہ صرف طلباء کے لیے بلکہ فن کے ابتدائی معلّمین کے لیے بھی مفید اور اُن کے لیے تفہیم مسائل میں ممد و معاون ثابت ہوگا خدا کرے کہ یہ اُمید پوری ہو اور یہ خدمت اسم بامسمیٰ ثابت ہو۔

بلاشبہ یہ قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ مجھ جیسے بے علم اور ناکارہ کو بھی اس مبارک خدمت کی توفیق میسّر آئی ورنہ میں کہاں اور یہ خدمت کہاں ؎

؎ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

اس میں جو بھی افادیت اور نفع رسانی ہے وہ بلا شک حق تعالیٰ کی مہربانی اور انہی کی عنایت سے ہے اور غلطی اور بھول چوک سو وہ یقیناً میری لغزش کا نتیجہ ہے۔جس کے لیے میں اصحاب فضل و کمال سے مسامحت اور اصلاح کی توقع رکھتا ہوں، اور دعائے صلاح و فلاح کا ملتجی ہوں۔

چونکہ یہ رسالہ مبتدیوں کے لیے لکھا گیا ہے، اس لیے طرزِ تخاطب بھی ایسا ہی اختیار کیا گیا ہے کہ گویا مخاطبین چھوٹے بچّے اور مبتدی طلباء ہی ہیں، لہٰذا ناظرین پر ناگوار خاطر نہ گزرے، کیونکہ اصل مقصود مبتدیوں کو ہی سمجھانا اور مسائل کا ان کے ذہن نشین کرانا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قارئین عبارت میں بعض جگہ بجائے اختصار کے قدرے تطویل پائیں گے۔

مسائل کے سمجھانے کی آسان سے آسان تر عبارت میں کوشش کی گئی ہے لیکن اس پر بھی ناظرین اگر کسی جگہ عبارت کو مغلق یا مشکل پائیں تو مؤلف کو معذور سمجھیں۔ اس لیے کہ ہر فن میں کچھ نہ کچھ اصطلاحی الفاظ ہوا کرتے ہیں جن کے سمجھنے میں بہرحال کچھ نہ کچھ دقت تو پیش آتی ہی ہے۔مبتدیوں کی مزید سہولت کی خاطر اکثر جگہ مشکل الفاظ کا ترجمہ قوسین میں لکھ دیا گیا ہے۔ البتہ جن موقعوں میں کچھ تفصیل تھی۔ان کی وضاحت حاشیہ میں کی گئی ہے۔حق تعالیٰ

شانہٗ اپنے لطف وکرم سے اس حقیر سی کوشش کو قبول فرما کر طالبین فن کے لیے نافع، اور مؤلف پُرتقصیر کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

العبد الفقیر الی اللہ الغنی الحمید ابو الاشرف محمد شریف خادم شعبہ تجوید، قرأت، مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور۔

اس کتاب کی تالیف میں مَیں نے جن کتابوں سے مدد لی

(۱) جمال القرآن (۲) اس کا حاشیہ تسہیل الفرقان (۳) تیسیر التجوید (۴) فوائد مکیہ (۵) اس کا حاشیہ تعلیقات مالکیہ (۶) ضیاء القرأت (۷) اس کی شرح تنویر المرآت (۸) جامع الوقف (۹) معرفتہ الوقوف (۱۰) ضیاء التجوید (۱۱) ہدیۃ الوحید (۱۲) ہدایۃ المستفید (۱۳) العقد الفرید (۱۴) ضوابط نبلاء التجوید (۱۵) مقدمۃ الجزریہ (۱۶) اس کی شرح المنح الفکریہ (۱۷) نہایت القول المفید (۱۸) شرح سبعہ قرأت (۱۹) التیسیر (۲۰) رائیہ (۲۱) شاطبیہ (۲۲) اعلاء السنن (۲۳) امداد الفتاوی (۲۴) الاتقان فی علوم القرآن ان کے علاوہ اور بھی بعض کتابیں مطالعہ میں آئیں۔

التبیان فی ترتیل القرآن

احقر نے اس سے پہلے ۱۳۷۵ھ ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو اسی موضوع پر ایک مفصل اور مبسوط کتاب کا آغاز کیا تھا جس کا نام "التبیان فی ترتیل القرآن" تجویز کیا گیا تھا۔ مقدمہ اور پہلا باب تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ کہ رسالہ ہذا کی وجہ سے اس کے کام کو مؤخر کرنا پڑا۔ زیر نظر رسالہ میں آپ کو اس کا نام جا بجا ملے گا۔ اس کی تکمیل کے لیے دعا فرمائیں۔ مؤلف

تشکّر وامتنان

میں اپنے ان تمام دوستوں اور عزیزوں کا شکر گزار ہوں۔ جنہوں نے رسالہ ہذا کی تالیف کے دوران کسی حیثیت سے بھی میرا ہاتھ بٹایا یا اس کی طباعت کے لیے کوشش فرمائی بالخصوص عزیزم حافظ محمد اکبر شاہ

مظفر آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ متعلم قرأت سبع مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور[1] ان میں سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے جس محنت اور جانفشانی کے ساتھ رسالہ ہذا کے مسودہ کی کتابت کا کام انجام دیا وہ بلاشک دلی خلوص اور اشاعت فن کی محبت کے بغیر ممکن نہیں تھا، فجزاہ اللہ احسن الجزاء اور ایک بار نہیں تین بار مسودہ تیار کرنا پڑا، یہی وجہ ہے کہ اس مختصر سے رسالہ میں اتنی طویل مدت صرف ہوئی، گو اس تاخیر کا باعث اور بھی بہت سے مشاغل ضروریہ اور طرح طرح کی ذہنی کوفتیں ہوتی رہیں، مگر طلباء کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے اور ان کے لیے اس میں زیادہ سے زیادہ افادیت بہم پہنچانے کی حرص نے دوسری بار اور پھر اس کے بعد تیسری بار محنت کرنے پر مجبور کیا اور گو جی اب بھی نہیں بھرا مگر اس خیال سے کہ باقی ماندہ حرص انشاء اللہ تعالیٰ التبیان فی ترتیل القرآن میں پوری ہو جائے گی، اسی پر بس کرنے کو کافی سمجھا۔

ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ وہ رسالہ ہذا کی اشاعت کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش فرمائیں تاکہ اس سے بڑی خدمت کے نتائج سامنے آنے کے لیے کچھ سامان مہیا ہو جائے۔

---

[1] حال مدرس بیت اللہ الحرام مکہ مکرمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ طبع دوم

حامدًا وّمُصَلّیًا ومُسَلّمًا

اما بعد یہ کتاب پہلی بار ذی قعدہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی تھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ معلمین اور متعلمین دونوں ہی نے اس کو بے حد پسند فرمایا اور نہ صرف مغربی پاکستان میں بلکہ مشرقی پاکستان کے بعض ممتاز مدارس تجویدیہ میں بھی اس کتاب کو داخل درس کیا گیا چنانچہ لاہور میں حضرات المحترم جناب قاری فضل کریم صاحب نے، عبد الحکیم ضلع ملتان میں محترم جناب قاری تاج محمد صاحب نے، کوئٹہ میں محترم جناب قاری غلام نبی صاحب نے اور مشرقی پاکستان کے مدرسہ جامعہ صدیقیہ موضع نیگھور کاندھا ڈاکخانہ کاشی گنج ضلع میمن سنگھ میں محترم جناب قاری محمد زکریا صاحب نے اس کو داخل درس فرما کر قدر افزائی اور حسن انتخاب کا ثبوت بہم پہنچایا ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء مگر پہلی طباعت کے ختم ہو جانے کے بعد اس پر نظر ثانی کی فوری نوبت نہ آ سکی اور نظر ثانی کے بغیر دوسرے ایڈیشن کا شائع کرنا مناسب معلوم نہ ہوا، اس لیے دوسری طباعت میں توقع سے زیادہ تاخیر ہو گئی۔ اب اللہ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے کافی تحقیق اور غور وخوض کے بعد نظر ثانی کر کے ناظرین کی خدمت میں اس کا دوسرا ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے۔ اس ایڈیشن میں کیا کیا ترامیم اور کیا کیا اصلاحات ہوئی ہیں اس کی پوری حقیقت تو ہر دو ایڈیشنوں کے تقابل سے ہی واضح ہو سکے گی۔ مگر پھر بھی ہم اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ ایڈیشن بہ نسبت پہلے ایڈیشن کے کتابت، طباعت، کاغذ اور بالخصوص تصحیح عبارت اور تفہیم مسائل کے اعتبار سے بحمد للہ کہیں بہتر ہے۔ یوں تو اس کتاب کی کوئی فصل بلکہ شاید کوئی صفحہ بھی ایسا نہ ہو جس میں عبارت یا مضمون کے لحاظ سے اصلاح وترمیم نہ کی گئی ہو۔ لیکن بعض مقامات

میں تو بہت ہی اہم ترامیم اور نہایت مفید اصلاحات عمل میں آئی ہیں بالخصوص معرفتِ وقف کی بحث تو تقریباً بالکل ہی بدلنی پڑی ہے۔ حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس حقیر سی سعی کو محض اپنے لطف و کرم سے قبول فرما کر طالبینِ فن کے لیے پہلے سے بھی زیادہ انفع اور مؤلف پُرتقصیر کے لیے ذخیرۂ حسنات بنائیں۔ آمین۔ یارب العلمین

دیباچہ طبع پنجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّ آخِراً

کہ کتاب معلم التجوید للمتعلم المستفید' کا پانچواں ایڈیشن میری زندگی ہی میں حلیۂ طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین و مستفیدین کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔ طبع دوم کے بعد اب اس اشاعت میں پھر کافی اصلاحات، ترامیم کی گئی ہیں، جو انتہائی اہم اور نہایت مفید ہیں یہی نہیں بلکہ اس مرتبہ تو کسی حد تک ترتیب بھی بدلنی پڑی ہے۔ چنانچہ استعاذہ اور بسملہ کی بحث کو باب اوّل کی بجائے خاتمۃ الکتاب میں درج کیا گیا ہے ایسے ہی لحن اور اس کے متعلقات کی بحث بھی باب اوّل کی بجائے باب سوم میں درج کی گئی ہے علاوہ ازیں باب معرفۃ الوقوف میں بھی کافی تبدیلیاں اور بہت سے مفید اور کار آمد اضافے کیے گئے ہیں۔ باب اوّل اور دوم کے مضامین کو صرف ایک باب میں اور ایسے ہی باب سوم، چہارم کے مضامین کو بھی ایک ہی باب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اب یہ کتاب پانچ ابواب کے بجائے صرف تین ابواب پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہیں۔ جس کی تفصیل مضامین کے اجمالی خاکہ کے زیر عنوان درج ہے اور گو یہ ایڈیشن ہے تو پانچواں۔ لیکن اس اعتبار سے آخری ہے کہ اب اس میں مزید ترامیم، اصلاحات نہیں کی جائیں گی۔ انشاء اللہ۔ اور گو ارادہ تو طبع دوم کے بعد بھی نہیں تھا لیکن اب چونکہ اس کی از سرِ نو کتابت کرانے کی

ضرورت پیش آئی۔ اس لیے خیال آیا کہ جب کتابت کرانی ہی ہے۔ توکیوں نہ پھر ایک بار نظر ڈال لی جائے۔ تاکہ ظاہری خوبیوں کی طرح معنوی خوبیوں میں بھی اضافہ ہو جائے۔ امید ہے کہ یہ ایڈیشن بحمداللہ تعالیٰ سابقہ تمام ایڈیشنوں کی نسبت مفید تر اور انفع ثابت ہوگا۔

اَلشکرللّٰہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اب یہ کتاب کوئٹہ۔ لاہور۔ عبدالحکیم اور ضلع میمن سنگھ (مشرقی پاکستان) کے علاوہ معہد القرأت مانسہرہ مدرسہ تجوید القرآن ہری پور۔ انوار اسلام راولپنڈی۔ مدرسہ دار القرآء پشاور۔ مدرسہ فاروقیہ ملتان۔ دار العلوم تعلیم القرآن۔ راولپنڈی اور اُن کے علاوہ بعض دوسرے مدارس میں بھی داخل نصاب کر لی گئی ہے۔ فَلِلّٰہِ الحمدُ والشکر

شکریہ معاونین اس مرتبہ میری معاونت عزیزی قاری سراج احمد، عزیزی محمد اقبال و عبدالغفور خانپوری سلمہما نے کی اور انتہائی شوق، ذوق اور رغبت و محبت کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔

فجزاھما اللہ احسن الجزاء

ابوالاشرف محمد شریف حال خادم مدرسہ دار القرآء

ماڈل ٹاؤن لاہور

جمعۃ المبارک ۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ

۱۳ر جنوری ۱۹۷۵ء

مضامین کا اجمالی خاکہ

یہ رسالہ ایک مقدمہ، تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں چند ایسے مضامین درج کیے گئے ہیں۔ جن کا جاننا ایک قاری اور مجوّد کے لیے نہایت ضروری ہے مثلاً قرآن کی محفوظیت۔ تلاوت قرآن کے فضائل۔ قرآن مجید کی تاریخ۔ صحابہ کرام کا اشاعت قرآن سے شغف اور اس کے پھیلانے کا شوق۔ قراءِ سبعہ کے اسماءِ گرامی حضرت حفص رح کی اور تجوید و صحت لفظی کی اہمیت وغیرہ وغیرہ۔ باب اوّل میں فن کے مبادی۔ حروف کے مخارج ان کی صفات لازمہ۔ اور ان صفات کے معنی بیان کیے گئے ہیں۔ اور پھر باب کے آخر میں تجوید میں کمال پیدا کرنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ باب دوم میں تجوید کے بقیہ مسائل یعنی تفخیم و ترقیق۔ اظہار، ادغام۔ اقلاب۔ اخفاء۔ غنہ۔ تسہیل۔ ابدال۔ حذف اور مد کا بیان ہے۔ نیز اسی باب میں ادغام کی تفصیلی بحث ہمزہ کے احکام، حرکات اور انکی کیفیات ادا۔ اجتماع ساکنین کی بحث ہائے ضمیر کے مسائل۔ چند اہم اور ضروری تنبیہات بھی درج کی گئی ہیں۔ اور پھر باب کے خاتمہ میں لحن اُس کی قسمیں اور ان کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ باب سوم میں وقف و ابتداء یعنی سکتہ اور قطع وغیرہ کا نیز بقدر ضرورت قرآن مجید کے رسم الخط کا بیان ہے۔ خاتمہ میں آداب تلاوت۔ استعاذہ اور بسملہ کے احکام۔ عربی لہجہ کی اہمیت۔ بعض ان چیزوں کا ذکر جو تلاوت میں معیوب ہیں اور ختم قرآن کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ مضامین کی مفصل فہرست مع تعین صفحات۔ کتاب کے شروع میں درج ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ طلبادِ فن کو ان مسائل کے محفوظ کرنے اور پھر ان کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَهُوَ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ ۔ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ ۔ وَهُوَ رَبِّي وَحَسْبِيْ وَلَا مَلْجَاءَ ۔ وَلَا مَاوٰى ۔ اِلَّا اِلَيْهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَشَفِيْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

مقدمہ

اس میں تین فصلیں ہیں

فصل اوّل میں قرآن کی محفوظیّت ۔ فصل دوم میں قرآن کے فضائل اور فصل سوم میں قرآن کی تاریخ اور تجوید کی اہمیّت بیان کی گئی ہے۔

فصل اوّل قرآن کی محفوظیّت کے بیان میں

سوال:۔ محفوظیت کے کیا معنی ہیں اور قرآن کی محفوظیت سے کیا مراد ہے ؟

جواب:۔ محفوظیت کے معنی ہیں محفوظ ہونا اور قرآن کی محفوظیّت سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید اپنے زمانہ نزول سے لے کر اب تک محفوظ چلا آرہا ہے اور اس میں پہلی کتابوں کی طرح کسی قسم کی تبدیلی اور کمی بیشی نہیں ہوئی بس اس فصل میں یہی چیز قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

سوال:۔ اس کتاب کا موضوع تو علم تجوید ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے پھر اس میں قرآن کی محفوظیت سے بحث کرنے اور اس چیز کے بیان کرنے کے کیا معنی ؟

جواب:۔ علم تجوید میں چونکہ قرآن کے الفاظ اور ان کے تلفظ سے بحث کی جاتی ہے۔ تو جب تک پہلے خود قرآن کی محفوظیت اور اس کے اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہنے اور باقی آسمانی کتابوں پر اس کی برتری اور فضیلت کو بیان نہ کر دیا جائے۔ اس وقت تک اس لطیف اور نہایت نفیس علم کے مسائل اور اس کی باریکیوں کو بیان کرنا کچھ زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان چیزوں کے جاننے کے بعد ہی قرآن

کے ساتھ محبت اور دل میں اُس کی عظمت پیدا ہو گی۔ تب ہی اُس کو صحیح پڑھنے اور علم تجوید کے حاصل کرنے کا شوق بھی پیدا ہوگا اس لیے اصل مقصود سے پہلے بطور مقدمہ یہ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔

سوال:۔ آسمانی کتابوں سے کونسی کتابیں مراد ہیں؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر انسانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی رشد و ہدایت کے لیے بہت سی کتابیں نازل فرمائی ہیں۔ بس انہی کتابوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر نازل فرمائی ہیں آسمانی کتابیں کہتے ہیں۔

سوال:۔ کل کتابیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمائیں وہ کتنی ہیں؟

جواب:۔ نازل شدہ کتابوں کی صحیح تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کتابوں کی تعداد ایک سو چار ہے جن میں سے سو چھوٹی ہیں اور چار بڑی

سوال:۔ چار بڑی کتابوں کے نام کیا ہیں اور وہ کن پیغمبروں پر اُتاری گئیں؟

جواب:۔ اِن چار بڑی کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) توراۃ (۲) زبور (۳) انجیل (۴) قرآن مجید اور اسی ترتیب سے توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور سب سے آخر میں قرآن مجید خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

سوال:۔ کیا یہ تمام کتابیں اس وقت دنیا میں اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہیں؟

جواب:۔ ان میں سے صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو اپنی اصلی شکل میں ایک حرف اور ایک نقطہ کی کمی کے بغیر آج دنیا میں محفوظ ہے اور باقی تمام کتابیں محرف ہو کر ضائع ہو گئی ہیں مگر ان سب پر ایمان لانا یعنی یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب کی سب حق اور اللہ ہی کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور ان میں سے

کسی ایک کا انکار کرنا گویا خود قرآن ہی کا انکار کرنا ہے، ہاں یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ اب اِن میں سے قرآن پاک کے سوا کوئی بھی محفوظ نہیں۔

سوال :- یہ کیسے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ باقی سب کتابیں ضائع ہوگئی ہیں؟

جواب :- اس حقیقت کا انکشاف بھی قرآن مجید ہی نے کیا ہے چنانچہ علاوہ دوسرے موقعوں کے سورہ بقرہ ع۹ اور سورہ مائدہ ع۳ و ع۶ میں یہ اعلان خصوصیت کے ساتھ موجود ہے جس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے خبر دی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتابوں میں تحریف کی اور ان میں رد و بدل کر ڈالا۔ ان کی اس ناشائستہ حرکت کو قرآن نے تحریف[1] کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے معنی ہیں ادل بدل اور کچھ کا کچھ کر دینا۔ ہم نے یہ سب آیتیں مع ان کی تفسیر کے اپنی کتاب عمدۃ البیان فی صیانت القرآن میں درج کر دی ہیں۔

سوال :- آخر اس فرق کی کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید تو اپنے زمانۂ نزول کے چودہ سو (۱۴۰۰) برس بعد تک بھی بعینہٖ و بلفظہٖ محفوظ ہے اور باقی آسمانی کتابیں محرّف ہو کر ضائع ہوگئی ہیں جبکہ ان سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے۔

جواب : یہ اس لیے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا کام تو خود اللہ جل شانہٗ نے اپنے ذمہ لیا اور اس سے پہلے کی نازل شدہ کتابوں کی حفاظت انسانوں کے سپرد کی گئی۔ پس جس طرح حق تعالیٰ کی ذات لازوال اور ابدی ہے۔ اسی طرح ان کی حفاظت بھی دائمی اور غیر فانی ہے اور جس طرح انسان فانی ہے، اسی طرح اس کی حفاظت بھی فانی اور غیر باقی ہے۔

سوال :- یہ کیسے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی حفاظت کا کام تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا، اور دوسری کتابوں کی حفاظت کا ذمہ دار انسانوں کو ٹھہرایا؟

جواب :- اس حقیقت کا اعلان بھی قرآن مجید کی دو الگ الگ آیتوں میں فرمایا گیا ہے،

---

[1] کما قال اللہ تعالیٰ۔ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ وقال تعالیٰ۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ

چنانچہ قرآن مجید کے متعلق تو یہ ارشاد ہوا ہے ۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (سورۃ الحجر ع) (ترجمہ) بے شک ہم ہی نے الذکر (قرآن مجید) کو نازل فرمایا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۔ انتہیٰ ۔ اور توراۃ سے متعلق حفاظت کی نوعیت سورۂ مائدہ کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ (سورۂ مائدہ ع) (ترجمہ) بے شک ہم ہی نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے ، اسی کے مطابق وہ نبی جو اللہ کے مطیع تھے ، یہودی لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے اور (اسی طرح) ان کے مشائخ اور علماء (بھی) اس لیے کہ انہیں کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے گواہ تھے ۔ انتہیٰ ۔ پس ان دو آیتوں میں قرآن اور توراۃ دونوں کتابوں کی الگ الگ نوعیت کی حفاظت کا ذکر وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت تو خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی اور توراۃ کی حفاظت کا مطالبہ علماء یہود سے کیا ۔

سوال :- اس امتیاز اور فرق کی کیا وجہ ہے ؟

جواب :- اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں اور اس کی حکمتوں کا احاطہ تو کسی انسان کے بس میں نہیں ، البتہ اس امتیاز اور فرق کی بڑی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا کہ توراۃ ، زبور ، اور انجیل یہ سب کتابیں اپنے اپنے وقت پر نازل ہوں اور انسان ان کے احکام پر عمل کر کے دین و دنیا کی سعادت حاصل کریں اور پھر ایک وقت ایسا آئے کہ سب سے آخر میں قرآن مجید نازل ہو کر پہلی تمام کتابوں کو منسوخ کر دے اور قیامت تک اسی کا قانون جاری ہو اور اسی کے احکام پر عمل درآمد ہو ، قیامت تک صرف یہی پڑھا پڑھایا جائے پس پہلی کتابوں کی محفوظیت چونکہ قیامت تک مقصود نہیں تھی ، اس لیے اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی انسانوں کو ٹھہرایا گیا ، اور قرآن مجید

کو چونکہ قیامت تک باقی رکھنا مقصود تھا، اور اس کے بعد کسی نئی کتاب کا نازل کرنا منظور نہیں تھا، اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی، کیونکہ اگر اس کی حفاظت بھی انسانوں کے سپرد کر دی جاتی، تو قیامت تک اس کا باقی رہنا بھی ناممکن تھا۔

سوال:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ حفاظت کو کس طرح پورا فرمایا؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو ایسے حیرت انگیز طریقے سے پورا فرمایا کہ جسے دیکھ کر یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس قسم کی حفاظت بشری طاقت سے باہر ہے اور یہ کسی ایسے زبردست اور حکمت والے مالک کی کارفرمائی ہے کہ جس کے ارادے کو کوئی متزلزل نہیں کر سکتا، اور وہ جو کچھ چاہتا ہے کر گذرتا ہے کوئی اس کے ارادے میں حائل نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کتنا ہی پیچ و تاب کھائے اور اس کی کتاب کو نعوذ باللہ معدوم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اس حفاظت کی یہ صورت پیدا فرمائی کہ قرآن کے اترنے کے زمانہ سے اس وقت تک ہر زمانہ میں سینکڑوں، ہزاروں بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد میں ایسے لوگوں کو پیدا فرماتے رہے جو اپنے سینوں میں اسکی اس پاک کتاب کو بہ تمام محفوظ کرتے رہے اور یہ لوگ اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے اتنی ضخیم کتاب کو اوّل سے آخر تک اس طرح حفظ کرتے رہے کہ اس کا ایک کلمہ تو کیا ایک حرف اور ایک حرکت بلکہ ایک نقطہ بھی ضائع نہیں ہونے پایا چنانچہ اس پرفتن دور میں بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص ایسے موجود ہیں کہ جن کے سینوں میں پورے کا پورا قرآن مجید محفوظ ہے، اور وہ اس کو ایک حرف کی کمی کے بغیر فرفر پڑھ کر سُنا سکتے ہیں اور ایسے لوگوں کو جنہیں پورا قرآن مجید یاد ہوتا ہے۔ اسلامی اصطلاح اور بول چال میں حفاظ قرآن یعنی قرآن کے حافظ کہتے ہیں۔

سوال :- کیا حفاظ قرآن کو اسلام نے کوئی خاص اور امتیازی مقام بھی دیا ہے؟

جواب :- ہاں اسلام نے اُن کو بلند مرتبہ اور خصوصی مقام عطا کیا ہے. چنانچہ آئندہ فصل میں فضائل قرآن کے سلسلہ میں درج ہونے والی حدیثوں میں تیسری حدیث میں خصوصیت کے ساتھ حفاظ قرآن کے اس امتیازی مقام اور مرتبہ کا ذکر آرہا ہے۔

سوال :- کیا اس قسم کی انوکھی حفاظت پہلی کتابوں میں سے بھی کسی کتاب کو حاصل ہوئی تھی؟

جواب :- یہ عجیب وغریب اور ناقابل فنا حفاظت صرف قرآن ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ پہلی کتابوں کی حفاظت کے لیے یہ صورت موجود نہ تھی۔

سوال :- وہ کون سی چیز ہے، جو ہر زمانہ کے مسلمانوں کو قرآن پاک کے حفظ کرنے پر آمادہ کرتی رہی ہے؟

جواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے حفظ کرنے اور اس کو پڑھنے پڑھانے والے لوگوں کے حق میں ارشاد فرمایا ہے، کہ آخرت میں اُن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ایسے بلند درجے اور اُونچے مراتب حاصل ہوں گے کہ جو دنیا اور اس کی نعمتوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔

فصل دوم قرآن مجید کے فضائل میں

سوال :- وہ احادیث کیا ہیں جن میں قرآن مجید کے فضائل ذکر کیے گئے ہیں؟

جواب :- اس سلسلہ میں یوں تو بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مگر چونکہ یہ رسالہ مختصر ہے، اس لیے ہم یہاں صرف چند حدیثوں کے ذکر پر ہی اکتفا کریں گے۔

۱:۔ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف سیکھے اور سکھائے روایت کیا ہے، اس حدیث کو بخاری نے۔

فائدہ یہ حدیث فضائل قرآن کے باب میں بہت ہی مشہور ہے اور اس میں قرآن مجید کی ایسی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور اس کے سیکھنے سکھانے کے بارے میں اس کے سوا کوئی اور حدیث وارد نہ بھی ہوئی ہوتی تو یہی ایک حدیث خدامِ قرآن کی عزت افزائی کے لیے کافی ووافی تھی کیونکہ اس میں ان کی ایسی فضیلت کا ذکر ہے جو دنیا ومافیہا سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ان کو دربارِ رسالت سے خَيْرُكُمْ یعنی امت میں سب سے بہتر ہونے کا تمغہ عطا ہورہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

تنبیہ بعض کتابوں میں وَعَلَّمَهٗ کے بجائے اَوْعَلَّمَهٗ ہے اس صورت میں یہ فضیلت عام ہوگی کہ خود سیکھے یا دوسروں کو سکھائے دونوں کے لیے مستقل خیر اور بہتری ہے (فضائل قرآن)

۲:۔ عَنْ مُعَاذِنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْكَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا (رواہ احمد وابوداؤد وصححہ الحاکم فضائل قرآن)

ترجمہ:۔ حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس کے احکام پر عمل بھی کرے، تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اور چمک آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی، اگر وہ آفتاب اس دنیا میں تمہارے گھروں

ہیں ہو پس کیا گمان ہے۔ تمہارا خود اس شخص کے متعلق جس نے ان احکام پر عمل کیا ہوگا۔ انتہیٰ۔

چند ضروری فوائد

(۱) یعنی اگر بالفرض سورج ہم میں سے کسی کے گھر میں اُتر آئے۔ تو جتنی روشنی اور چمک اس کی اس صورت میں معلوم ہوگی، اس تاج کی چمک اور روشنی اس سے بھی زیادہ ہوگی۔

(۲) پس جب اس کے والدین پر اتنا بڑا انعام حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے تو خود وہ شخص جس نے قرآن پڑھا ہوگا اور اس پر عمل کیا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام اور اس کا کس قدر اعزاز و اکرام ہوگا، اس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

(۳) ہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس انعام کا وعدہ اس شخص کے لیے ہے جس نے قرآن پڑھا بھی اور اس پر عمل بھی کیا جس کا یہ واضح نتیجہ ہے کہ بے عمل حفاظ و قراء اس انعام کے مستحق نہیں سمجھے جائیں گے اس لیے قرأتِ قرآن کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کا اہتمام بھی ضرور ہونا چاہیئے۔

۴:- عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِیْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ

(رواہ احمد والترمذی فضائل القرآن)

ترجمہ:- حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا اور پھر اس کو حفظ یاد کیا، اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام سمجھا تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے، کہ جن پر ان کے گناہوں کے سبب دوزخ کا عذاب واجب ہوچکا ہوگا۔ انتہیٰ۔

سبحان اللہ کیا اونچی شان ہے۔ حافظ قرآن کی، کہ خود بھی جنت میں جائے گا اور دس اوروں کو بھی ساتھ لے جائے گا۔ مگر یہ حقیقت بھی بھولنے نہ پائے کہ یہ فضیلت حافظ قرآن

کو اسی صورت میں حاصل ہوگی کہ وہ قرآن کی دولت سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ عقائد کی درستی اور خیالات کی پاکیزگی سے بھی آراستہ اور مزین ہو۔ خدا نخواستہ حافظ قرآن کے عقائد کی اگر اصلاح نہ ہوئی اور وہ غیر اسلامی عقائد ہی کو اپناتا رہا مثلاً ختم نبوت کا انکار، صحابہ کرام کی شان میں گستاخی، انکار حدیث اور اس قسم کی دوسری بدعقیدگیوں میں مبتلا رہا۔ تو ایسی صورت میں نہ صرف یہ کہ وہ اس فضیلت ہی سے محروم رہے گا بلکہ ان برے عقیدوں کی وجہ سے نار جہنم کا مستحق قرار پائے گا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا وَ اَبْعَدَنَا خلاصہ یہ کہ وہ تمام فضائل جو حافظ قرآن کے بارے میں احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اسی صورت میں حاصل ہوں گے۔ جبکہ حافظ قرآن صحیح اسلامی عقائد کا بھی حامل ہوگا۔ اس لیے طلبا رتجوید کو چاہیئے، کہ اس مقدس علم کے ساتھ ساتھ وہ ایسی کتابوں کا مطالعہ بھی ضرور رکھیں، جن سے ان کے دلوں میں صحیح عقائد اور عظمت اسلام پیدا ہوکر نور ایمان جگمگا اٹھے۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ لِھٰذَا وَاِیَّاکُمْ

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

سوال:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کے معنے سمجھے بغیر اس کو حفظ کرنا اور اس کی تلاوت کرنا طوطے کی طرح رٹنے کے مانند ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں تو کیا ان کا یہ کہنا واقعی صحیح ہے؟

جواب:۔ ہرگز نہیں ان کا یہ قول سراسر باطل اور یہ خیال بالکل لغو ہے در اصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے قلوب قرآن مجید کی عظمت سے خالی اور ان کی زبانیں اس کی ضرورت سے منکر ہیں۔ اس لیے وہ ایسے گندے خیالات پھیلا کر اوروں کو بھی تعلیم قرآن سے روکنا چاہتے ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر عمدۃ البیان میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔ یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف ایک حدیث اور ایک واقعہ

کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ بلا معنی سمجھے بھی صرف الفاظ قرآن کو حفظ کرنے اور اس کی تلاوت کرنے کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

حدیث :- عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَءَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ بِہٖ حَسَنَۃٌ وَّالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا لَآ اَقُوْلُ الٓـمّٓ حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِیْمٌ حَرْفٌ (رواہ الترمذی۔ از فضائل قرآن)

ترجمہ :- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا۔ تو اس کو اس کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی، اور ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارا الٓـمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔ انتہٰی یعنی الٓـمّٓ میں چونکہ تین حرف ہیں اس لیے اس کے پڑھنے والے کو تیس نیکیاں ملیں گی۔

فائدہ | غور کرو کہ اس حدیث میں یہ کوئی شرط نہیں لگائی گئی کہ پڑھنے والا معنی سمجھتا ہو تو تب ہی اس کو ثواب ملے گا۔ بلکہ نکتہ کی بات یہ ہے کہ جن حروف کو نبی اکرم صلی اللہ وسلم نے اپنے پاک ارشاد میں ذکر فرمایا ہے ان کے معنی ہر شخص سمجھ بھی نہیں سکتا، بلکہ بڑے بڑے علماء بھی ان کی یقینی مراد سمجھنے سے قاصر ہیں، پس ان لوگوں کے قول کی رو سے تو ان حرفوں کی تلاوت کا کوئی فائدہ ہی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ان کی تلاوت پر تیس نیکیوں کا ملنا ثابت ہو رہا ہے۔

اس حدیث سے جہاں بے معنی سمجھے قرآن مجید کی تلاوت کرنے پر اجر و ثواب کا ملنا ثابت ہوتا ہے۔ وہاں اس سے تلاوت قرآن کی ایک بہت بڑی فضیلت اور اس کا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہوں۔ یہ خصوصیت اور فضیلت صرف اور صرف

قرآن مجید کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شب و روز اس کی تلاوت کرنے اور اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ

واقعہ امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا کہ سب سے بہتر چیز جس سے آپ کے دربار میں تقرّب حاصل ہو کونسی ہے ارشاد ہوا کہ احمد میرا کلام (قرآن مجید) ہے میں نے عرض کیا سمجھ کر یا بلا سمجھے ارشاد ہوا کہ سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے دونوں طرح موجب تقرب ہے (فضائل قرآن صـ۳۴)

اس حدیث اور واقعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ قرآن مجید کی تلاوت خواہ سمجھ کر کی جائے یا بلا سمجھے ہر طرح یہ بارگاہِ الٰہی میں تقرّب اور نزدیکی کا سبب بنتی ہے۔ بس اب تم خود ہی سوچ لو، کہ نیکیوں کا ملنا، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کا حاصل ہونا کوئی فائدے کی چیز ہے، یا معاذ اللہ بے فائدہ اور بے کار ہے، اگر یہ کوئی فائدے کی چیز ہے اور اس کی مسلمانوں کو ضرورت ہے تو پھر قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا اور اس کا حفظ کرنا بھی یقیناً نفع کی چیز ہے اور اگر کسی کے دل میں نیکیوں کی اور اور اللہ کے قرب ہی کی قدر نہ ہو، تو پھر اس شخص کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے، چونکہ یہ رسالہ نہایت مختصر ہے۔ تفصیل کی اس میں گنجائش نہیں۔ بس تم قرآن کے سیکھنے اور سکھانے میں لگے رہو اور ایسے لوگوں کی بے ہودہ باتوں پر بالکل کان مت دھرو، اور اس عمل سے اللہ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی چاہتے رہو، یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

ہاں یہ بات اور بھی خوبی کی ہے۔ کہ حفظ قرآن کے بعد اس کے معنی سیکھے جائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں کن باتوں کا حکم کرتے ہیں اور کن چیزوں سے روکتے ہیں۔ کیونکہ اس سے دل میں احکام خداوندی پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بڑی دولت ہے۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کہ جب تک معنی سمجھنے کی لیاقت نہ ہو۔ اس وقت تک تلاوت ہی نہ کی جائے اور بے معنی سمجھے تلاوت کرنے کو معاذ اللہ فضول اور

بے کار کہا جائے۔

سوال:۔ امام احمد بن حنبلؒ جن کا واقعہ ابھی آپ نے ذکر کیا ہے۔ کون بزرگ ہیں؟

جواب:۔ یہ ایک بہت بڑے عالم بزرگ متقی اور مسلمانوں کے امام ہیں اور مسلمانوں کے جو چار بڑے امام مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہیں۔

سوال:۔ کیا کوئی ایسی کتاب بھی ہے۔ جس کے مطالعہ سے قرآن مجید کی عظمت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا شوق دلوں میں پیدا ہو جائے؟

جواب:۔ ہاں اس مقصد کے لیے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری مدظلہ کا رسالہ فضائل قرآن بہت عمدہ ہے اس کا مطالعہ ضرور رکھو، اس سے انشاء اللہ دل میں قرآن کی عظمت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا شوق پیدا ہوگا۔

سوال:۔ کیا قرآن مجید صرف سینوں ہی میں محفوظ ہوتا چلا آ رہا ہے، یا کتابی شکل میں بھی مدون (جمع کیا ہوا) محفوظ ہوتا رہا ہے؟

جواب:۔ جس طرح قرآن مجید اپنے زمانہ نزول سے اب تک حفاظ قراء کے سینوں میں محفوظ ہوتا چلا آ رہا ہے، اسی طرح وہ اس زمانہ سے کتابی شکل میں بھی مدون و مکتوب ہوتا آ رہا ہے۔ پس اس کو دونوں طرح کی حفاظت حاصل رہی ہے۔ سینہ بہ سینہ بھی اور کتابی شکل میں بھی۔ چنانچہ ہم ذیل میں مختصر طور پر قرآن مجید کی تاریخ بیان کرتے ہیں۔ تاکہ تمہیں پتہ چل جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مقدس کتاب اپنے زمانہ نزول سے اب تک ہمارے پاس کیسے اور کن بزرگوں کے ذریعے پہونچی ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ مسلمانوں نے اور بالخصوص صحابہ کرامؓ نے اس پاک کتاب کی حفاظت کیخاطر کیا کیا کوششیں اور محنتیں کی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا۔ کہ ان حضرات کے نزدیک قرآن مجید کی حفاظت کرنا اور اس کو دنیا میں پھیلانا کس قدر ضروری تھا۔

فصل سوم قرآن مجید کی تاریخ میں

عہد رسالت میں قرآن کی حفاظت وکتابت

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید کی حفاظت کیسے ہوئی اور اس کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا؟

جواب:۔ جب قرآن مجید کی کوئی آیت یا کئی آیتیں یا کوئی سورت نازل ہوتی تو سب سے پہلے اس کی حفاظت کا انتظام یہ ہوتا۔ کہ وہ نازل شدہ حصّہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں محفوظ ہوجاتا۔ اور حفاظت کی یہ شکل خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ جس کا اعلان سورہ قیٰمہ کے پہلے رکوع میں ان لفظوں میں فرمایا۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۔ ترجمہ بے شک ہمارے ذمہ ہے۔ قرآن کا آپ کے سینہ میں محفوظ کر دینا۔ اور پھر اس کا آپ کی زبان سے پڑھوا دینا اور پھر بہت سے صحابہ کرامؓ اس کو حفظ یاد کر لیتے اور جو لکھنا جانتے وہ لکھ بھی لیتے، علاوہ ازیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان صحابہ کرامؓ میں سے جن کو آپؐ نے قرآن کے لکھنے پر مقرر فرما رکھا تھا کسی کو بلا کر وہ نازل شدہ حصّہ لکھوا دیتے۔ اس طرح قرآن کا وہ حصّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے صحابہؓ کے سینوں میں بھی محفوظ ہوجاتا، اور بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس کتابی شکل میں بھی مدوّن ہوجاتا۔

سوال:۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پورا قرآن کسی کو حفظ ہو گیا تھا اور مکمل طور پر لکھا جا چکا تھا، یا نہیں اور اگر پورا لکھا جا چکا تھا تو اس کی کیا نوعیت تھی؟

جواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک حیات ہی میں پورے کا پورا قرآن مجید دو چار یا دس بیس کو نہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کو جس میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی، مہاجرین بھی اور انصار بھی حفظ ہو گیا تھا، اور اسی طرح آپ کے مبارک زمانہ ہی میں پورے کا پورا قرآن مجید لکھا بھی جا چکا تھا، لیکن ایک جگہ مرتب اور جمع نہیں تھا، البتہ سینوں میں اسی ترتیب کے ساتھ محفوظ تھا جس ترتیب کے ساتھ آج ہمارے پاس موجود ہے۔

عہدِ صدیقی میں قرآن کی حفاظت و تدوین

سوال :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر قرآن مجید ایک جگہ جمع کس زمانہ میں اور کس کے حکم سے کیا گیا؟

جواب :- پورے کا پورا قرآن مجید حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں اور آپ ہی کے حکم سے ایک جگہ جمع کیا گیا اور اس خدمت کو آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور حضرت زیدؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی قرآن لکھنے والے صحابہؓ کی جماعت کے افسر تھے۔ چنانچہ آپ نے اس خدمت کو نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ سرانجام دیا۔ اور پورا قرآن مجید ایک جگہ جمع کر دیا۔

سوال :- حضرت صدیق اکبرؓ کو قرآن مجید کے ایک جگہ جمع کرانے کا مشورہ کس نے دیا اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب :- حضرت ابو بکر صدیقؓ کو قرآن مجید کے ایک جگہ جمع کرانے کا مشورہ حضرت عمر فاروقؓ نے دیا اور اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند ہی ماہ بعد عہد صدیقی میں مسلمانوں کو مرتدین کی ایک جماعت کے ساتھ جن کا سردار

مسیلمہ کذاب تھا، لڑائی لڑنی پڑی - جس میں بہت سے صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے شہید ہونے والے صحابہؓ میں ایک بڑی جماعت حفاظ قرآن کی بھی تھی - اس لیے حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ خیال ہوا کہ اگر قرآن مجید کو سرکاری انتظام کے تحت ایک جگہ لکھوا کر محفوظ نہ کر لیا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی طرح حفاظ قرآن لڑائیوں میں شہید ہوتے رہیں اور قرآن بھی خدانخواستہ پہلی کتابوں کی طرح ضائع ہو جائے اور اسی خطرہ کے پیش نظر جناب عمر فاروقؓ نے خلیفہ رسولؐ حضرت صدیق اکبرؓ کو حکومت کی نگرانی میں ایسا کرانے کا مشورہ دیا۔

سوال :- جس لڑائی کا ابھی آپ نے ذکر کیا ہے، اسلامی تاریخ میں اس کا کیا نام ہے اور وہ کیوں لڑی گئی ؟

جواب :- یہ لڑائی اسلامی تاریخ میں جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ اس لیے لڑی گئی کہ یمامہ کے ایک شخص نے جس کا نام مسیلمہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آپؐ کی حیات ہی میں نبوّت کا دعویٰ کیا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں تو اس کی جھوٹی نبوّت کو زیادہ پھیلنے کا موقع نہ مل سکا، لیکن آپؐ کی وفات کے بعد اس کے گروہ میں اضافہ ہونے لگا - اس لیے حضرت صدیق اکبرؓ کو اس فتنہ کے دبانے کی ضرورت پڑی، اور اسی مقصد کے پیش نظر یہ لڑائی لڑی گئی چنانچہ مسیلمہ اس لڑائی میں مارا گیا اور اس کی جھوٹی نبوّت کا خاتمہ ہو گیا، اور چونکہ اس شخص نے ایک بہت بڑا جھوٹ بولا تھا اور خدا تعالیٰ پر ایک بڑا افتراء باندھا تھا - کہ میں نبی ہوں، اسی وجہ سے اسلامی تاریخ میں اس کو مسیلمہ کذاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یعنی بہت بڑا جھوٹ بولنے والا مسیلمہ

دورِ عثمانیؓ میں قرآن کی خدمت و اشاعت

سوال :۔ کیا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ کسی اور خلیفہ نے بھی قرآن کی کوئی خدمت انجام دی ہے ؟

جواب :۔ ہاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسی عہدِ صدیقی کے جمع کردہ قرآن کی بہت سی نقلیں کرا کر بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھجوا دیں اور حکم دیا کہ ان ہی نسخوں کے مطابق قرآن لکھا جائے۔ اور پڑھا پڑھایا جائے۔

سوال :۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی اس خدمت کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

جواب :۔ حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ نے ایک اسلامی لڑائی میں مسلمانوں کے دو گروہوں کو قرآن کے بعض کلمات کی قرأت کے بارے میں اختلاف کرتے ہوئے دیکھا۔ کہ ہر گروہ دوسرے گروہ کی قرأت کو غلط اور اپنی قرأت کو صحیح بتا رہا تھا۔ حضرت حذیفہؓ نے اس صورتِ حال سے حضرت عثمانؓ کو آگاہ کر کے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ قرآن مجید کو وسیع پیمانہ پر لکھوا کر اس کی حفاظت کا انتظام فرمائیں۔ ورنہ اندیشہ ہے۔ کہ کہیں قرآن کا بھی وہی حال نہ کیا جائے۔ جو دوسری آسمانی کتابوں کا ہُوا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کے جمع کیے ہُوئے قرآن کو منگا کر اس کی متعدد نقلیں کرنے کا حکم دیا۔ اور آپ نے بھی اس خدمت کے لیے حضرت زید بن ثابتؓ کو ہی منتخب فرمایا۔ اور ان کے ساتھ چند اور نامور صحابہؓ کو بھی اس خدمت پر مامور فرما دیا۔ بس اُس وقت سے اب تک ساری امت کا اس پر اجماع رہا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ کے لکھوائے ہوئے قرآن کے ان نسخوں کے مطابق ہی لکھنا اور پڑھنا ضروری ہے اور اس کے خلاف ہرگز جائز نہیں تفصیل کے لیے

عمدۃ البیان کی طباعت کا انتظار کیجئے۔ اور اس کی تکمیل کے لیے دعا بھی کیجئے۔

سوال :۔ کیا مسلمانوں کے پاس آج قرآن کا وہ رسم الخط (لکھنے کا طریقہ) محفوظ ہے جس کے مطابق عثمانی عہد میں قرآن لکھے گئے تھے؟

جواب :۔ ہاں محفوظ ہے اور اسلام کے ابتدائی دور سے اس وقت تک جس طرح علماء و حفاظ قرآن کے معانی اور اس کے الفاظ کی حفاظت کرتے چلے آئے ہیں۔ اسی طرح وہ قرآن مجید کے اس رسم الخط کی بھی حفاظت کرتے رہے ہیں جسے صحابہ کرامؓ نے دور عثمانی میں قرآنوں کے لکھتے وقت اختیار فرمایا تھا اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے علماء نے چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ جن میں تفصیل کے ساتھ اس رسم الخط کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

سوال :۔ کیا حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں بھی قرآن مجید کی تدوین و حفاظت سے متعلق کوئی خدمت انجام پائی تھی۔؟

جواب :۔ چونکہ آپ کی خلافت کا زمانہ شروع ہونے سے پہلے ہی قرآن کی تدوین وحفاظت سے متعلق تمام مراحل طے ہو چکے تھے اور اس نوعیت کی کسی خدمت کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی اس لیے آپ کے دورِ خلافت میں تدوین قرآن سے متعلق کوئی خاص واقعہ قابلِ ذکر نہیں۔ البتہ حضرت علیؓ کا وہ ارشاد کتابوں میں پایا جاتا ہے جس میں آپ نے خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کی خدمت کو سراہا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے موقع ملتا۔ تو میں بھی اس سلسلہ میں وہی کچھ کرتا۔ جو حضرت عثمانؓ نے کیا انتہیٰ۔ آپ کے اس ارشاد سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوتی ہے۔ کہ یہ سب حضرات آپس میں شیر و شکر اور قرآن کے سچے خادم تھے اور ایک دوسرے پر پورا پورا اعتماد کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان پاک لوگوں کے نقش قدم پر

چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت کے دن اپنے فضل وکرم سے ہمارا حشر انہیں کے ساتھ فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

سب سے بڑے محسن

سوال: قرآن کی حفاظت کے سلسلہ میں سب سے نمایاں خدمت کن حضرات نے انجام دی۔ اور امت مسلمہ پر اس سلسلہ میں سب سے زیادہ احسان کن بزرگوں کا ہے۔

جواب:۔ قرآن کی نشر واشاعت اور اس کی تدوین وحفاظت میں جملہ صحابہ کرامؓ اور بالخصوص خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت صدیق اکبر حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کوششوں کو بہت دخل ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان حضرات کو اپنی پاک کتاب کی حفاظت کی مبارک ترین خدمت کے لیے منتخب فرمالیا تھا، اور اگر یہ حضرات اپنے اپنے دور خلافت میں اس مقدس کام کی طرف توجہ نہ فرماتے، تو بظاہر یہ بہت ممکن تھا، کہ آج قرآن مجید ہمارے پاس اس اصلی شکل میں جس میں کہ وہ عہد رسالت میں تھا محفوظ نہ ہوتا اور خدانخواستہ پہلی کتابوں کی طرح یہ بھی ضائع ہوگیا ہوتا، پس اللہ جل شانہٗ نے اپنے وعدۂ حفاظت کو پورا فرمانے کے لیے ان حضرات کو بطور ذریعہ اور سبب چن لیا تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا، جبکہ قرآن ان ہی کی موجودگی میں اترا، اور اس کی بہت سی آیات خود انہی کی شان میں نازل ہوئیں، اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے بلاواسطہ قرآن پڑھا جس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا، کہ قرآن مجید کے ساتھ سب سے زیادہ محبت اور اس کو تمام دنیا میں پھیلانے کا سب سے زیادہ شوق بھی ان ہی کے

دلوں میں پیدا ہوتا چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ تم اُوپر پڑھ چکے ہو کہ جنگ یمامہ میں جب بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہو گئے تو شیخین کو سب سے زیادہ جس چیز کی فکر لاحق ہوئی وہ یہی تھی کہ خدانخواستہ کہیں قرآن مجید بھی پہلی کتابوں کی طرح ضائع نہ ہو جائے اور اسی لیے انہوں نے اس کو سرکاری طور پر کتابی شکل میں محفوظ کرا دیا اور پھر حضرت عثمان رضؓ کے دَور خلافت میں قرأت قرآن کے بارے میں مسلمانوں کے اندر جب اختلاف پیدا ہوا۔ تو انہوں نے اُس قرآن کی بہت سی نقلیں کرا کر اُس وقت کے بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھجوا دیں اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ انہیں قرآنوں کے موافق لکھا اور پڑھا پڑھایا جائے جس سے ہمیشہ کے لیے اس اختلاف کا خاتمہ ہو گیا اور آئندہ اس کا اندیشہ نہ رہا۔ کہ کسی موقعہ پر بھی قرآن مجید پہلی کتابوں کی طرح تحریف کا نشانہ بنے۔ یقیناً امت پر ان کا یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے، کم ہے۔ پس اللہ کی اس کتاب کے ہم تک پہنچنے میں ہمارے جملہ اساتذہ کا اور بالخصوص صحابہ کرام رضؓ کا پھر ان میں سے بھی خلفاء راشدین اور حضرت زید اور حضرت حذیفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ کا ہم پر جو احسان ہے۔ اُسے ہمیں کسی حالت میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے

تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں خدام قرآن

سوال :۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد پھر کن لوگوں کے ذریعے قرآن کی حفاظت اور اس کی اشاعت ہوئی ؟

جواب :۔ صحابہ کرام رضؓ کے بعد تابعین اور پھر ان کے بعد تبع تابعین میں سے بے شمار اور ان گنت حضرات نے خدمت قرآن کو اپنا مشغلہ بنایا، اور اللہ کی وہ مقدس امانت جو صحابہ کرام رضؓ نے ان کے سپرد کی تھی، نہایت محنت، جانفشانی اور دیانتداری کے

ساتھ انہوں نے اس کو اپنے سے بعد والے لوگوں تک پہنچا دیا۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کتنے اور کون کون تھے، ان کا احصاء اور شمار کسی کے بس میں نہیں، ان میں سے جن کے تذکرے کتابوں میں ملتے ہیں، وہ بھی بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر قرآن مجید کی خدمت اور اس کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے، ہاں ان میں سے سات ایسے مشہور اور ممتاز ہیں کہ جو علم و فضل کے آسمان پر بدرِ منیر بن کر چمکے، اور سارے عالم کو نورِ قرآن کی شعاعوں سے جگمگا دیا۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ (۱) امام نافع مدنی (۲) امام ابن کثیر مکی (۳) امام ابو عمرو بصری (۴) امام ابن عامر شامی (۵) امام عاصم (۶) امام حمزہ (۷) امام کسائی تینوں کوفی، پھر ان سات شیوخ کے بکثرت راوی (شاگرد) ہوئے مگر ہر ایک کے دو دو راوی ایسے لائق و فائق اور مرجع خلائق بنے۔ جنہوں نے اپنے شیوخ سے قرآن پڑھا، اور پھر اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ اور جہالت کی تاریکی کو دور کر کے سارے جہاں کو نورِ علم سے معمور کر دیا۔ چنانچہ امام عاصم کوفی تابعی کے دو مشہور راوی یہ ہیں (۱) حضرت ابو بکر شعبہؒ (۲) حضرت ابو عمرو حفص بن سلیمان بن مغیرہ اسدی، اور ہم اس رسالہ میں انہی حضرت حفصؒ ہی کی روایتؒ کے موافق مسائل تجوید بیان کریں گے، اس لیے کہ یہی روایت سارے جہان میں زیادہ تر پڑھی پڑھائی جاتی ہے، اور روئے زمین پر ایک ہزار حفاظ میں سے تقریباً نوسو ننانوے اشخاص کو صرف یہی ایک روایت یاد ہے اور ایسا شاید کوئی نہ ہو کہ جس کو یہ روایت تو یاد نہ ہو اور کوئی

؎ اگرچہ مخارج اور صفات لازمہ میں تو قراء سبعہ بلکہ قراء عشرہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں لیکن بقیہ مسائل یا بالفاظ دیگر صفات عارضہ میں اور کسی قدر کیفیت وقف میں بھی ان حضرات کے مذاہب مختلف ہیں لیکن ہمارے پیشِ نظر چونکہ صرف روایت حفصؒ کے طلباء ہی ہیں۔ اس لیے رسالہ ہذا میں انہی کی روایت کے موافق مسائل بیان کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔

دوسری یاد ہو۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

حضرت حفصؒ اور اُن کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سند

سوال:۔ حضرت امام حفصؒ کس سن میں پیدا ہوئے۔ اور کس سن میں ان کی وفات ہوئی اور آپ کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کتنے اور کن واسطوں سے جا ملتی ہے؟

جواب:۔ آپ ۹۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰ھ میں بعمر نوّے سال وفات پائی۔ آپ نے قرآن مجید حضرت امام عاصم کوفی تابعی سے پڑھا اور ان کے تمام رواۃ وتلامذہ میں سب سے زیادہ قوی حافظہ والے تھے، اور آپ کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تین واسطوں کے ذریعہ سے پہونچتی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں حضرت حفصؒ نے امام عاصم بن ابی النجود کوفی تابعی سے انہوں نے حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب السلمیؒ اور حضرت ابومریم زرّ ابن حبیشؒ سے پھر ان میں سے امام عبداللہ بن حبیب السلمیؒ نے حضرت عثمانؓ بن عفانؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب حضرت ابیؓ بن کعبؓ حضرت زیدؓ بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود رضی اللہ عنہم (ان پانچ صحابہؓ) سے اور امام زرّ ابن حبیشؒ نے حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے اور ان سب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا (از تیسیر و لابی عمر الدانی۔ اور محقق ابن الجزری نے امام عاصم کے تین شیوخ بتائے ہیں۔ اور تیسرے شیخ کا نام ابوعمرو، سعد بن الیاس شیبانی بتایا ہے۔ اور پھر یہ فرمایا ہے کہ ان تینوں حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے پڑھا ہے۔ پھر ان تین میں سے السلمیؒ اور زرّ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی پڑھا ہے۔ اور السلمی نے ان تین کے علاوہ حضرت ابی ابن کعب اور حضرت زید

بن ثابت رضی اللہ عنہما سے بھی پڑھا ہے۔ النشر صد ۱۵۵ ج ۱۔

اور حاصل اس کا یہ ہے کہ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی نے تو حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابیؓ اور حضرت زیدؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان پانچ صحابہؓ سے اور حضرت زرّ بن حبیش نے حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان تین سے اور حضرت ابو عمر سعد بن الیاس الشیبانی نے صرف عبداللہ ابن مسعود سے پڑھا ہے۔ اور ان پانچوں صحابہؓ نے خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے۔ واللہ اعلم۔

تجوید (صحت لفظی) اور اس کی حیثیت

سوال :- جس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور اس کا رسم الخط امت کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک محفوظ ہے، تو کیا اس طرح حروف قرآنیہ کی کوئی ادا اور ان کا کوئی تلفظ بھی امّت کے پاس محفوظ ہے یا جس طرح جس کا جی چاہے ادا کرے، اس کی عام اجازت ہے؟

جواب :- بے شک جس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور اس کا رسم الخط محفوظ ہے۔ بعینہٖ اسی طرح امّت کے پاس حروف قرآنیہ کی ادا اور ان کا تلفظ بھی محفوظ ہے۔ اور اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ جو شخص جس طرح چاہے قرآن مجید کے حروف کلمات کو ادا کرے۔ بلکہ وہی ادا صحیح اور معتبر سمجھی جائے گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے تلاوت فرمائی اور جس طرح قرآن مجید کے وہی معانی و مطالب صحیح سمجھے جائیں گے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں، اسی طرح قرآن مجید کے

الفاظ کی ادا بھی وہی معتبر ہو گی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی تلاوت میں مرعی تھی۔

سوال :- علماء اسلام نے جس طرح قرآن مجید کے معانی، مطالب کی حفاظت کی غرض سے بہت سے علوم مثلاً صرف، نحو، لغت اور ادب وغیرہ مدّون فرمائے ہیں تو کیا انہوں نے اس کے الفاظ کی صحیح ادا کو باقی رکھنے کے لیے بھی کسی علم کی تدوین فرمائی ہے اور اگر ایسا کیا ہے تو اس علم کا نام کیا ہے؟

جواب :- بے شک علماء اسلام نے معانی قرآن کی طرح اس کے الفاظ کی صحیح ادا باقی رکھنے کی خاطر بھی ایک خاص علم مدّون فرمایا ہے، اور اس مقدّس علم کا نام علم تجوید ہے۔ پس جس طرح قرآن کے صحیح مطالب تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ان سب علوم کا جاننا ضروری ہے، اسی طرح قرآن مجید کے حروف وکلمات کے صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے علم تجوید کا حاصل کرنا بھی نہایت ضروری ہے اور یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

سوال :- تجوید کی کتابوں میں کیا چیز بیان کی جاتی ہے؟

جواب :- تجوید کی کتابوں میں وہ قواعد بیان کیے جاتے ہیں، جن کے یاد کر لینے اور قرآن کی تلاوت کے وقت ان کو عمل میں لانے سے الفاظ قرآن کی ادا صحیح ہو جاتی ہے اور عجمی لوگوں کا تلفظ بھی ان خالص عربوں کے تلفظ کے موافق ہو جاتا ہے جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ فقط واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم

خلاصۃ المقدّمہ

سوال :- اس عنوان کا کیا مطلب ہے اور اس کے ضمن میں کونسا مضمون بیان کیا گیا ہے؟

جواب :- چونکہ یہاں پہنچ کر کتاب کا مقدمہ ختم ہو چکا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل موضوع شروع کرنے سے پہلے مقدمہ کے مضامین کو پھر ایک بار بطور خلاصہ بیان کر دیا جائے سو یاد رکھو کہ اس مقدمہ میں شروع سے آخر تک قرآن مجید کی محفوظیت کا مسئلہ ہی بیان ہوتا چلا آیا ہے ۔ اور اسی سلسلہ میں پہلے فضائل تلاوت اور پھر اس کے بعد تاریخ قرآن کا موضوع بھی مختصر طور پر زیر قلم آگیا ہے اور خلاصہ اس سب کا یہ ہے کہ قرآن مجید آج بھی اسی طرح محفوظ اور ہر قسم کے تغیر سے پاک ہے جس طرح کہ وہ اپنے زمانہ نزول میں تھا ۔ اور اس میں ایک حرف بلکہ ایک نقطہ کی کمی بیشی نہیں ہونے پائی ۔ اور جس طرح اس کے الفاظ محفوظ ہیں ۔ اسی طرح اس کا رسم الخط اور اس کا تلفظ بھی محفوظ ہے ۔ چنانچہ اس کے الفاظ کی حفاظت کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے حفاظ کا گروہ پیدا فرمایا ۔ اور اس کے پڑھنے پڑھانے اور اس کے حفظ کرنے والوں کے حق میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق بیان سے متعدد فضائل بیان فرمائے ۔ جن میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو سب سے بہتر ہونے کا مژدہ ، قیامت کے دن ان کے والدین کو آفتاب سے زیادہ روشن تاج پہنائے جانے کی بشارت ، حافظ قرآن کی اس کے خاندان میں سے دس آدمیوں کے بارے میں سفارش قبول ہونے کی خوشخبری اس کی تلاوت کرنے والے کو ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیوں کا ملنا ۔ یہ اور اسی طرح کی اور بہت سی فضیلتیں ارشاد فرمائی ہیں ۔ اور پھر اسی سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آگیا ہے کہ اس کی تلاوت پر اجر و ثواب ہر صورت میں ملتا ہے ۔ خواہ معنیٰ سمجھ کر کی جائے اور خواہ بلا معنیٰ سمجھے ۔ اس کی تلاوت بہر حال موجب ثواب اور قرب خداوندی کے حصول کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے اور پھر اس کے بعد تاریخ قرآن کے زیر عنوان قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تدوین و اشاعت سے متعلق سب سے پہلے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور پھر آپ کے بعد خلفاء

راشدین اور دوسرے صحابہ کرامؓ کا اہتمام اور اس بارے میں ان کی کوششوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ کی یہ آخری اور مقدس کتاب صرف حفظاً ہی محفوظ نہیں رہی۔ بلکہ زمانہ نزول سے اب تک کتابی شکل میں بھی اس کی حفاظت ہوتی چلی آئی ہے۔ اور پھر اسی کے ضمن میں صحابہ کرامؓ کے حفاظت قرآن کے سلسلہ میں امت پر جو احسانات ہیں ان کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ تاکہ ہم اپنے دلوں میں ان پاک لوگوں کے بارے میں انتہائی احترام اور عزت کے جذبات کو جگہ دیں۔ جن کے ذریعے قرآن ہم تک پہنچا ہے اور پھر انہی خدمات کے سلسلہ میں بہت ہی اختصار کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین کا اور بالخصوص قراء سبعہ کا ذکر خیر بھی آ گیا ہے پھر اس کے بعد حضرت حفصؒ کی سند اور پھر سب سے آخر میں تجوید کی ضرورت اس مقدس علم کی اہمیت اور اس علم کی تدوین کا مقصد بتایا گیا ہے جس سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ الفاظ اور رسم الخط کی طرح قرآن مجید کی ادا اور اس کا تلفظ بھی بحمد للہ تعالیٰ محفوظ ہے۔ پس خلاصہ اس سارے مقدمہ کا یہی ہوا۔ کہ قرآن مجید آج بھی دنیا میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ہر طرح سے محفوظ ہے۔ لفظاً بھی کتابتاً بھی اور اداءً بھی اور اب آئندہ ابواب میں کتاب کا اصل موضوع یعنی تجوید کے مسائل بیان کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

وَهُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ۔

باب اوّل

اس میں چار فصلیں اور ایک تتمّہ ہے

فصل اوّل میں علم تجوید کے مبادی۔ فصل دوم میں حروف کے مخارج فصل سوم میں حروف کی صفات لازمہ۔ فصل چہارم میں ان صفات کے معنی اور تتمہ میں مخارج وصفات کے تین بڑے بڑے فوائد بیان کر کے تجوید میں کمال پیدا کرنے اور اس علم کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

فصل اوّل علم تجوید کے مبادی کے بیان میں

سوال:۔ مبادی سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ کسی علم، فن کے شروع کرنے سے پہلے بطور مقدمہ جن چیزوں کا جان لینا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اس علم کی تعریف اس کا موضوع۔ اس کی غرض وغایت۔ اس کا ثمرہ اور اس کا حکم وغیرہ۔ ان چیزوں کو مبادی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس فصل میں علم تجوید سے متعلق اسی قسم کی چیزیں بیان کی گئی ہیں۔

سوال:۔ تجوید کی لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

جواب:۔ تجوید کے لغوی معنی (اَلْاِتْیَانُ بِالْجَیِّدِ) یعنی کسی کام کے عمدہ کرنے اور سنوارنے کے ہیں اور مجوّدین کی اصطلاح (بول چال) میں تجوید کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی جاتی ہے۔ هُوَ اَدَاءُ الْحُرُوْفِ مِنْ مَخَارِجِهَا الْخَاصَّةِ لَهَا مَعَ جَمِیْعِ

صِفَاتِهَا اللَّازِمَةِ وَ الْعَارِضَةِ بِسُهُولَةٍ وَّ بِغَيْرِ كُلْفَةٍ (ضوابط نہلاء التجوید للشیخ المقری محمد عبد المعبود رحمۃ اللہ علیہ)

یعنی حرفوں کو ان کے مخارج مقررہ سے مع جمیع صفات لازمہ اور عارضہ کے بغیر کسی تکلّف کے آسانی کے ساتھ ادا کرنا آسکے۔

سوال:۔ علم تجوید کی کیا تعریف ہے؟

جواب:۔ علم تجوید کی تعریف یہ ہے (هُوَ عِلْمٌ يُّبْحَثُ فِيْهِ عَنْ مَّخَارِجِ الْحُرُوْفِ وَصِفَاتِهَا) یعنی علم تجوید اس علم کا نام ہے جس میں حروف کے مخارج اور ان کی صفات سے بحث کی جاتی ہے۔

سوال:۔ علم تجوید کا موضوع کیا ہے اور موضوع کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ علم تجوید کا موضوع حروف تہجی یعنی الف سے یا تک کے انتیس حروف ہیں کہ انہی سے قرآن مجید مرکب ہے اور موضوع کسی علم کا وہ ہوتا ہے جس کے متعلق اس علم میں بحث و تحیص کی جاتی ہے چنانچہ علم تجوید میں انہی حروف ہجا کے مخارج و صفات بیان کیے جاتے ہیں اور انہی کی کیفیت ادا سے بحث کی جاتی ہے اور ان کو حروف تہجی یا حروف ہجا اس لیے کہتے ہیں کہ ان سے ہجے کئے جاتے ہیں۔

سوال:۔ علم تجوید کی غایت کیا ہے اور غایت کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ کسی علم و فن کے حاصل کرنے سے جو چیز مقصود ہوتی ہے، اس کو اس علم کی غایت (غرض) کہتے ہیں اور علم تجوید کی تحصیل سے مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف و کلمات کی اس ادا اور تلفظ پر قدرت حاصل ہو جائے جو آنحضرت

عـہ اساتذہ کرام طلباء کو تجوید اور [illegible] تجوید کا فرق اس طرح [illegible] ہیں کہ تجوید تو اس عمل کا نام ہے جس کے کرنے سے قرآن مجید کے حروف و کلمات [illegible] لفظی اور عمدگی کے [illegible] ادا [illegible] نے ہیں اور علم تجوید وہ علم ہے جس میں عمل کرنے کے اصول اور [illegible] کے قواعد بیان کیے جاتے ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اور حاصل کیا گیا ہے۔

سوال:۔ اس علم کا ثمرہ کیا ہے؟

جواب:۔ دونوں جہاں کی سعادت ... خوشنودی اس کا ثمرہ (فائدہ) ہے۔ نیز یہ کہ اگر قواعد ... کی رعایت رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، تو تلاوت کا ... دوبالا ہو جاتا ہے اور حروف اچھے معلوم ہوتے ہیں

سوال:۔ تجوید میں کمال کیا ہے اور مجوّد کامل کہلانے کا کون حقدار ہے؟

جواب:۔ کمال تجوید یہ ہے کہ قاری حروف قرآنیہ کو ان کے مخارج سے صفات کی رعایت کے ساتھ بغیر کسی قسم کے تکلّف کے ادا کرے یعنی اس کو حروف کے صحیح ادا کرنے میں مشکل پیش نہ آئے اور وہ بلا تکلّف حروف کو نہایت لطافت اور عمدگی کے ساتھ ادا کرتا چلا جائے۔

سوال:۔ تکلف سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ تکلف سے مراد یہ ہے کہ قاری کے چہرے سے پڑھتے وقت گرانی کے آثار ظاہر ہوں، مثلاً پیشانی پر شکن پڑنا جلد جلد پلکیں گرانا زور سے آنکھیں بند کرنا ناک کا پھولنا منہ کا ٹیڑھا ہونا اور جن حرفوں کی ادائیگی میں ہونٹوں کو دخل نہیں ان کے ادا کرنے میں ہونٹوں کو گول کرنا یا خواہ مخواہ حرکت دینا یہ تمام باتیں معیوب ہیں اور ایسا کرنے ہی کو تکلف کہتے ہیں اور جو قاری قرآن مجید کو بلا تکلف پڑھے، یعنی اس کے چہرہ سے اس قسم کے آثار ظاہر نہ ہوں بس وہی مجوّدِ کامل ہے۔ تسہیل الفرقان لمولانا قاری حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ

سوال:۔ علم تجوید کی فضیلت کیا ہے؟

جواب:۔ یہ علم تمام علوم سے اشرف اور افضل ہے۔ اس لیے کہ اس کا تعلق تمام

چیزوں سے اشرف چیز یعنی کلام اللہ کے الفاظ کے ساتھ ہے۔ (عقد الفرید للشیخ محمد بن صبرہ)

سوال:۔ تجوید اور علم تجوید کا کیا حکم ہے۔

جواب:۔ قرآن و حدیث۔ نیز اجماع امت کی رو سے تجوید کا حاصل کرنا۔ اور اس کے موافق قرآن مجید پڑھنا۔ واجب اور ضروری ہے۔ اور اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ سورہ مزمل میں ارشاد باری ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ یعنی قرآن مجید کو خوب ٹھہر ٹھہر کر اور اطمینان کے ساتھ پڑھو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھا جائے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ کی تفسیر جَوِّدِ الْقُرْاٰنَ تَجْوِيْدًا سے ہی کی گئی ہے (نہایت القول المفید) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں یہ منقول ہے اَلتَّرْتِيْلُ هُوَ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ (الاتقان) یعنی ترتیل نام ہے۔ حروف کو تجوید کے ساتھ ادا کرنے اور وقف کا محل اور اس کا طریقہ پہچاننے کا۔ اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّقْرَاَ الْقُرْاٰنُ كَمَا اُنْزِلَ اَخْرَجَهٗ اِبْنُ خُزَيْمَةَ فِيْ صَحِيْحِهٖ عن زيد ابن ثابت عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔ (اعلاء السنن)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو اسی طرح پڑھا جائے جس طرح کہ وہ نازل کیا گیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہی ہے کہ قرآن مجید کا نزول تجوید کے ساتھ ہوا ہے اس لیے کہ تجوید سے مراد۔ قرآن مجید کا عربی تلفظ اور اس کے حروف و کلمات کی وہ ادا ہے جس سے اس کا عربی ہیں اور کلام الٰہی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

یہ معلوم ہی ہے۔ کہ قرآن مجید عربی میں بلکہ نہایت فصیح عربی میں نازل ہوا ہے چنانچہ اس بات کا اعلان خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ اِنَّآ

اَنزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (سورۂ یوسف ع ۱) ۔ یعنی ہم نے قرآن مجید کو عربی زبان میں اُتارا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۔ (سورۂ شعراء ع ۱۱) یعنی یہ قرآن مجید نہایت فصیح عربی میں ہے ۔ تو جب اس کی زبان عربی ہے اور یہ عربی لغت میں نازل ہوا ہے ۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا تلفظ بھی وہی ہونا چاہیئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن خالص عربوں کا تھا ۔ جن کی لغت اور جن کی زبان میں یہ نازل ہوا تھا ۔ اور اسی کے موافق تلاوت کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ اور یہی معنی ہیں ، تجوید کے ساتھ تلاوت کرنے کے بھی ۔ چنانچہ اگر قرآن مجید کے حرفوں کو عربی تلفظ اور عربی آوازوں کے ساتھ ادا نہیں کیا جاتا ۔ مثلاً طا کی جگہ تا ۔ ظاء ، ذال کی جگہ زاء ۔ صاد وثا کی جگہ سین ۔ حا کی جگہ ھا ۔ عین کی جگہ ہمزہ اور قاف کی جگہ کاف پڑھا جاتا ہے ۔ ایسے ہی اگر حروف مدہ میں مد نہیں کیا جاتا ۔ یا زبر زیر پیش کو اتنا کھینچ دیا جاتا ہے ۔ کہ اس سے حروف مدہ پیدا ہو جاتے ہیں ۔ یا حرف مشدّد کو مخفف اور مخفف کو مشدد پڑھا جاتا ہے ۔ جس طرح کہ عام لوگ پڑھتے ہیں ۔ تو اس سے قرآن مجید کا حُسن تو درکنار یہ سرے سے عربی کلام ہی نہیں رہتا ۔ اور اس طرح کی تلاوت کا موجب گناہ اور قابل مذمت ہونا ظاہر ہے ۔

چنانچہ اثر میں ہے (رُبَّ قَارِءٍ لِّلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ يَلْعَنُهٗ) یعنی بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ ان پر خود قرآن ہی لعنت کرتا ہے ۔

ف ۔ اس وعید کے مصداق علماء نے تین قسم کے لوگ بتلائے ہیں ۔

(۱) بے عمل قاری (۲) اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنے والے ۔ (۳) قرآن مجید کو خلاف تجوید یعنی غلط سلط پڑھنے والے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان تینوں قسم کی خرابیوں سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین ۔

اور منجملہ دوسری بدعملیوں کے تجوید کے خلاف پڑھنا یہ خود ایک بدعملی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تجوید کے ساتھ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے پس اس کا ترک سراسر معصیت اور

ناہ ہے (نہایت القول المفید مطبوعہ مصر ص ۳)

اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی بنا پر آئمہ اسلام اور فقہاء اُمت نے بھی علم تجوید کے حاصل کرنے اور اس کے موافق قرآن مجید کی تلاوت کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ ذیل میں چند ارشادات علماء و فقہاء کے درج کیے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جائے گی کہ تجوید کے واجب ہونے پر امت کا بھی اجماع ہے۔ اور علماء اُمّت نے علم تجوید کے حاصل کرنے اور اس کے موافق قرآن مجید پڑھنے کو انتہائی ضروری قرار دیا ہے۔ توجہ سے پڑھو۔ اور یاد بھی رکھو۔

۱۔ علّامہ شمس الدین ابوالخیر محمد بن الجزری اپنے مشہور رسالہ مقدمہ الجزریہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِیْدِ حَتْمٌ لَّازِمٌ مَنْ لَّمْ یُجَوِّدِ الْقُرْآنَ آثِمٌ

ترجمہ:۔ علم تجوید کے موافق قرآن مجید پڑھنا نہایت ضروری ہے جو شخص قرآن شریف کو تجوید سے نہ پڑھے، وہ گنہگار ہے۔ انتہیٰ۔

پھر اس کے بعد علّامہ موصوف نے تجوید کے ضروری ہونے کی دلیل بھی خود ہی بیان فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

لِاَنَّہٗ بِہِ الْاِلٰہُ اَنْزَلَا وَھٰکَذَا مِنْہُ اِلَیْنَا وَصَلَا

یعنی قرآن مجید کو تجوید کے موافق پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور پھر وہ قرآن اللہ تعالیٰ سے ہم تک بھی تجوید ہی ساتھ پہنچا ہے۔ انتہیٰ۔

پس ہم پر بھی لازم ہے کہ اس علم کو حاصل کریں، اور اس کے موافق قرآن مجید کی تلاوت کریں۔

۲۔ مُلّا علی قاری المنح الفکریہ۔ شرح مقدمۃ الجزریہ میں وَالْاَخْذُ الخ کی شرح کے ضمن میں

فرماتے ہیں۔ وَاَخْذُ الْقَارِیٔ بِتَجْوِیْدِ الْقُرْاٰنِ وَھُوَ تَحْسِیْنُ اَلْفَاظِہٖ بِاِخْرَاجِ الْحُرُوْفِ مِنْ مَخَارِجِھَا وَاِعْطَاءِ حُقُوْقِھَا مِنْ صِفَاتِھَا وَمَا یُتَرَتَّبُ عَلٰی مُفْرَدَاتِھَا وَمُرَکَّبَاتِھَا فَرْضٌ لَازِمٌ وَحَتْمٌ دَائِمٌ۔

ترجمہ :۔ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنا۔ یعنی اُس کے حرفوں کو ان کے مخارج اصلیہ سے نکالنا اور ان کی صفات کا ادا کرنا اور اس کے حروف و کلمات کو جملہ قواعد کی رعایت رکھتے ہُوئے پوری صحت لفظی اور عمدگی کے ساتھ ادا کرنا انتہائی ضروری اور ایک لازمی فریضہ ہے۔ اور پھر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔ ھٰذَا الْعِلْمُ لَاخِلَافَ فِیْ اَنَّہٗ فَرْضُ کِفَایَۃٍ وَّالْعَمَلُ بِہٖ فَرْضُ عَیْنٍ۔ یعنی اس میں ذرا بھی اختلاف نہیں کہ علم تجوید کا حاصل کرنا فرض کفایہ اور اس کے موافق قرآن مجید پڑھنا فرض عین ہے۔

۳۔ علامہ سیوطیؒ اَلْاِتْقَانُ فِیْ عُلُوْمِ الْقُرْاٰنِ۔ میں فرماتے ہیں۔ لَاشَکَّ اِنَّ الْاُمَّۃَ کَمَا ھُمْ مُتَعَبَّدُوْنَ بِتَفْھِیْمِ مَعَانِی الْقُرْاٰنِ۔ وَاِقَامَۃِ حُدُوْدِہٖ ھُمْ مُتَعَبَّدُوْنَ بِتَصْحِیْحِ اَلْفَاظِہٖ وَاِقَامَۃِ حُرُوْفِہٖ عَلَی الصِّفَۃِ الْمُتَلَقَّاۃِ مِنْ اَئِمَّۃِ الْقُرَّاءِ الْمُتَّصِلَۃِ بِالْحَضْرَۃِ النَّبَوِیَّۃِ۔ الاتقان۔ مطبوعہ مصر ج۔ ا۔ نوع ۳۴۔ ص ۱۰۰۔ یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح مسلمانوں پر قرآن کے معانی کا سمجھنا۔ اور اس کے احکام پر عمل کرنا ایک عبادت ہے اور یہ ان پر فرض قرار دیا گیا ہے اسی طرح ان پر قرآن کے الفاظ کا صحیح طور سے پڑھنا۔ اور اس کے حروف کو اسی کیفیت پر ادا کرنا بھی لازم اور فرض ہے جس کیفیت پر ان حروف کا ادا کرنا علم قراءت کے اماموں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل سند کے ساتھ ہم تک پہونچایا ہے۔ انتہیٰ۔

۴۔ علامہ شیخ محمد کی نصر نہایت القول المفید صہ۹ پر تحریر فرماتے ہیں :۔

فَقَدْ اَجْمَعَتِ الْاُمَّۃُ الْمَعْصُوْمَۃُ مِنَ الْخَطَاءِ عَلٰی وُجُوْبِ التَّجْوِیْدِ مِنْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی زَمَانِنَا وَلَمْ یَخْتَلِفْ فِیْہِ عَنْ اَحَدٍ

مِنْهُمْ وَهٰذَا مِنْ اَقْوَی الْحُجَجِ)

ترجمہ :- بے شک اتفاق کیا ہے ساری امت نے تجوید کے واجب ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک اور اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا اور یہ اختلاف نہ کرنا ، بجائے خود اس کے ضروری ہونے پر ایک نہایت قوی دلیل ہے۔

۵ - فقہاء کرام رحم اللہ نے بھی قرآن مجید کو صحت لفظی اور تجوید کے ساتھ پڑھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن مجید کا تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ غلط پڑھنے سے معنے بدل جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو ایسے بدلتے ہیں کہ اس سے نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے اور لکھا ہے کہ قرآن شریف کو صحیح پڑھ سکنے کے لیے اس وقت تک کوشش کرتے رہنا واجب ہے جب تک کہ الفاظ کے صحیح ادا کر سکنے سے نا امید نہ ہو جائے ۔ اور فقہاء نے اس بات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے کہ صحت نماز کے لیے قرآن کا صحیح پڑھنا ضروری ہے اور اگر کوئی شخص تصحیح حروف کی کوشش نہیں کریگا ، اور حروف قرآنیہ کو غلط سلط ہی ادا کرتا رہے گا ۔ تو اس کی نماز نہ ہوگی ۔ فقہ کی بڑی بڑی کتابوں کے باب ذلۃ القاری میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ہاں اگر ایک شخص تصحیح حروف کی امکان بھر کوشش کرتا ہے لیکن پھر بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا ۔ تو وہ معذور ہے ۔ ایسا شخص گناہ گار نہیں ۔ اور اس کی نماز بھی درست ہے لیکن سیکھتے اور کوشش کرتے رہنا بہرحال ضروری ہے ۔ فقط واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم و علمہٗ اتم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ یہاں پہونچ کر مبادی کا بیان تمام ہوا ۔ اور اب اصل مسائل شروع ہوتے ہیں لیکن مسائل شروع کرنے سے پہلے ترتیل کے اجزاء کا بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ مسائل کا باہمی ربط اچھی طرح سمجھ میں آتا چلا جائے ۔

ترتیل اور اس کے اجزاء

سوال :- ترتیل کیا چیز ہے ۔ اور اس کے اجزاء کتنے اور کیا کیا ہیں ؟

جواب :- یہ وہی ترتیل ہے جس کا ذکر ابھی اوپر آیت شریفہ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ اور اس کے بڑے بڑے اجزاء تو دو ہی ہیں۔ ۱۔ تجوید الحروف ۲۔ معرفتہ الوقوف۔ اور یہ بھی وہ ہیں۔ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کی تفسیر سے جو آپ سے اس آیت مبارک کے بارے میں منقول ہے بیان ہو چکا ہے البتہ اگر کچھ تفصیل کی جائے تو اس کے اجزا پانچ تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ اسطرح کہ تجوید الحروف اور معرفتہ الوقوف یہ دو تو ترتیل کے جز ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے بھی دو دو جز ہیں چنانچہ تجوید الحروف کے دو جز یہ ہیں (۱) مخارج الحروف (۲) صفات الحروف اور معرفتہ الوقوف کے دو جز یہ ہیں (۱) کیفیت وقف (۲) محل وقف یہ کل چار ہوئے پھر صفات کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) صفات لازمہ (۲) صفات عارضہ پس یہ کل پانچ چیزیں ہوئیں، جن کے مجموعہ پر ترتیل کا اطلاق ہوتا ہے (۱) مخارج (۲) صفات لازمہ (۳) صفات عارضہ (۴) محل وقف (۵) کیفیت وقف ان کو خوب ذہن نشین کر لو اور اب آئندہ صفحات میں انہی پانچ چیزوں کو اسی ترتیب کے موافق انشاء اللہ العزیز قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَھُوَ خَیْرُ رَّفِیْقٍ۔

فصل دوم تجوید کا پہلا جز یعنی مخارج الحروف

سوال :- مخرج کے کیا معنی ہیں اور حروف کے مخارج کتنے ہیں؟

جواب :- مخرج بروزن مَفْعَلٌ یعنی را کے فتحہ سے خَرَجَ یَخْرُجُ سے اسم ظرف کا صیغہ ہے جس کے لغوی معنی ہیں، نکلنے کی جگہ اور قرّاء کی اصطلاح میں جس جگہ سے کوئی حرف نکلتا ہے اس کو مخرج کہتے ہیں جیسے اقصیٰ حلق حافہ لسان اور شفتین وغیرہ تفصیل آرہی ہے اور حروف کے مخارج مشہور اور مختار

قول کی بنا پر سترہ ہیں۔

سوال: حرف کے کیا معنی ہیں اور کل حروف کتنے ہیں؟

جواب: حرف کے لغوی معنی طرف اور کنارہ کے ہیں اور اصطلاح میں حرف کی تعریف یہ ہے (صَوْتٌ یَّعْتَمِدُ عَلٰی مَخْرَجٍ مُّحَقَّقٍ اَوْ مُقَدَّرٍ) یعنی حرف وہ آواز ہے جو کسی مخرج محقق یا مقدر پر معتمد ہو (رک جائے) اور کل حروف انتیس ۲۹ ہیں جو الف سے یا تک ہیں۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ حروف تو انتیس ہیں اور ان کے مخارج سترہ؟

جواب: یہ اس لیے کہ بعض مخرجوں سے دو دو اور بعض سے تین تین حرف بھی نکلتے ہیں جیسا کہ ابھی تم پڑھ لوگے، اس لیے مخارج کی تعداد حروف کی تعداد سے کم ہے۔

سوال: مخارج کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب: دو ہیں (۱) مخرج محقق (۲) مخرج مقدر

سوال: مخرج محقق کی کیا تعریف ہے اور مخرج مقدر کی کیا؟

جواب: مخرج محقق کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی جاتی ہے۔ هُوَ جُزْءٌ مُّعَیَّنٌ مِّنْ اَجْزَاءِ الْحَلْقِ اَوِ اللِّسَانِ اَوِ الشَّفَةِ) یعنی مخرج محقق حلق یا زبان یا ہونٹ کے اجزاء (حصّوں) میں سے کوئی معین ہوتا ہے اور مخرج مقدّر وہ ہے جو یا تو ان ہونٹ کے اجزا میں سے نہ ہو اور اگر ہو تو جزو معین نہ ہو۔

سوال: مخرج محقق کتنے ہیں اور مخرج مقدر کتنے؟

جواب: سترہ مخارج میں سے پندرہ ۱۵ محقق ہیں اور دو مقدّر

سوال: حلق، لسان، شفت جن کے اجزاء میں سے کسی جزو معین کو مخرج محقق کہتے ہیں،

ع۔۵ کیونکہ بعض کے نزدیک سولہ اور بعض کے نزدیک چودہ مخارج ہیں جس کی تفصیل فوائد مکیۃ میں آئے گی۔ لیکن مشہور قول چونکہ سترہ والا ہی ہے۔ اور یہی مختار بھی ہے۔ اس لیے رسالہ ہذا میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

خود ان کو کیا کہتے ہیں ؟

جواب : ان تینوں کو اصول مخارج (مخرجوں کی اصلیں) کہتے ہیں۔

سوال :- اصل مخرج کسے کہتے ہیں؟

جواب :- اصل مخرج اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں ایک سے زیادہ مخارج ہوں چونکہ حلق میں تینؔ زبان میں دسؔ اور ہونٹوں میں دوؔ مخرج ہیں۔ جیسا کہ ابھی تفصیل آ رہی ہے اس لیے ان کو اصول مخارج کہتے ہیں اور اب آئندہ اسی ترتیب کے موافق انشاء اللہ مخارج بیان کیے جائیں گے۔

اصل اوّل، یعنی حلق کے مخارج اور ان سے نکلنے والے حروف

سوال : حلق میں کتنے مخرج ہیں اور ان کے کیا کیا نام ہیں اور اُن سے کتنے اور کون کون سے حرف ادا ہوتے ہیں؟

جواب ، حلق میں تینؔ مخرج ہیں (۱) اقصٰی حلق اور اس سے یہ دو حرف نکلتے ہیں (ء، ہ) (۲) وسطِ حلق اور اس سے یہ دو حرف نکلتے ہیں۔ (ع، ح) (۳) ادنیٰ حلق اور اس سے یہ دو حرف نکلتے ہیں (غ، خ) نقطہ والے اور ان چھیوں حرفوں کو حروف حلقی کہتے ہیں کیونکہ یہ سب کے سب حلق ہی سے ادا ہوتے ہیں اور اقصٰی حلق، حلق کا وہ حصّہ ہے جو سینہ سے متصل ہے اور ادنیٰ حلق حلق کا وہ حصّہ ہے جو منہ کی طرف ہے اور وسطِ حلق حلق کا وہ حصہ ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اور یہ چھیوں حروف اس شعر میں جمع ہیں۔

حلق کے چھ حرف ہیں اے مہ لقاء

ہمزہ ہاؤ عین و حاؤ غین و خاء

اصل دوم لسان یعنی زبان کے مخارج اور اُن سے نکلنے والے حروف

سوال:۔ زبان میں کتنے مخرج ہیں اور اُن سے کتنے حروف ادا ہوتے ہیں؟

جواب: زبان میں دس۱۰ مخرج ہیں، اور ان سے اٹھارہ۱۸ حروف ادا ہوتے ہیں۔

سوال:۔ یہ اٹھارہ۱۸ حروف صرف زبان ہی سے ادا ہوتے ہیں، یا ان کی ادائیگی میں کسی اور عضو کا بھی دخل ہوتا ہے؟

جواب:۔ صرف زبان ہی سے ادا نہیں ہوتے بلکہ اُن دس۱۰ مخارج میں سے پہلے تین میں تو زبان تالو کے کسی حصہ کے ساتھ لگتی ہے۔ اور ان سے پانچ حرف نکلتے ہیں اور باقی سات میں دانتوں کے ساتھ لگتی ہے، اور ان سے تیرہ۱۳ حرف ادا ہوتے ہیں۔

سوال:۔ وہ تین مخرج جن کے پانچ حرفوں میں زبان تالو کے ساتھ لگتی ہے کیا کیا ہیں؟ اور ان سے کون کون سے حرف ادا ہوتے ہیں؟

جواب:۔ وہ یہ ہیں مخرج ۴ اقصائے لسان یعنی زبان کی جڑ کا وہ حصہ جو حلق کی طرف ہے اور اس کے مقابل اوپر کا تالو اس سے (ق) نکلتا ہے۔ مخرج ۵ زبان کی جڑ کا وہ حصہ جو منہ کی طرف ہے اور اس کے مقابل اوپر کا تالو اس سے (ک) نکلتا ہے اور ان دونوں حرفوں کو لہویہ یا لہاتیہ کہتے ہیں اور لہات بفتح لام گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو زبان کی جڑ کے مقابل اوپر کے تالو میں لٹکا رہتا ہے۔ جس کو اُردو میں کوّا کہتے ہیں اور چونکہ ان حرفوں کا مخرج لہات سے متصل ہے اس لیے ان کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے۔ اور حروف کے آئندہ آنے والے القاب کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیئے۔ کہ وہ ان جگہوں کے نام ہیں جہاں سے وہ حروف ادا ہوتے ہیں۔ مخرج ۶ بیچ زبان اور اس کے مقابل اوپر کا تالو، اس سے (ج ش) اور (ی) غیرمدّہ

(یعنی یائے لین اور یائے متحرک) یہ تین حرف نکلتے ہیں اور ان تینوں حرفوں کو شجریہ کہتے ہیں اور شجر جیم کے سکون سے دونوں جبڑوں کے اس درمیان والے حصہ کو کہتے ہیں، جو منہ کے بند ہونے کی حالت میں بھی کھلا رہتا ہے۔

سوال:- وہ سات مخرج جن کے تیرہ حرفوں میں زبان دانتوں کے ساتھ لگتی ہے کیا کیا ہیں اور ان سے کون کون سے حرف ادا ہوتے ہیں؟

جواب: جب تک ان دانتوں کے نام اور ان کے مواقع جن کا ذکر آئندہ مخارج کے ضمن میں آنے والا ہے تمہیں معلوم نہ ہو جائیں اس وقت تک ان مخارج کا سمجھنا مشکل ہے۔ اس لیے ان کو بیان کرنے سے پہلے ہم دانتوں کے نام اور ان کے مواقع بتلائے دیتے ہیں تاکہ تم ان کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکو۔

دانتوں کے نام اور ان کے مواقع

سوال:- دانتوں کے نام اور ان کے مواقع کیا کیا ہیں۔ اور ان کی تعداد کتنی ہے؟

جواب:- انسان کے منہ میں عام طور پر بتیس دانت ہوتے ہیں، سولہ اوپر کے جبڑے میں اور سولہ نیچے کے جبڑے میں۔ سامنے والے چار دانتوں کو ثنایا (ثا کے فتحہ سے) کہتے ہیں۔ اوپر والے دو کو ثنایا علیا یا ثنایا مشرفہ، اور نیچے والے دو کو ثنایا سفلی کہتے ہیں۔ پھر ان ثنایا کے پہلو میں جو چار دانت ہیں، اس طرح کہ دو اوپر ہیں ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب اور دو نیچے اسی طرح دائیں بائیں ان چاروں کو رباعیات (را کے فتحہ سے) اور قواطع بھی کہتے ہیں پھر ان رباعیات کے پہلو میں اتصال کے ساتھ جو چار نوکدار دانت ہیں۔ ان کو انیاب اور کواسر بھی کہتے ہیں پھر انیاب کے پہلو میں اوپر نیچے دائیں بائیں چار دانتوں کو ضواحک کہتے ہیں پھر ان ضواحک کے پہلو میں بارہ دانت اور ہیں چھ اوپر چھ نیچے تین تین دائیں جانب تین تین بائیں جانب

ان بارہ[۱۲] کو طواحن کہتے ہیں پھر ان طواحن کے پہلو میں بالکل آخر میں چار دانت اور ہیں۔ ان کو نواجذ کہتے ہیں چار ضواحک بارہ طواحن اور چار نواجذ ان ہیں کو اضراس بھی کہتے ہیں اور اضراس ضرس کی جمع ہے اُردو میں اس کے معنی ڈاڑھ کے آتے ہیں اور اب ذیل میں ایک نظم درج کی جاتی ہے جس میں دانتوں کی تعداد ان کے مواقع اور ان کے نام بہت اچھے انداز میں ضبط کئے گئے ہیں ہو سکے تو یاد کر لو۔

نظم

دانت اکثر منہ میں ہر انسان کے ہوتے ہیں بتیس کل اے نیک پے
سامنے جوڑے سے ہیں جو دانت چار ہیں ثنایا نزد مردِ باوقار
دو ہیں علیا ان میں جو اوپر کے ہیں اور سفلےٰ اُن میں دو نیچے کے ہیں
ہیں رباعی چار پھر اے مردِ نیک ان کے ہر جانب میں جو ہے ایک ایک
ان کے پہلو میں ہے اک اک نوکدار کہتے ہیں انیاب ان کو ہیں یہ چار
اب رہیں باقی جو داڑھیں بیس اور نام ہے اضراس ان کا سن یہ غور
چار کو ان میں ضواحک جان لے ہیں جو بالکل متصل انیاب کے
پاس جو ہیں ان کے بارہ اور نیز کہتے ہیں ان کو طواحن اے عزیز
جن کی یہ تفصیل ہے مردِ متین دائیں بائیں نیچے اوپر تین تین

پھر نواجذ ان کے بازو میں ہیں چار
یاد کر لے ان کو تو اے باوقار

انتہٰی

ضیاء التجوید

فائدہ اب ذیل میں دانتوں کا ایک نقشہ درج کیا جاتا ہے جس کے دیکھنے سے امید ہے کہ دانتوں کے نام ان کی ترتیب اور ہر دانت کا محل وقوع اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔
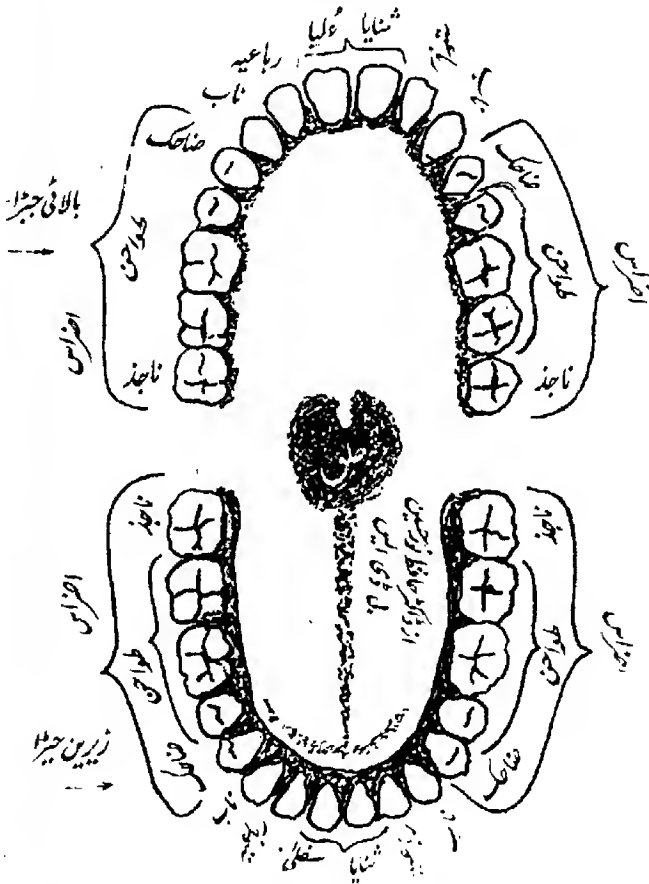
سوال :- جب یہ بات تمام دانتوں میں پائی جاتی ہے۔ کہ کچھ اوپر ہیں اور کچھ نیچے جیساکہ مندرجہ بالا نقشہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ تو پھر ثنایا کے علاوہ باقی دانتوں کو علیاء و سفلیٰ میں کیوں تقسیم نہیں کیا گیا۔

جواب :- چونکہ ثنایا سفلیٰ کے سوا نیچے کے کسی دانت سے کوئی حرف ادا نہیں ہوتا۔

اس لیے باقی دانتوں کی اس تقسیم کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

زبان کے باقی سات مخارج اور اُن سے ادا ہونے والے تیرہ حرفوں کی تفصیل

سوال: دانتوں کے نام اور ان کے مواقع تو ہمیں خدا کے فضل وکرم سے معلوم ہو گئے ہیں اب مہربانی کر کے زبان کے باقی سات مخرجوں اور ان کے حرفوں کو بھی بیان کر دیجئے۔

جواب: ان سات مخرجوں اور ان سے نکلنے والے تیرہ حرفوں کی تفصیل یہ ہے۔ مخرج ۷ اقصیٰ حافہ لسان اور اصول اضراس علیا یعنی زبان کے بغلی کنارہ کا وہ حصہ جو حلق کی طرف ہے اور اوپر کی داڑھوں کی جڑیں جو ناجذ سے ضاحک تک ہیں، اس سے (ض) معجمہ نکلتا ہے۔ خواہ داہنی طرف سے نکالا جائے اور خواہ بائیں طرف سے دونوں طرح صحیح ہے، اور دونوں طرف سے بیک وقت نکالنا بھی صحیح ہے مگر بائیں جانب سے نکالنا زیادہ مروج ہے، اور آسان بھی یہی ہے اور دائیں طرف سے اس سے مشکل ہے اور اتنا مروج بھی نہیں اور دونوں طرف سے ایک دم نکالنا اور بھی زیادہ مشکل اور شاذ و نادر ہے۔ اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں اور حافہ کے معنی کروٹ کے آتے ہیں اور (ض) کی ادائیگی کے بارے میں کچھ تحقیق انشاء اللہ صفات کی بحث میں آئے گی۔ مخرج ۸ ادنائے حافہ مع طرف لسان یعنی زبان کی کروٹ کا وہ حصہ جو ہونٹوں کی طرف ہے۔ مع سرا زبان اور ثنایا رباعیات۔ انیاب اور ضواحک کے مسوڑھے اس سے (ل) نکلتا ہے، اور اس کو بھی ضاد کی طرح داہنی جانب سے یا بائیں جانب سے یا دونوں طرف سے ایک دم نکالنا صحیح ہے مگر یہ داہنی جانب سے زیادہ مروج ہے (عقد الفرید)

فائدہ: (ض) کا مخرج حافہ کا وہ حصہ ہے جو حلق کی طرف ہے اور اس کو اقصیٰ حافہ کہتے

ہیں اور (ل) کا مخرج حافہ کا وہ حصّہ ہے جو منہ کی طرف ہے اور اس کو ادنائے حافہ کہتے ہیں نیز (ل) میں ادنائے حافہ کے ساتھ زبان کا سرا بھی دانتوں کو لگتا ہے۔ مگر (ض) میں سرا زبان دانتوں سے بالکل نہیں لگنا چاہیئے۔ مخرج ۹ ثنایا رباعی انیاب کے مسوڑھے اور زبان کی نوک اور حافہ کا وہ حصّہ جو ان کے مقابل ہے، یعنی (ل) کے مخرج سے کچھ کم کہ ضاحک کو اس میں دخل نہیں اس سے (ن) مظہر نکلتا ہے، مخرج ۱۰ یہ (ن) کے مخرج سے قریب ہی ہے۔ یعنی نوک زبان اور ثنایا و رباعی کے مسوڑھے اس سے (ر) ادا ہوتی ہے البتہ اس میں پشت زبان کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ (ن) میں نوزبان کا سرا تالو کے اس حصّہ سے لگتا ہے، جو ہونٹوں سے اقرب ہے اور (را) میں اس حصّہ سے لگتا ہے جو (ن) کے مخرج کے قریب ہی حلق کی طرف ہے، غرضیکہ ان دونوں حرفوں کا مخرج بہت ہی قریب قریب ہے اور پشت زبان کی وجہ سے فرق ہو جاتا ہے۔ ان تینوں حرفوں یعنی (ل۔ن اور را) کو طرفیہ اور ذلقیہ کہتے ہیں اور طرف، ذلق دونوں کے معنی کنارہ کے آتے ہیں۔ مخرج ۱۱ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑمیں۔ اس سے (ط، د) مہملتین اور (ت) فوقانی یہ تین حرف نکلتے ہیں اور ان کو حروف نطعیہ کہتے ہیں اور نطع نون کے کسرہ اور طا کے سکون سے اُس ذرا سے گڑھے کو کہتے ہیں۔ جو ثنایا علیا کی جڑوں سے کچھ ہی اوپر تالو کے اندر ہوتا ہے اور یہ انگلی سے محسوس ہو سکتا ہے۔ مخرج ۱۲ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کا وہ کنارہ جو مسوڑھوں سے قریب اور ان سے ملا ہُوا ہے اور مراد اس سے اندر کا کنارہ ہے نوک نہیں۔ اس سے (ظ، ذ معجمتین) اور (ث) مثلثہ یہ تین حرف نکلتے ہیں اور ان کو حروف لثویہ کہتے ہیں اور لثہ کے معنی مسوڑھے کے ہیں اور جن کتابوں میں ان کا مخرج دانتوں کا کنارہ بتایا گیا ہے، اس سے بھی اندر کا کنارہ ہی مراد ہے، نوک نہیں، خوب سمجھ لو۔ مخرج ۱۳ زبان کی نوک اور ثنایا سفلیٰ و علیا کے اندر والے کنارے اس سے (ص، س) مہملتین اور (ز) معجمہ یہ تین حرف ادا ہوتے ہیں، مگر زبان

کی نوک دانتوں کے کناروں سے لگتی نہیں، صرف ان کے مقابل ہوجاتی ہے۔ اور نوک زبان اور دانتوں کے کناروں کے درمیان تھوڑا سا خلا باقی رہتا ہے (نہایت القول المفید) البتہ ثنایا سفلی کے کنارے ثنایا علیا کے کناروں سے مل جانے چاہئیں ورنہ صفت صفیر ادا نہیں ہوگی مگر ان کو اس طرح ملانے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیئے، کہ بالکل کناروں سے کنارے مل جائیں، اس لیے کہ اس میں تکلف ہے بلکہ طبعاً جس طرح منہ کے بند ہونے کی حالت میں اوپر نیچے کے دانت آپس میں مل جاتے ہیں بس اسی طرح ملانے چاہئیں اور ان تینوں حرفوں کو اَسَلِیہ اور صفیریہ بھی کہتے ہیں اور اَسَلہ زبان کی نوک کا وہ حصہ ہے جو بالکل آخر میں بہت ہی پتلا سا اور باریک ہوتا ہے، خوب سمجھ لو اور صفیر کے معنی ان شاء اللہ صفات کے بیان میں آئیں گے۔

اصل سوم : یعنی ہونٹوں کے مخارج اور اُن کے حروف

سوال :- ہونٹوں میں کتنے مخرج ہیں اور ان سے کتنے حروف نکلتے ہیں ؟

جواب :- ہونٹوں میں دو مخرج ہیں اور ان سے چار حرف نکلتے ہیں ؟

سوال :- ہونٹوں میں دو مخرج کیا کیا ہیں اور ان سے کون کون سے چار حرف نکلتے ہیں ؟

جواب :- وہ یہ ہیں مخرج ۱۴ نیچے کے ہونٹ کا شکم یعنی تری والا حصہ اور ثنایا علیا کی نوکیں اس سے (ف) ادا ہوتی ہے مخرج ۱۵ دونوں ہونٹ اس سے (ب، م اور و) غیر مدہ یعنی (و) متحرک اور (و) لین یہ تین حرف ادا ہوتے ہیں اور ان چاروں حرفوں یعنی (ف۔ ب۔ م اور و) کو شفویہ کہتے ہیں اور شفت کے معنی ہونٹ کے آتے ہیں۔

سوال :- کیا ان تینوں حرفوں میں کچھ فرق بھی ہے یا یہ بالکل ایک ہی جگہ سے ادا ہوتے

ہیں ؟

جواب :- فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ (و) تو انضمام شفتین (دونوں ہونٹوں کے اسطرح ملنے سے کہ کنارے تو ملے ہوں بیچ کھلا ہو اور اس طرح کہ غنچہ کی شکل بن جائے) سے ادا ہوتی ہے اور (ب، م) انطباق شفتین (دونوں ہونٹوں کے اوپر تلے ملنے) سے ادا ہوتے ہیں اور پھر ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ با تو دونوں ہونٹوں کی تری کے ملنے سے ادا ہوتا ہے اور میم دونوں ہونٹوں کی خشکی کے ملنے سے اسلئے (ب) کو بحری اور (م) کو برّی کہتے ہیں۔

سوال : اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ ان تینوں کا مخرج ایک نہیں بلکہ جدا جدا ہے اور ہونٹوں میں دو مخرج نہیں بلکہ چار ہیں ؟

جواب :- گو ایسا شبہ تو ہو سکتا ہے مگر حقیقت یہ نہیں اس لیے کہ ان تینوں کی ادائیگی میں جگہ نہیں بدلتی بلکہ یہ تینوں ہونٹوں ہی سے ادا ہوتے ہیں۔ صرف احوالِ ادا جدا جدا ہیں، اور ب، م میں گو جگہ بدلتی تو ہے مگر ان دونوں کے محلِ ادا میں اتنا قرب ہے کہ ان کو دو مخرج نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

حروف لوف یعنی باواو اور فا کے بارے میں چند ضروری تنبیہات

سوال :- اس عنوان کے تحت ان حرفوں کے بارے میں کونسا مسئلہ بیان کیا گیا ہے ؟

جواب :- ان حرفوں کی ادائیگی میں بعض لوگوں سے طرح طرح کی غلطیاں ہو جاتی ہیں اس لیے اس عنوان کے ذیل میں اُن غلطیوں سے آگاہ کر کے اُن سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور بچنے کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ (ب) کے بارے میں تو یہ ہے کہ بعض لوگ اس کے ادا کرتے وقت ہونٹوں کی تری والے حصہ کو ملانے کی بجائے خشکی کے حصہ کو ملا دیتے ہیں۔ جس سے (ب) عربی کے تلفظ میں فارسی کے پ کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ ہونٹوں کے شکم ہی سے

ادا ہو۔ بالخصوص تشدید کی حالت میں تو اس بات کا اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہئے اور (ف) کے متعلق یہ ہے کہ اس کے ادا کرتے وقت نیچے کے ہونٹ کے شکم کو ثنایا مشرفہ کی نوکوں کے ساتھ نہایت نرمی سے لگایا جائے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ (ف) کے ادا کرتے وقت نیچے کے ہونٹ کو دانتوں کے ساتھ اس قدر زور سے ٹکراتے ہیں کہ اس سے (ف) کی آواز کے ساتھ ایک پھونکار سی نکلتی ہے اور اس سے رخسارہ بھی ہل جاتے ہیں، یہ دونوں باتیں اس کی ادا میں معیوب ہیں' (ف) کی آواز نہایت نرم اور لطیف ہونی چاہیئے اور نیچے کے ہونٹ کے دانتوں کے ساتھ لگنے کا اثر رخسار پر بھی نہیں پڑنا چاہیئے۔ ہاں نہایت خفیف سا اثر ضرور ہوتا ہے اور اس سے مفر بھی نہیں ہو سکتا، اور (و) کی ادائیگی میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ یہ اپنے ہی مخرج یعنی انضمام شفتین سے ادا ہو۔ بعض لوگ نیچے کے ہونٹ کو کچھ اندر لے جا کر اور اس کو ثنایا علیا کی نوکوں کے نیچے دبا کر (و) ادا کرتے ہیں۔ یہ سخت غلطی ہے اور (و) کی ادائیگی کا صحیح طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ہونٹوں کے کنارے تو ملے ہوں اور بیچ کھلا ہو۔ اور بعض لوگ (و) مفتوحہ کو خواہ مخواہ پُر پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔ (و) مفتوحہ کو پُر پڑھنے سے قطعاً پرہیز کرنا چاہئے اس میں کوئی بھی صفت ایسی نہیں کہ جس سے اس کا پُر پڑھنا ثابت ہوتا ہو خوب سمجھ لو۔

مخارج کی دوسری قسم یعنی مخرج مقدر

سوال:۔ مخرج مقدر کی کیا تعریف ہے؟ مخارج مقدر کتنے ہیں اور۔ کون کونسے ہیں؟

جواب:۔ مخرج مقدر کی تعریف جیسا کہ پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ وہ یا تو حلق، لسان اور

شفتت کے اجزاء میں سے کوئی جز نہیں ہوتا اور اگر ان میں سے کسی کا جز ہوتا ہے تو جزو معین نہیں ہوتا۔ اور مخرج مقدر دو ہیں (۱) جوف یعنی حلق منہ اور ہونٹوں کے درمیان کی خالی جگہ (۲) خیشوم یعنی ناک کی جڑ۔ چنانچہ خیشوم تو حلق لسان اور شفتت کے اجزا میں سے نہیں ہے اور جوف گو جز توان ہی کا ہے^{عـــہ} مگر جزو معین نہیں ہے۔

سوال:- ان دو مخرجوں سے کتنے اور کون کون سے حرف ادا ہوتے ہیں؟

جواب:- ان دونوں سے چار حرف ادا ہوتے ہیں۔ تین جوف سے اور ایک خیشوم سے چنانچہ جوف سے ادا ہونے والے تین حرف تو یہ ہیں (۱) الف، یہ ہمیشہ ساکن ماقبل مفتوح ہی ہوتا ہے مگر اس پر سکون کی علامت بنی ہوئی نہیں ہوتی (۲) (و) ساکن ماقبل مضموم (۳) (ی) ساکن ماقبل مکسور ان تینوں حرفوں کی مثالیں نُوْحِیْهَا اور اُوْذِیْنَا وغیرہ میں جمع ہیں اب سمجھو کہ الف حلق کے جوف سے (ی) مدہ وسط لسان اور تالو کے جوف سے اور (و) مدہ شفتین کے جوف سے ادا ہوتا ہے اور انتہا ان سب کی ہوا پر ہوتی ہے، یعنی ان کی آواز باقی حرفوں کی طرح حلق لسان اور شفتین کے اجزا میں سے کسی جز پر ٹھہرنے نہیں پاتی، بلکہ گزرتی ہوئی آگے چلی جاتی ہے اور ہوا میں پھیل کر ختم ہو جاتی ہے اور ان تینوں حرفوں کو جوفیہ ہوائیہ اور مدہ بھی کہتے ہیں، جوفیہ تو اس لیے کہ یہ جوف سے ادا ہوتے ہیں اور ہوائیہ اس لیے کہ ان کی انتہا ہوا پر ہوتی ہے اور مدہ اس لیے کہ ان میں صفت مدیت ایسی لازم ہے کہ اگر یہ اس سے خالی ہو جائیں تو ان کی ذات ہی باقی نہ رہے اور اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ العزیز مد کے بیان میں آئیگی اور خیشوم سے غنہ ادا ہوتا ہے اور

عـــہ رہا یہ سوال کہ جب جوف کا اطلاق۔ حلق۔ منہ اور شفتین ان تینوں کے مجموعہ کے خلاء پر ہوتا ہے۔ تو پھر اس اس کو ان کا جز کہنے کے کیا معنیٰ، سو جواب اس کا یہ ہے، کہ جوف ان تینوں کا جز اس طرح ہے۔ کہ حلق کا جوف اس کا زبان اور تالو کا جوف ان دونوں کا، اور شفتین کا جوف ان کا جز ہے۔ لیکن یہ جز معین نہیں اور اسی لیے اسکو مخرج مقدر سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہاں غنہ سے مراد نون مخفاۃ یا مدغم بادغام ناقص ہے اور اخفا اور ادغام کا محل اور ان کی تعریفیں انشاء العزیز اپنے اپنے موقعہ پر آئیں گی۔

سوال:- آپ نے اوپر بیان کیا ہے۔ کہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ الف پر سکون کی علامت بنی ہوئی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ہم بہت سے الفوں پر حرکت کی اور بہت سوں پر سکون کی علامت بنی ہوئی دیکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ (و) اور (ی) کے ساتھ ساکن ہونے کی اور پھر (و) سے پہلے ضمہ کی اور (ی) سے پہلے کسرہ کی جو قید لگائی گئی ہے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:- الف کی حقیقت تو واقعی یہی ہے۔ کہ اس پر نہ حرکت ہوتی ہے نہ جزم۔ اور الف پر تم کو جو جزم یا کوئی حرکت لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ جیسے اَلْحَمْدُ اور اِیَّاکَ کے شروع میں الف پر حرکت اور اِقْرَاْ اور مَاْکُوْل میں را اور میم کے بعد والے الف پر جزم ہے۔ تو یہ دونوں قسم کا الف حقیقتاً الف نہیں بلکہ ہمزہ ہے۔ مگر چونکہ ایسے موقعوں میں ہمزہ کو بصورت الف لکھا جاتا ہے۔ اس لیے بچوں کو سمجھانے کے لیے ایسے ہمزہ کو بھی الف ہی کہہ دیتے ہیں۔ اور ایک فرق ان دونوں میں یہ بھی ہے۔ کہ ہمزہ جب ساکن ہو[1] تو وہ جھٹکے سے ادا ہوتا ہے جیسا کہ اِقْرَاْ رَاْس اور مَاْکُوْلٍ وغیرہ کا ہمزہ اور الف ہمیشہ بغیر جھٹکے کے سیدھا اور نرم ادا ہوتا ہے جیسے قَالَ اور کَانَ وغیرہ کا الف۔ اور و، ی کے ساتھ یہ دونوں قیدیں اس لیے لگائی گئی ہیں کہ اگر یہ ساکن نہ ہوں۔ بلکہ متحرک ہوں۔ جیسے وَالَّذِیْنَ۔ یَعْلَمُوْنَ۔ یُؤْمِنُوْنَ۔ نَوَاسْتَطَعْنَا اور زُیِّنَ وغیرہ کا و، ی یا ساکن تو ہوں۔ لیکن واؤ کے ماقبل ضمہ اور ی کے ماقبل کسرہ نہ ہو بلکہ فتحہ ہو۔ جیسے مِنْ خَوْفٍ اور وَالصَّیْفِ

---

[1] اور گو ادا تو ہمزہ متحرک بھی جھٹکے سے ہی ہوتا ہے لیکن یہاں چونکہ اس کا الف کے ساتھ تقابل سمجھانا مقصود ہے اور وہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اس لیے متن میں ہمزہ کے ساتھ ساکن ہونے کی قید لگائی گئی ہے۔

وغیرہ تو ان دونوں صورتوں میں یہ مدہ نہیں کہلاتے۔ بلکہ پہلی صورت میں متحرک اور دوسری صورت میں لین کہلاتے ہیں اور جوف صرف حروف مدہ ہی کا مخرج ہے۔ نہ ہمزہ کا ہے اور نہ و، ی متحرک ولین کا ان کا مخرج محقق ہے۔ چنانچہ ہمزہ کا مخرج اقصٰی حلق اور ی متحرک ولین کا مخرج وسط لسان اور (و) متحرک ولین کا مخرج انضمام شفتین ہے جیسا کہ اوپر مخرج ۱، ۶ اور ۱۵ کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے۔

سوال:۔ اگر کسی حرف کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ آیا وہ صحیح مخرج سے ادا ہوتا ہے یا نہیں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ اس حرف کو ساکن کرکے اور شروع میں ہمزہ متحرک لگا کر تلفظ کرو، پس اگر آواز اسی جگہ پر رُکے جس جگہ کو کتاب میں اس حرف کا مخرج بنایا گیا ہے تو سمجھو کہ وہ حرف صحیح مخرج سے ادا ہو رہا ہے ورنہ اس کی ادائیگی غلط سمجھی جائے گی۔ پس صحیح ادا ہونے کی صورت میں تو اللہ کا شکر ادا کرو اور غلط ادا ہونے کی صورت میں اس کی تصحیح کی کوشش کرو۔

سوال: حروف کے القاب کتنے ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب:۔ دس ہیں اور وہ یہ ہیں۔ حلقیہ۔ لہویہ۔ شجریہ۔ حافیہ۔ طرفیہ یا ذلقیہ نطعیہ لثویہ۔ اسلیہ۔ شفویہ۔ جوفیہ یا ہوائیہ اور ان سب کے معنی اور یہ کہ ان میں سے کونسا لقب کن حرفوں کے لیے ہے۔ یہ دونوں چیزیں اوپر مخارج کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں۔ فقط۔ الحمد للہ کہ یہاں پہونچ کر مخارج کی بحث ختم ہوئی اور اب آئندہ فصل میں حروف کی صفات لازمہ بیان کی جا رہی ہیں۔ خوب ذوق، شوق اور پورے دھیان سے پڑھو۔

فصل سوم:۔ تجوید کا دوسرا جزء یعنی صفات الحروف

سوال:۔ صفت کے لغوی اور اصطلاحی معنے کیا گیا ہیں؟

جواب:۔ صفت کے لغوی معنی (مَا قَامَ بِالشَّيْءِ مِنَ الْمَعَانِيْ) کے ہیں یعنی معانی کی قبیل سے وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے سہارے قائم ہو جیسا کہ سیاہی اور علم۔ پس علم کا تحقق بغیر عالم کے اور سیاہی کا بغیر سیاہ چیز کے نہیں ہو سکتا اور اصطلاح میں صفت کی تعریف یہ ہے۔ اَلصِّفَةُ هِيَ كَيْفِيَّةٌ عَارِضَةٌ لِلْحُرُوْفِ عِنْدَ حُصُوْلِهٖ فِي الْمَخْرَجِ مِنَ الْجَهْرِ وَالرِّخَاوَةِ وَالْهَمْسِ وَالشِّدَّةِ وَنَحْوِهَا) یعنی صفت حرف کی وہ کیفیت ہے۔ جو مخرج سے ادا ہوتے وقت اس کو پیش آتی ہے جیسا کہ سانس اور آواز کا جاری رہنا یا بند ہو جانا اور حرف کا سخت ہونا یا نرم ہونا وغیرہ وغیرہ

سوال:۔ صفات کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب:۔ دو قسمیں (۱) لازمہ یعنی وہ جو حرف سے کبھی جدا نہ ہوں، اور ان میں سے جس حرف میں جو صفت پائی جاتی ہو، اگر اس کو ادا نہ کیا جائے تو وہ حرف دوسرے حرف سے بدل جائے یا ناقص ادا ہو، مثلاً (ظ) میں اگر صفت استعلاء اور اطباق کو ادا نہ کیا جائے تو وہ (ذ) سے بدل جائے گا، اور (ق خ) میں اگر صفت استعلاء کو ادا نہ کیا گیا تو یہ دونوں ناقص ادا ہوں ہونگے۔ اس لیے کہ ان حرفوں کے لیے یہ صفات لازم ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہو گا، اور ان کو ذاتیہ ممیزہ مقومہ اور ضروریہ بھی کہتے ہیں۔ اور ان کے یہ القاب ان کی مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے ہیں۔ پس ذاتیہ مقومہ تو یہ اس لیے کہلاتی ہیں۔ کہ ان کے ادا ہوئے بغیر حرف کی ذات ہی کامل نہیں ہوتی اور یہ دونوں لفظ تقریباً ہم معنی ہیں اور ممیزہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے ایک مخرج کے کئی حرف ایک دوسرے سے ممتاز اور جُدا ہو جاتے ہیں اور ضروریہ لازمہ کا ہم معنی ہے۔

(۲) عارضہ وہ صفات جو کبھی پائی جائیں اور کبھی نہ پائی جائیں اور ان کے ادا نہ ہونے سے نہ تو کوئی حرف کسی دوسرے حرف سے بدلتا ہے اور نہ ہی اس میں اس قسم کا

نقصان ہوتا ہے۔ جس قسم کا صفات لازمہ کے نہ پائے جانے کی صورت میں ہوتا ہے، البتہ حرفوں کا وہ حسن اور ان کی وہ زینت جو اہلِ ادا کے ہاں مطلوب ہے فوت ہو جاتی ہے اور اسی لئے ان کو محسّنہ محلیہ اور مزینہ بھی کہتے ہیں۔ اور ان سب کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں، یعنی حرفوں کو خوبصورت بنانے والی اور زینت دینے والی صفات خوب سمجھ لو اور چونکہ صفات لازمہ کا تعلق حروف کے ساتھ بہ نسبت صفات عارضہ کے زیادہ ہوتا ہے، اس لیے ہم پہلے انہی کو بیان کریں گے

صفات لازمہ اور ان کی قسمیں

سوال: صفات لازمہ کتنی اور کیا کیا ہیں اور ان کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: صفات لازمہ جو مشہور ہیں۔ وہ اٹھارہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔

ہمس۔ جہر۔ شدت (توسط) رخاوت۔ استعلاء۔ استفال۔ اطباق۔ انفتاح۔ اذلاق۔ اصمات۔ صفیر۔ قلقلہ۔ لین۔ انحراف۔ تکریر۔ تفشی۔ غنہ۔ استطالت۔ اب ان کو ذیل کے نقشہ میں دیکھو اور خوب غور سے دیکھو کیونکہ صفات کی آئندہ بحث اسی نقشہ کے مطابق آرہی ہے۔

نقشہ صفات لازمہ

۱ ہمس		۲ جہر
۳ شدت	توسط	۴ رخاوت
۵ استعلاء		۶ استفال
۷ اطباق		۸ انفتاح
۹ اذلاق		۱۰ اصمات

۱۱ صفیر
۱۲ قلقلہ
۱۳ لین
۱۴ انحراف
۱۵ تکریر
۱۶ تفشی
۱۷ غنہ
۱۸ استطالت
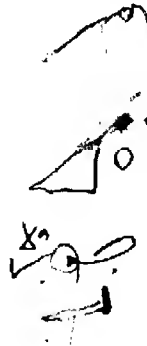
ان کو اچھی طرح یاد کرلو اور پھر یہ سمجھو کہ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) متضادہ (۲) غیر متضادہ چنانچہ ان اٹھارہ میں سے پہلی دس تو متضادہ کہلاتی ہیں اور بعد والی آٹھ غیر متضادہ اور اب ہم پہلے صفات متضادہ کو بیان کریں گے اور پھر غیر متضادہ کو۔

صفات متضادہ

سوال:۔ متضادہ کا کیا مطلب ہے اور ہر حرف میں ان میں سے کتنی صفتیں پائی جاتی ہیں؟

جواب:۔ متضادہ کا مطلب یہ ہے کہ ان دس صفات میں سے پانچ پانچ کی ضد ہیں

اور وہ اس طرح کہ ان دس صفات کے پانچ جوڑے ہیں اور ہر جوڑا دو صفتوں پر مشتمل ہے چنانچہ پہلا جوڑا ہمس وجہر پر دوسرا شدت ورخاوت پر تیسرا استعلاء و استفال پر چوتھا اطباق وانفتاح پر اور پانچواں اذلاق واصمات پر مشتمل ہے اور اسی بات کے سمجھانے کے لیے ہم نے نقشہ میں ہر جوڑے کی دو صفتوں کو دو مقابل لائنوں میں آمنے سامنے لکھا ہے۔ پس ہر لائن کی پہلی صفت اپنے مقابل دوسری لائن کی پہلی صفت کی ضد اور مقابل ہے اور اسی طرح اس کا عکس بھی، اب یہ سمجھو کہ ہر جوڑے کی دو مقابل صفتوں میں سے ہر حرف میں ایک نہ ایک ضرور پائی جاتی ہے اور الف سے یاء تک کے اُنتیس حرفوں میں سے کوئی حرف بھی ایسا نہیں کہ جس میں ہر جوڑے کی دو صفتوں میں سے ایک بھی نہ پائی جاتی ہو اور اسی طرح ایسا حرف بھی کوئی نہیں کہ جس میں کسی جوڑے کی دونوں ہی صفتیں جمع ہو جاتی ہوں چنانچہ ہر حرف میں یا ہمس ہوگی یا جہر اور کوئی حرف بھی ایسا نہیں کہ جس میں نہ ہمس ہو نہ جہر اور نہ ہی کوئی ایسا حرف ہے کہ جس میں ہمس بھی ہو اور جہر بھی۔ اسی طرح شدت ورخاوت ان دونوں میں سے بھی ہر حرف میں ایک نہ ایک ضرور ہوگی کوئی حرف بھی ایسا نہیں کہ جو ان دونوں سے خالی ہو، اور نہ ہی کوئی ایسا حرف ہے کہ جس میں یہ دونوں جمع ہوتی ہوں؎ اور باقی تین جوڑوں کو بھی اسی طرح سمجھ لو۔ جب یہ بات سمجھ چکے تو اب یہ نتیجہ بآسانی نکال سکو گے کہ ہر حرف میں صفات متضادہ میں سے پانچ صفتیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ نہ اس سے کم نہ زیادہ رہی توسط سو وہ باقی دس صفات کی طرح کوئی مستقل صفت نہیں ہے اسی لیے ہم نے اس کو ہر دو مقابل لائنوں میں سے کسی لائن میں بھی درج نہیں کیا، بلکہ ان دونوں کے

؎ اگرچہ ان دونوں کے درمیان توسط بھی ہے۔ اور اس کے بغیر دوسرا جوڑا مکمل نہیں ہوتا لیکن یہاں چونکہ ایک جوڑے کا دو صفتوں پر مشتمل ہونا سمجھایا جا رہا ہے اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ورنہ آگے اس کا ذکر بھی آ رہا ہے

درمیان لکھا ہے اور اسی لیے اس کا شمار بھی ان دس میں نہیں ہے اور یہ صفت یعنی توسط شدت اور رخاوت دونوں کی ضد ہے اور یہ دونوں اس کی ضدیں ہیں چنانچہ جس حرف میں یہ صفت ہوگی۔ اس میں نہ رخاوت ہوسکتی ہے نہ شدت اور جس میں شدت ہوگی اس میں نہ رخاوت ہوسکتی ہے نہ توسط اور اسی طرح جس میں رخاوت ہوگی اس میں نہ شدت ہوسکتی ہے نہ توسط۔ نتیجہ یہ کہ شدت، رخاوت اور توسط ان تین میں سے ہر حرف میں ایک ہی پائی جائے گی اور اس ایک کے پائے جانے سے باقی دو کا نہ پایا جانا لازم آئے گا۔

ہر حرف کی صفات معلوم کرنے کا طریقہ

سوال:۔ اتنی بات تو ہم اچھی طرح سمجھ گئے ہیں، کہ ان دس متضادہ صفتوں میں سے ہر حرف میں پانچ صفتیں ضرور پائی جاتی ہیں نہ زیادہ نہ کم مگر ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ وہ کونسا طریقہ ہے۔ جس کے ذریعے ہم ہر حرف کی ان پانچ صفات کو معلوم کر سکیں، جو اس حرف میں پائی جاتی ہیں؟

جواب:۔ اساتذہ فن نے ہر حرف کی پانچ صفتیں معلوم کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ ان صفات میں سے ۱، ۳، ۵، ۷، ۹ یعنی ہمس شدت استعلاء، اطباق اور اذلاق پانچ یہ اور ایک توسط ان چھ صفتوں کے حرفوں کے مجموعہ جات کو خوب یاد کر لیا جائے، اور پھر جس حرف کے متعلق یہ معلوم کرنا منظور ہو کہ اس میں کونسی پانچ صفات پائی جاتی ہیں تو غور کرو اگر وہ حرف ان مجموعہ جات میں سے کسی میں ہے تب تو سمجھو کہ یہ حرف ان صفات سے متصف ہے، ورنہ ان کی ضدوں سے متصف سمجھا جائے گا۔

سوال:- وہ مجموعہ جات کیا ہیں اور ہر مجموعہ میں کتنے حرف ہیں اور اس کے حرفوں کو کیا کہتے ہیں نیز یہ کہ ان کی ضدوں میں پائے جانے والے حرفوں کی تعداد اور ان کے نام کیا کیا ہیں؟

جواب:- انتیس ۲۹ حرفوں میں سے دس حرفوں میں صفت ہمس پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہیں (ف ح ث ہ ش خ ص س ک ت) اور ان حرفوں کا مجموعہ یہ ہے (فَحَثَّہٗ شَخْصٌ سَکَتَ) اور ان حرفوں کو مہموسہ کہتے ہیں۔ اور ان دس حرفوں کے ماسوا باقی انیس حرفوں میں صفت جہر پائی جاتی ہے اور ان کو مجہورہ کہتے ہیں۔ پس جس حرف کے متعلق معلوم کرنا چاہو کہ وہ مہموسہ ہے۔ یا مجہورہ تو اگر وہ فحثہ، شخص سکت کے مجموعہ میں ہے تب تو وہ حرف مہموسہ ہے اب اس میں صفت جہر نہیں پائی جا سکتی اور اگر وہ اس مجموعہ میں نہیں ہے تو پھر وہ حرف مجہورہ ہوگا جیسے (ق غ د ذ اور ر) وغیرہ (۲) شدت و رخاوت اور توسط میں سے آٹھ حرفوں میں صفت شدت پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہیں (ء ج د ق ط ب ک ت) اور ان کا مجموعہ (اَجِدُ قَطٍ بَکَتْ) ہے ان کو حروف شدیدہ کہتے ہیں اور پانچ حرفوں میں صفت توسط پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہیں (ل ن ع م ر) اور ان کا مجموعہ (لِنْ عُمَرْ) ہے اور ان کو متوسطہ اور بینیہ بھی کہتے ہیں اور ان آٹھ شدیدہ اور پانچ متوسطہ کے سوا باقی سولہ حرف صفت رخاوت سے متصف ہیں اور ان کو حروف رخوہ کہتے ہیں پس جس حرف کے متعلق معلوم کرنا چاہو کہ آیا وہ شدیدہ ہے یا متوسطہ یا رخوہ تو دیکھو اگر وہ اَجِدْ قَطٍ بَکَتْ کے مجموعہ میں ہے تب تو سمجھو کہ وہ حرف شدیدہ ہے اب اس میں نہ توسط پائی جا سکتی ہے نہ رخاوت اور اگر وہ حرف لن عمر کے مجموعہ میں ہے تو متوسطہ کہلائے گا، اب اس میں نہ شدت ہوگی نہ رخاوت اور اگر ان دونوں مجموعوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے تو پھر

رخوہ کہلائے گا جیسے (اذ ض اور ظ) وغیرہ (۳) استعلاؐ و استفال میں سے سات حرف صفت استعلاء سے متصف ہیں اور وہ یہ ہیں - (خ ص ض غ ط ق ظ) اور ان کا مجموعہ (خُصَّ ضغطٍ قِظْ) ہے اور ان کو مستعلیہ کہتے ہیں اور ان سات کے سوا باقی بائیس ۲۲ حرفوں میں صفت استفال پائی جاتی ہے اور ان کو مستفلہ کہتے ہیں - پس جس حرف کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ آیا وہ مستعلیہ ہے یا مستفلہ تو دیکھو اگر وہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے مجموعہ میں ہے - تب تو مستعلیہ کہلائے گا ورنہ مستفلہ سمجھا جائے گا جیسے (ن د ت س ش) وغیرہ (۴) اطباق و انفتاح میں سے چار حرفوں میں تو صفت اطباق پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہیں (ص ض ط ظ) اور مجموعہ ان کا (صَطُضَظُ) ہے اور ان کو حروف مطبقہ کہتے ہیں اور باقی پچیس حرف صفت انفتاح سے متصف ہیں اور ان کو منفتحہ کہتے ہیں جیسے کہ (غ خ ق ل) وغیرہ رہی یہ بات کہ ہر حرف میں ان دونوں میں سے کونسی صفت پائی جاتی ہے سو اس بات کے معلوم کرنے کا طریقہ یہاں بھی وہی ہے جو اوپر تین جوڑوں کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے (۵) اذلاق و اصمات میں سے (ف ر م ن ل ب) ان چھ حرفوں میں تو صفت اذلاق پائی جاتی ہے اور مجموعہ ان کا (فرمن لب) ہے اور یہ چھ حرف مذلقہ کہلاتے ہیں اور باقی تیئیس حرفوں میں اس کی ضد اصمات ہے اور ان کو مصمتہ کہتے ہیں جیسے (س ش ص ض ط ظ ع غ) وغیرہ اور ان دو صفتوں میں سے ہر حرف میں کسی ایک کے معلوم کرنے کے لیے بھی وہی طریقہ کام میں لاؤ جو اوپر بیان ہو چکا ہے -

ہر حرف کی صفات معلوم کرنے کی مشق

سوال : کیا ہی اچھا ہو اگر آپ ہمیں ہر حرف کی صفات معلوم کرنے کی کچھ مشق بھی کرادیں تاکہ یہ طریقہ اچھی طرح ہمارے ذہن نشین ہو جائے۔

جواب : بہت اچھا تمہاری خواہش کے مطابق ذیل میں ہم چند حرفوں کو بطور مثال ذکر کرکے کسی حرف کی پانچ صفات دریافت کرنے کی کچھ مشق کرائے دیتے ہیں پورے دھیان سے پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

مثلاً با ہی کو لے لو غور کرو کہ یہ فَحَثَّہٗ شَخْصٌ سَكَتَ کے مجموعہ میں نہیں ہے اس لیے یہ مجہورہ ہے اور چونکہ یہ اَجِدُ قَطٍ بَكَتُ کے مجموعہ میں ہے اس لیے شدیدہ ہے اور خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے مجموعہ میں چونکہ نہیں اس لیے مستفلہ ہے نیز صَطَ ضَظ میں بھی نہیں اس لیے منفتحہ ہے اور چونکہ فِرَّ مِنْ لُبٍّ کے مجموعہ میں ہے اس لیے مذلقہ ہے، پس (ب) میں یہ پانچ صفات پائی جاتی ہیں، جہر شدت استفال انفتاح اور اذلاق (ح) چونکہ یہ فَحَثَّہٗ شَخْصٌ سَكَتَ کے مجموعہ میں ہے، اس لیے مہموسہ ہے اب اس میں جہر نہیں پائی جاسکتی اور چونکہ یہ اَجِدُ قَطٍّ بَكَتْ و نیز لِنْ عُمَرُ کے مجموعوں میں نہیں ہے۔ اس لیے نہ شدیدہ ہوسکتی ہے نہ متوسطہ بلکہ رخوہ ہے، اور چونکہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے مجموعہ میں نہیں ہے اس لیے مستفلہ ہے اور صَطْ ضَظْ کے مجموعہ میں نہ ہونے کی وجہ سے منفتحہ ہے اور فِرَّ مِنْ لُبَ کے مجموعہ میں بھی چونکہ نہیں ہے اس لیے مصمتہ ہے پس اس میں ہمس رخاوت استفال انفتاح اور اصمات یہ پانچ صفتیں پائی جاتی ہیں (ذ) یہ چونکہ نہ تو فَحَثَّہٗ شَخْصٌ سَكَتَ کے مجموعہ میں ہے اور نہ ہی اَجِدُ قَطٍّ بَكَتْ اور لِنْ عُمَرُ کے مجموعوں میں اور اسی طرح خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ۔ صَطْ ضَظْ اور فِرَّ مِنْ لُبٍّ کے مجموعہ جات میں بھی نہیں ہے۔ اس لیے یہ مجہورہ رخوہ مستفلہ منفتحہ اور

مصمتہ ہے، باقی حرفوں کو بھی اسی طرح سمجھ لو، اور الف سے یاء تک کے تمام حرفوں میں غور کر کے ان کی صفات نکالنے کی مشق کر لو۔

سوال:۔ کیا کوئی ایسا حرف بھی ہے جو تمام مجموعوں میں پایا جاتا ہو اور ایسے ہی کیا کوئی ایسا حرف بھی ہے جو کسی مجموعہ میں بھی نہ پایا جاتا ہو؟

جواب:۔ ایسا حرف تو کوئی نہیں، جو سب مجموعوں میں پایا جاتا ہو البتہ چند حروف ایسے ضرور ہیں، جو ان چھیوں مجموعوں میں سے کسی میں بھی نہیں پائے جاتے اور وہ یہ ہیں ر ا ذ ز و ی) پس یہ پانچ حرف تو مجہورہ رخوہ مستفلہ منفتحہ اور مصمتہ ہیں اور باقی چوبیس ۲۴ حرفوں کی صفات معلوم کرنے کا طریقہ وہی ہے جو اوپر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے، خوب سمجھ لو اور اب صفات غیر متضادہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔

صفات غیر متضادہ

سوال: صفات غیر متضادہ کتنی ہیں اور کن کن حرفوں میں پائی جاتی ہیں؟

جواب: یہ کل آٹھ صفتیں ہیں جو مندرجہ ذیل سولہ ۱۶ حرفوں میں پائی جاتی ہیں۔ ب۔ ج۔ د۔ ر۔ ز۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ق۔ ل۔ م۔ ن و۔ ی۔ اور ان کے ماسوا باقی تیرہ حرفوں میں غیر متضادہ میں سے کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔

سوال: ان آٹھ صفتوں میں سے ہر صفت کے حرفوں کو الگ الگ بیان کیجئے۔

جواب:۔ بہت اچھا ذیل میں ہم ایسا ہی کرتے ہیں تم ان کو غور سے پڑھو اور یاد رکھنے کی کوشش کرو ۱۱ (صفیر) یہ صفت ان تین حرفوں میں پائی جاتی ہے، (ص س ز) اور ان کو حروف صفیریہ کہتے ہیں۔ ۱۲ (قلقلہ) یہ صفت ان پانچ

حرفوں میں پائی جاتی ہے (ق ط ب ج د) اور ان کا مجموعہ (قُطْبُ جَدٍّ) ہے اور ان کو حروفِ قلقلہ اور حروف مقلقل بھی کہتے ہیں۔ ۱۳ (لین) یہ صفت اس واؤ اور (ی) میں پائی جاتی ہے۔ جو ساکن ہو، اور ان سے پہلے والے حرف پر فتحہ ہو جیسے قَوْلٌ کا واؤ، بَیْعٌ کی یا اور ان دونوں کو اس حالت میں حرف لین کہتے ہیں۔ جیسا کہ مخارج کی بحث میں بھی معلوم ہو چکا ہے۔ ۱۴ (انحراف) یہ صفت (ل) اور (ر) ان دو حرفوں میں پائی جاتی ہے اور ان کو منحرفہ کہتے ہیں۔ ۱۵ (تکریر) یہ صفت حرف را میں پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کو مکررہ کہتے ہیں ۱۶ (تفشی) اس کا صرف ایک ہی حرف ہے یعنی (ش) معجمہ اور اس کو حرفِ تفشی کہتے ہیں۔ ۱۷ (غنہ) یہ صفت (ن) اور م ان دو حرفوں میں پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ ان کو حروف غنہ کہتے ہیں۔ ۱۸ (استطالت) یہ صفت صرف (ض) معجمہ میں پائی جاتی ہیں۔ اور اس کو مستطیلہ کہتے ہیں۔ ان صفات کو اور ان کے حرفوں کو خوب اچھی طرح یاد کر لو۔

سوال - ان صفتوں کے حروف تو ہمیں معلوم ہو گئے اب غیر متضاد کا مطلب بھی سمجھا دیجئے؟

جواب :- غیر متضادہ کا مطلب ہے۔ ضد نہ بننے والی یعنی ایسی صفات جن کی کوئی ضد نہیں اور وضاحت اس کی یہ ہے کہ جس طرح صفات متضادہ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسری کی ضد اور مقابل بنتی ہیں۔ اور کسی حرف میں ان میں سے کسی صفت کے پائے جانے سے اس کی ضد کا نہ پایا جانا لازم آتا ہے۔ ان صفتوں کا یہ حال نہیں کیونکہ یہ صفات تو ایسی ہیں کہ جن کی کوئی ضد ہی نہیں۔ مثال کے طور پر اگر (ص س ز) میں صفت صفیر ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی چھبیس حرفوں میں کوئی ایسی صفت پائی جاتی ہے جو اس

کی ضد ہے۔ جس طرح کہ (فَوَّمِنْ لُبِّ) کے چھ حرفوں کے علاوہ باقی تیئیس ۲۳ حرفوں میں اذلاق کی ضد اصمات پائی جاتی ہے۔ اسی طرح (قطبُ جدٍّ) کے پانچ حرفوں میں صفت قلقلہ ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی چوبیس حرفوں میں کوئی ایسی صفت ہے جو قلقلہ کی ضد ہے جس طرح کہ (ضغط حنظ) کے سوا باقی پچیس حرفوں میں صفت انفتاح پائی جاتی ہے۔ باقی صفات غیر متضادہ کو بھی اسی طرح سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ پہلی دس کی طرح یہ آٹھ ایک دوسری کی ضد نہیں بنتیں اور یہی معنیٰ ہیں غیر متضادہ کے۔ یعنی وہ صفات جو آپس میں ایک دوسری کی ضد نہ بنیں اور ان کو منفردہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی وہ صفات جو اکیلی ہیں اور ان کا کوئی مقابل نہیں۔

سوال: ہر حرف میں کم سے کم کتنی اور زیادہ سے زیادہ کتنی صفات پائی جاتی ہیں؟

جواب: تیرہ حرفوں میں تو پانچ پانچ صفات پائی جاتی ہیں اور یہ وہ تیرہ ہیں جو صفات غیر متضادہ سے خالی ہیں۔ یعنی (ا ت ث ح خ ذ ظ ع غ ف ک ہ ء) اور باقی جو سولہ بچے ان میں سے پندرہ میں تو چھ چھ پائی جاتی ہیں اور (ر) میں سات اس لیے کہ اس میں غیر متضادہ میں سے دو صفتیں پائی جاتی ہیں یعنی انحراف وتکریر۔ بس (ر) کے علاوہ اور کوئی ایسا حرف نہیں ہے جس میں سات صفتیں پائی جاتی ہوں یہ خوب سمجھ لو۔

سوال: ایک شبہ اب بھی باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہمس کی ضد جہر اور شدت کی ضد رخاوت ہے تو کیا تفشی کی ضد عدم تفشی اور قلقلہ کی ضد عدم قلقلہ نہیں ہو سکتی اور اگر ہو سکتی ہے تو پھر ان کو غیر متضادہ کیوں کہتے ہیں اور اگر نہیں ہو سکتی تو کیوں؟

جواب: تمہارا یہ شبہ فرضی ہے جو معمولی سا غور کرنے سے دور ہو سکتا ہے اور وہ

اس طرح کہ ہمس کی ضد کا نام جہر اور شدت کی ضد کا نام رخاوت تو واقعتہً موجود ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے دوسری کا نہ پایا جانا لازم بھی آتا ہے ۔ مگر تم یہ سوچو کہ کیا تفشی اور قلقلہ کی ضدوں کے نام بھی کوئی ہیں کہ جو (ش) کے علاوہ باقی اٹھائیس حرفوں میں یا قُطْبُ جَدٍ کے علاوہ باقی چوبیس حرفوں میں پائی جاتی ہوں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ان کو متضادہ کہنا کیسا ؟ پس متضادہ اور غیر متضادہ میں یہ فرق ہے کہ متضادہ میں تو دونوں ضدوں کا نام ہوتا ہے اور غیر متضادہ میں مقابل صفت کا وجود ہی نہیں ہوتا محض لفظ عدم لگا کر ضد بنا لی جاتی ہے ۔ حقیقت میں اس کا نام اور وجود نہیں

سوال :۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ ہمیں کسی نقشہ میں بھی ہر حرف کی صفات دکھا دیں تاکہ یہ ہمیں اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں ۔

جواب :۔ نقشہ اگر تم خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرو تو یہ زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ اس لیے کہ جب تم خود اپنے دماغ پر بوجھ ڈال کر ہر حرف کی صفات نکالو گے اور پھر ان کو لکھو گے تو اس سے صفات کے نکالنے کی مشق بھی خوب ہو جائے گی اور تمہیں صفات یاد بھی اچھی طرح ہو جائیں گی [ع]۔

الحمد اللہ کہ یہاں پہونچ کر صفات کی لفظی بحث تمام ہوئی اور اب آئندہ فصل میں ان کے معانی بیان کیے جا رہے ہیں اور تجوید کے علم میں سب سے مشکل بحث یہی ہے اس لیے اس کے سمجھنے کے لیے غور، فکر اور محنت کی ضرورت بھی زیادہ ہے ۔

ع معلمین کو چاہیئے کہ وہ اپنے طلباء کو ہدایت فرمائیں کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ ایسا نقشہ تیار کرکے لائے جس میں ہر حرف تہجّی کے سامنے اس کی تمام صفات درج ہوں یہ نہایت ضروری اور مفید مشورہ ہے ۔ اگر معلم حضرات توجہ فرمائیں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ طلباء کو صفات نکالنے کی مشق نہیں ہوتی بلکہ بہت سے اس طریقے سے بھی ناآشنا ہوتے ہیں ۔

پہلے دو جوڑوں کی صفتوں کے معنی اور ان کے اثرات

سوال :- ہمس وجہر کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا کیا ہیں اور حروف کی ادا پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے۔

جواب :- ہمس کے لغوی معنی پست آواز کے ہیں اور مجوّدین کی اصطلاح میں ہمس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس جاری رہ سکے اور آواز پست ہو۔ اور جہر کے معنی بلند آواز کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی قوّت کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس بند ہو جائے اور آواز بلند ہو۔ پس پست آواز، بلند آواز کی اور بلند آواز پست آواز کی اور ایسے ہی سانس کا جاری رہنا بند ہو جانے کی، اور بند ہو جانا جاری رہنے کی ضد ہے خوب سمجھ لو۔

سوال :- شدت رخاوت اور توسط کے کیا کیا معنیٰ ہیں اور حروف کی ادا پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب :- لغت میں شدت کے معنی سختی کے آتے ہیں اور اہل فن کی اصطلاح میں شدت کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی سختی اور قوّت کے ساتھ ٹکنا کہ اس کے اثر سے خود آواز ہی بند ہو جائے۔ اور حرف قوی اور سخت ادا ہو۔ اور رخاوت کے معنی لغت میں نرمی کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی نرمی کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے آواز جاری رہ سکے۔ اور حرف نرم ادا ہو۔ (توسط) لغت میں اس کے معنی درمیان میں واقع ہونے کے ہیں اور اصطلاح میں اس

پہلے دو جوڑوں کی صفتوں کے معنی اور ان کے اثرات

سوال :- ہمس وجہر کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا کیا ہیں اور حروف کی ادا پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے۔

جواب :- ہمس کے لغوی معنی پست آواز کے ہیں اور مجوّدین کی اصطلاح میں ہمس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس جاری رہ سکے اور آواز پست ہو۔ اور جہر کے معنی بلند آواز کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی قوّت کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس بند ہو جائے اور آواز بلند ہو۔ پس پست آواز، بلند آواز کی اور بلند آواز پست آواز کی اور ایسے ہی سانس کا جاری رہنا بند ہو جانے کی، اور بند ہو جانا جاری رہنے کی ضد ہے خوب سمجھ لو۔

سوال :- شدت رخاوت اور توسط کے کیا کیا معنٰی ہیں اور حروف کی ادا پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب :- لغت میں شدت کے معنی سختی کے آتے ہیں اور اہل فن کی اصطلاح میں شدت کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی سختی اور قوّت کے ساتھ رُکنا کہ اس کے اثر سے خود آواز ہی بند ہو جائے۔ اور حرف قوی اور سخت ادا ہو۔ اور رخاوت کے معنی لغت میں نرمی کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی نرمی کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے آواز جاری رہ سکے۔ اور حرف نرم ادا ہو۔ (توسط لغت میں اس کے معنی درمیان میں واقع ہونے کے ہیں اور اصطلاح میں اس

سے مراد شدت اور رخاوت کی درمیانی حالت ہے کہ اس کے حرفوں کے ادا ہوتے وقت نہ تو حروف شدیدہ کی طرح آواز فوراً بند ہو جاتی ہے اور نہ رخوہ کی طرح جاری ہی رہتی ہے۔ پس سختی، نرمی کی اور نرمی سختی کی ضد ہے اور اسی طرح آواز کا بند ہو جانا اس کے جاری رہنے کی اور جاری رہنا بند ہو جانے کی ضد ہے اور حروف متوسط ہیں ان دو متضاد کیفیتوں میں سے کوئی کیفیت بھی کامل طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ ان میں دونوں صفتوں کا کچھ کچھ اثر ہوتا ہے اس لیے ان پانچ حرفوں کو نہ تو شدیدہ ہی کہہ سکتے ہیں اور نہ رخوہ بلکہ یہ ان دونوں کے درمیان ہیں اسی لیے ان کو متوسطہ کہتے ہیں اور ان کا دوسرا نام بینیہ بھی ہے

پہلے دو جوڑوں کی پانچ صفتوں کی بنا پر حروف کی قسمیں اور اُن کے تلفظ کی وضاحت

سوال:۔ ان دو جوڑوں کی پانچ صفتوں کی بنا پر حروف کی کتنی اور کیا کیا قسمیں ہیں نیز یہ کہ ہر قسم میں کون کونسے حرف داخل ہیں۔

جواب:۔ ان پانچ صفتوں کی بنا پر حروف کی قسمیں بھی پانچ ہی ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) مہموسہ رخوہ (۲) مہموسہ شدیدہ (۳) مجہورہ رخوہ (۴) مجہورہ شدیدہ (۵) مجہورہ متوسطہ۔ پس مجہورہ تو تین قسموں میں منقسم ہیں لیکن مہموسہ کی صرف دو ہی قسمیں ہیں کیونکہ حروف مہموسہ یا شدیدہ ہیں یا رخوہ۔ اور ان میں سے متوسط کوئی نہیں اور اب ہم ذیل میں ان پانچ قسموں کو مع ان کے حرفوں کے ایک جدول میں درج کرتے ہیں۔ اس جدول کو غور سے دیکھو۔ اور اس کے حرفوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ کیونکہ آگے ان سے متعلق وضاحت آنے والی ہے۔

حروف کی پانچ قسموں کا جدول

مہموسہ رخوہ	ف	ح	ث	ہ	ش	خ	ص	س
مجہورہ شدیدہ	ء	ج	د	ق	ط	ب	۰	۰
مجہورہ رخوہ	ا	ذ	ز	ض	ظ	غ	و	ی
مہموسہ شدیدہ	ک	ت	۰	۰	۰	۰	۰	۰
مجہورہ متوسطہ	ل	ن	ع	م	ر	۰	۰	۰

سوال :۔ ان پانچوں قسموں کے حرفوں کی کیفیّت ادا اور ان کے تلفظ کی وضاحت کیجیئے۔

جواب :۔ جو حروف مہموسہ بھی ہیں اور رخوہ بھی تو ہمس کی وجہ سے ان کی آواز پست اور رخاوت کی وجہ سے نرم ہوتی ہے نیز ان میں ہمس کی وجہ سے سانس اور رخاوت کی وجہ سے آواز دونوں ہی جاری رہتے ہیں اس لیے وہ انتہائی لطیف نرم اور ہلکے پھلکے ادا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس نوع کے آٹھوں حرفوں میں یہی بات پائی جاتی ہے جیسے یَلْهَثْ کی ثاء اور فَاهْدُوْهُمْ کی هاء اور جو حرف نہ مہموسہ ہیں نہ رخوہ یعنی حروف مجہورہ شدیدہ تو بوجہ جہر کے ان کی آواز بلند اور بوجہ شدّت کے سخت ہوتی ہے نیز یہ کہ ان میں جہر کی وجہ سے سانس اور شدّت کی وجہ سے آواز دونوں بند ہو جاتے ہیں اس لیے وہ نہایت قوی اور سخت ادا ہوتے ہیں کہ نرمی کا نام نہیں ہوتا جیسے اقراء اور ماکُول کا ہمزہ اور اس نوع کے باقی پانچ حرفوں میں چونکہ صفت قلقلہ بھی پائی جاتی ہے اس لیے ان میں آواز کے مخرج میں قوت وسختی کے ساتھ ٹکنے کے بعد حرکت کے مشابہ یعنی ہلتی ہوئی آواز بھی ظاہر ہوتی ہے جیسے وَقْرًا کا قاف اور اَجْرًا کی جیم اور وضاحت اس کی صفت قلقلہ کی

تشریح کے ضمن میں آئے گی اور جو حروف مجہورہ تو ہیں لیکن شدیدہ یا متوسطہ نہیں ہیں یعنی حروف مجہورہ رخوہ تو ان کی آواز اگرچہ بوجہ رخاوت کے نرم تو ہوگی اور جاری بھی رہ سکے گی لیکن جہر کی وجہ سے سانس چونکہ بند ہوجائے گا اس لیے ان کے تلفظ میں وہ لطافت ، نزاکت نہیں ہوگی جو حروف مہموسہ رخوہ میں ہوتی ہے چنانچہ اس نوع کے آٹھوں حرفوں میں یہی بات پائی جاتی ہے جیسے مُجْذُوْذٍ کی ذال اور محفوظ کی ظا اور جو حروف مجہورہ تو ہیں لیکن نہ شدیدہ ہیں نہ رخوہ بلکہ ان دونوں کے درمیان ہیں یعنی حروف مجہورہ متوسطہ تو جہر کی وجہ سے ان کی آواز بلند تو ہوگی اور سانس کے بند ہوجانے کی وجہ سے قوی بھی ہوگی لیکن سختی و نرمی میں نیز آواز کے جاری رہنے اور نہ رہنے میں وہ شدیدہ اور رخوہ کے درمیان ادا ہوں گے چنانچہ اس نوع کے پانچوں حرفوں میں یہی بات پائی جاتی ہے جیسے قُلْ کا لام اور اَنْعَمْتَ کا نون ، میم ۔ رہے حروف مہموسہ شدیدہ یعنی کاف ، تا سو پہلے تو ان کی آواز بوجہ شدت کے مخرج میں سختی اور قوت کے ساتھ ٹکتی ہے اور پھر آخر میں بوجہ ہمس کے ایک نہایت پست اور کمزور آواز ظاہر ہوتی ہے جو ہوتی بھی آنی ہے یہ تو ہوئی ان صفات خمسہ کی علمی تصویر رہی ان کی عملی ادائیگی سو وہ کسی ماہر استاذ سے سننے اور اس کے موافق مشق کرنے سے ہی آسکتی ہے ۔

سوال :۔ حروف مجہورہ رخوہ کی حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان میں سانس تو بند ہوجاتا ہے مگر آواز جاری رہتی ہے ۔ تو اب اشکال یہ ہے کہ جب سانس ہی بند ہوگیا تو آواز کا جاری رہنا کیونکہ ممکن ہے اس لیے کہ آواز کا مدار سانس پر ہی ہے ۔

جواب :۔ سانس کے بند ہوجانے کا مطلب یہ نہیں کہ سانس سرے سے ختم ہی ہو جاتا ہے ، بلکہ مراد سانس کے بند ہوجانے سے یہ ہے کہ سانس پورے کا پورا آواز بن جاتا ہے اور اپنی حیثیت سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا اور تفصیل اس کی یہ ہے

کہ جب کسی حرف کے مخرج پر آواز ٹکتی ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتی یا تو قوّت اور سختی کے ساتھ ٹکتی ہے یا ضعف اور نرمی کے ساتھ۔ پس پہلی صُورت میں اعتماد قوّی کی وجہ سے سانس سارے کا سارا آواز بن جاتا ہے اور اپنی حیثیت سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا اور یہی حرف مجہورہ کہلاتا ہے اور دوسری صورت میں اعتماد ضعیف کی وجہ سے سانس پورے کا پورا آواز نہیں بنتا بلکہ کچھ تو آواز بن جاتا ہے اور کچھ سانس کی حیثیّت سے باقی رہ جاتا ہے اور یہی حرف مہموسہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ اگر تم غور کرو گے تو حروف مہموسہ رخوہ میں ایک خاص قسم کی لطافت اور نرمی پاؤ گے۔ بخلاف حروف مجہورہ رخوہ کے کہ ان میں وہ لطافت اور نرمی نہیں ہوتی اور یہ لطافت اور نرمی اسی سانس کے جاری رہنے کا ہی نتیجہ ہے جس کا احساس مَبْثُوْث اور مَجْذُوْذ جیسے کلمات پر یکے بعد دیگرے وقف کرکے غور کرنے سے ہو سکتا ہے۔ مگر یہ ایک باریک بات ہے جس کا ادراک صحیح ادائیگی اور صحیح ذوق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(ک) و (ت) کے مُتعلق ایک ضرُوری تنبیہ

سوال:۔ بعض لوگ (ک) اور (ت) کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ (ک مثل (کھ) کے اور (ت) مثل (تھ) کے سنائی دیتا ہے اور بعض لوگ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ان حرفوں کے آخر میں ھا یا سین کی آواز پیدا ہو جاتی ہے اور اس تلفظ کی صحت پر وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم صفت ہمس ادا کر رہے ہیں اور اگر ان حرفوں کو اس طرح ادا نہ کیا جائے تو صفت ہمس ادا ہونے سے رہ جاتی ہے تو کیا ان کا یہ تلفظ اور اس پر یہ دلیل یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔

جواب:۔ علم تجوید کی معتبر کتابوں و نیز اس فن کے محقق اساتذہ کے ارشاوات کی رُو سے

یہ دونوں باتیں غلط ہیں نہ تو (ک) و (ت) کا یہ تلفظ صحیح ہے اور نہ اس پہ ان کی یہ دلیل ہی درست ہے ۔ چنانچہ (ک) اور (ت) کا ایسا تلفظ کہ جس میں وُہ (کھ) اور (تھ) کے مانند ادا ہوں، اس کا غلط ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ اس میں ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے ۔ تم سمجھتے ہو کہ (کھ) اور (تھ) یہ دونوں خالص ہندی اور اُردو زبان کے حرف ہیں، عربی تو درکنار فارسی میں بھی استعمال نہیں ہوتے پھر قرآن مجید جو کہ نہایت فصیح عربی میں نازل ہُوا ہے بھلا اس میں ایسے حرفوں کی کھپت کہاں، پس جب ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے خصوصاً جب تبدیلی بھی ایسی ہو، کہ وُہ عربی حروف سے نکل کر عجمی حرفوں میں داخل ہو جائے جیسا کہ (ک) و (ت) کے اس غلط تلفظ میں یہی صورت ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس تلفظ کے غلط اور نادرست ہونے پر مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور اس کے صحیح ہونے پر جو دلیل بھی پیش کی جائے گی ۔ وہ قابلِ قبول نہ ہوگی رہا ان کے آخر میں (ہ) یا (س) کی آواز کا ظاہر کرنا ۔ سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس صورت میں ایک حرف کی زیادتی لازم آتی ہے ۔ (ہ) اور (س) دونوں مستقل حرف ہیں (ک) و (ت) کے آخر میں ان کی آواز کے ظاہر کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں، رہی ان کی یہ دلیل کہ اس تلفظ کے بغیر صفت ہمس ادا نہیں ہوتی سو یہ بھی غلط اور نادرست ہے ۔ اس لیے کہ ہمس کے معنی خفی اور پست آواز کے ہیں ۔ جریانِ صوت (آواز کے جاری رہنے) کے نہیں ۔ تو اگر (ک) و (ت) کے آخر میں (ہ) یا (س) کی آواز ظاہر ہو جائے گی تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی ۔ یا تو یہ کہ یہ حروف بجائے شدیدہ کے رخوہ ہو جائیں گے ۔ اس لیے کہ آواز کا جاری رہنا رخوہ کا خاصہ ہے نہ کہ شدیدہ کا اور یا یہ کہ ایک حرف کی زیادتی لازم آئے گی، جو قطعاً نادرست اور بہت بھاری غلطی ہے خلاصہ یہ کہ

(ک) و (ت) کو نہ تو (کھ) اور (تھ) کی طرح ادا کرنا صحیح ہے اور نہ ان کے آخر میں (ھ) اور (س) کی آواز کا ظاہر کرنا ہی درست ہے بلکہ ان دونوں حرفوں کا صحیح تلفظ وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ پہلے تو ان کی آواز بوجہ شدّت کے مخرج میں سختی اور قوّت کے ساتھ ٹکتی ہے اور پھر آخر میں بوجہ ہمس کے ایک نہایت پست اور کمزور آواز ظاہر ہوتی ہے اور چونکہ اس غلط تلفظ کے اختیار کرنے کا سبب صفت شدّت سے ذہول ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ ان حرفوں کو اس غلط تلفظ کے ساتھ ادا کرتے ہیں وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ان میں صفت شدّت بھی ہے ورنہ اگر وہ اس بات کو نہ بھولیں تو اس غلط تلفظ کو اختیار کر ہی نہیں سکتے اس لیے علّامہ جزری نے اپنے مشہور رسالہ مقدمۃ الجزریہ میں کاف اتاء میں صفت شدّت کا اہتمام کرنے کی خصوصی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں :-

وَرَاعِ شِدَّةً بِكَافٍ وَّبِتَا ۔ كَشِرْكِكُمْ تَتَوَفّٰى فِتْنَتَا ۔

ترجمہ :- اور پوری طرح ملحوظ رکھو صفت شدت کو کاف، تاء میں ان دونوں حرفوں کی مثالیں شِرکِکُمْ تَتَوَفّٰی اور فِتْنَةٌ کی طرح ہیں واللہ اعلم ۔ اس مسئلہ کی مزید تحقیق المقدمۃ الشریفیہ شرح مقدمۃ الجزریہ میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

تیسرے اور چوتھے جوڑے کی صفتوں کے معنیٰ اور اُن کے اثرات

سوال :- استعلاء و استفال کے کیا کیا معنی ہیں اور ان کا حروف کی ادا پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

جواب :- استعلاء کے لغوی معنی بلند ہونے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت اقصیٰ لسان یعنی زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف اٹھ جائے جس کے اثر سے یہ حروف پُر ادا ہوں گے ۔ جیسے فِرْقَةٍ کا (ق) اور

خَالِدٌ کی (خ) اور اِسْتِفَال کے لغوی معنی ہیں نیچے رہنا اور اصطلاح میں یہ
معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف نہ اُٹھے
بلکہ نیچے ہی رہے جس کے اثر سے یہ حروف خوب باریک ہوں گے جیسے
کَفَرُوْنَ کا (ک) اور تَائِبٌ کی (ت)

سوال :۔ اطباق و انفتاح کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا کیا ہیں اور ان کا حروف
کی ادا پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

جواب :۔ اطباق کے معنی لغت میں اِلصاق یعنی اچھی طرح مل جانے اور
ڈھانپ لینے کے ہیں اور مجودین کی اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے
ادا ہوتے وقت زبان کا اکثر حصّہ یعنی اس کا بیچ اوپر کے تالو سے مل جائے
اور اس کو ڈھانپ لے جس کی وجہ سے یہ حروف خوب پُر ادا ہوں گے جیسے
طَاغُوْت کی طا اور مِرْصَاد کا صاد اور انفتاح کے لغوی معنی افتراق
یعنی جُدا اور علیحدہ رہنے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا
ہوتے وقت زبان کا اکثر حصّہ یعنی اس کا بیچ اوپر کے تالو سے نہ ملے، بلکہ
جُدا رہے ، جیسے فُتِحَتْ کی (ت) اور وَقْرًا کا (ق) اور اس کا اثر بھی یہی
ہوگا۔ کہ یہ حروف پُر نہیں ہوں گے۔ البتہ ان میں سے جو حروف مستعلیہ ہیں
یعنی (غ۔ خ اور ق) وہ استعلا کی وجہ سے پُر ہوں گے۔ لیکن اس قدر نہیں کہ
جس قدر مستعلیہ مطبقہ پس فُتِحَتْ تو مستفلہ و منفتحہ کی مثال ہے اور
وَقْرًا مستعلیہ منفتحہ کی خوب سمجھ لو۔

سوال :۔ تفخیم و ترقیق کے اعتبار سے حروف کی کتنی اور کیا کیا قسمیں ہیں ؟

جواب :۔ تین قسمیں ہیں (۱) وہ حروف جو خوب پُر پڑھے جاتے ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ
ان میں دو درجہ کی تفخیم ہوتی ہے اور یہ وہ حروف ہیں، جو مستعلیہ بھی ہیں اور مطبقہ بھی

یعنی (ص - ض - ط - ظ) تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ استعلاء کا اثر بھی حروف میں تفخیم کی شکل میں ظاہر ہوتا اور اطباق کا بھی تفخیم ہی کی صورت میں۔ پس ان چار حرفوں میں ایسی دو صفتیں جمع ہو جاتی ہیں جو تفخیم کی متقاضی ہیں اس لیے ان میں تفخیم بھی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے (۲) وہ حروف جو ان کی نسبت کم پُر پڑھے جاتے ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ ان میں ایک درجہ کی تفخیم ہوتی ہے اور یہ وہ حروف ہیں جن میں استعلاء تو پائی جاتی ہے مگر اطباق نہیں پائی جاتی یعنی مستعلیہ منفتحہ اور وہ غ خ اور (ق) یہ تین حرف ہیں چونکہ ان تین حرفوں میں تفخیم کی متقاضی صرف ایک صفت یعنی استعلاء ہی پائی جاتی ہے۔ اس لیے ان میں تفخیم بھی کم درجہ کی ہوتی ہے (۳) وہ حروف جو بالکل پُر نہیں ہوتے بلکہ باریک پڑھے[1] جاتے ہیں اور یہ وہ بائیس حروف ہیں جن میں نہ تو استعلاء پائی جاتی ہے اور نہ ہی اطباق یعنی مستفلہ منفتحہ۔ کیونکہ ان میں کوئی بھی ایسی صفت نہیں پائی جاتی جو تفخیم کو چاہتی ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو حرف مطبقہ ہوگا۔ وہ مستعلیہ بھی ضرور ہوگا۔ مگر اس کا عکس ضروری نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو حرف مستعلیہ ہو، وہ مطبقہ بھی ہو کیونکہ بعض حروف مستعلیہ منفتحہ بھی ہیں۔ چنانچہ (غ، خ اور ق) ایسے ہی ہیں۔ البتہ جو حرف مستفلہ ہوگا۔ اس کا منفتحہ ہونا ضروری ہے لیکن اس کا عکس ضروری نہیں۔ کیونکہ بعض حروف ایسے بھی ہیں جو منفتحہ تو ہیں مگر مستفلہ نہیں ہیں بلکہ مستعلیہ ہیں چنانچہ (غ، خ اور ق) یہ تینوں ایسے ہی ہیں خلاصہ یہ کہ ان چار صفتوں کی بنا پر حروف کی قسمیں صرف تین ہی بنتی ہیں (۱) مستعلیہ مطبقہ (۲) مستعلیہ منفتحہ (۳) مستفلہ منفتحہ اور گو لفظوں کے باہم جوڑنے سے ایک چوتھی قسم بھی بن سکتی ہے یعنی مستفلہ مطبقہ لیکن وہ پائی نہیں گئی۔ کیونکہ نہ تو کوئی مطبقہ مستفلہ ہے اور نہ کوئی مستفلہ مطبقہ اس مقام سے متعلق مزید تحقیق توضیحات مرضیہ شرح فوائد مکیہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

[1] البتہ ان بائیس میں سے لفظ اللہ کا لام۔ را اور الف یہ تین حرف باوجود مستفلہ ہونے کے بھی بعض حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں اور اس کا مفصل بیان دوسرے باب کی پہلی فصل [illegible]

سوال: (ک) کی ادائیگی میں زبان کی جڑ کا نیچے والا حصہ اور (ج ش ی) کی ادائیگی میں زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے مل جاتا ہے۔ پھر (ک) کو حروف مستعلیہ میں اور (ج ش ی) کو حروف مطبقہ میں شمار کیوں نہیں کرتے۔

جواب: ان حرفوں میں زبان کا تالو سے ملنا مخرج کی وجہ سے ہوتا ہے صفت کی وجہ سے نہیں اور حروف مستعلیہ مطبقہ وہ حروف ہیں جن میں زبان کا اوپر کے تالو کی طرف اٹھنا یا اس سے ملنا صفت کی وجہ سے ہوتا ہے اور مخرج ان حرفوں کا علیحدہ ہے پھر (ک) میں زبان کی پوری جڑ اور (ج ش ی) میں زبان کا بیچ والا حصہ پورے کا پورا تالو سے ملتا بھی نہیں بلکہ بہت تھوڑا حصہ ملتا ہے۔ بخلاف حروف مستعلیہ اور مطبقہ کے کہ مستعلیہ میں زبان کی پوری جڑ تالو کی طرف بلند ہوتی ہے اور حروف مطبقہ میں زبان کا بیچ والا حصہ پورے کا پورا اوپر کے تالو کو ڈھانپ لیتا ہے۔

سوال: اذلاق، اصمات کے لغوی اور اصطلاحی معنے کیا کیا ہیں؟

جواب: اذلاق لغت میں پھسلنے کو کہتے ہیں اور اہل فن کی اصطلاح میں اس کے معنی حرف کے ہونٹ یا زبان کے کنارہ سے بہ سہولت ادا ہونے کے ہیں۔ کہ گویا وہ اپنے مخرج سے پھسلتا ہوا ادا ہو رہا ہے اور اس کے ادا ہوتے وقت کوئی گرانی محسوس نہیں ہوتی جیسے قُلْ کَالِ اور یَعْلَمْ کا (م) اور اصمات کے لغوی معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں اصمات سے مراد یہ ہے کہ حرف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہو، گویا کہ اس کی ادائیگی میں کچھ گرانی اور رکاوٹ سی محسوس ہو جیسے کَوْثَرْ کی ت اور لَمْ یَتَّخِذْ کی (ذ) اور اذلاق و اصمات کی مزید تحقیق التقدمۃ الشریفیہ شرح مقدمۃ الجزریہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

صفات غیر متضادہ کے معانی

سوال :۔ صفات غیر متضادہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا کیا ہیں ۔

جواب :۔ ذیل میں ہم ان صفات کے معنی ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو اور حرفوں کے ادا کرتے وقت انکا خیال رکھو ۱۔ صفیر۔ صفیر کے معنی لغت میں سیٹی یا چڑیا وغیرہ کی آواز کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت ایک تیز آواز مثل سیٹی یا چڑیا وغیرہ کے نکلے جیسے عَزِیْزٌ کی زا اور بسم اللہ کی سین اور یہ صفت ان حرفوں کے لیے کچھ ایسی لازم ہے کہ اگر یہ ادا نہ ہو تو ان حرفوں کی رونق ہی باقی نہیں رہتی اور حروف بہت ہی ناقص ادا ہوتے ہیں چنانچہ جس طرح ان حرفوں کو بلحاظ مخرج اَسَلیہ کہتے ہیں اسی طرح اس صفت کی وجہ سے یہ صفیریہ کے نام سے بھی مشہور ہیں ۲۔ قلقلہ کے لغوی معنی جنبش اور حرکت کے ہیں اور فن میں اس کے یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت مخرج میں کچھ جنبش سی ہو جائے جس کی وجہ سے آواز لوٹتی ہوئی نکلے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حروف قلقلہ کی ادائیگی کے لیے جب ایک عضو دوسرے عضو سے ملے تو شدت وجہر کی وجہ سے پوری سختی اور قوت کے ساتھ ملے اور پھر ملنے کے بعد جدا بھی ہو جائے یعنی (ق) کی ادائیگی کے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو سے (ج) کے ادا کرتے وقت زبان کا بیچ اپنے مقابل تالو سے (د) و (ط) کی ادائیگی کے وقت زبان کی نوک ثنایا علیا کی جڑوں سے اور (ب) کی ادائیگی کے وقت نیچے کا ہونٹ اوپر کے ہونٹ سے جب ملے، تو اس ملنے کے بعد جدا بھی ہو جائے اور دوسرے ساکن حرفوں کی طرح اس کو مدہ فراغ نہ ہو جائے ۔ پس ایک عضو کا دوسرے عضو سے سختی اور قوت کے ساتھ ملنا اور پھر نے کے بعد جُدا ہو جانا بس یہی حقیقت ہے قلقلہ کی ہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ

اگر حروف قلقلہ مخفف ہوں گے جیساکہ وَقَبۡ قَدۡ اَجۡرٌ اَلۡقِطۡ اور کَبۡ
میں ہیں تو یہ انفکاک عضوین یعنی دونوں عضووں کا جدا ہونا فوری ہوگا، اور اگر
مشدّد ہوں گے، جیساکہ بِالۡحَقِّ اور بَالِجّ وغیرہ میں ہیں تو یہ انفکاک فوری
نہ ہوگا، بلکہ کچھ دیر کے بعد ہوگا ورنہ تشدید ادا نہ ہوگی اور قلقلہ حرکت کی حالت میں
کم سکون کی حالت میں زیادہ اور وقف کی حالت میں اس سے بھی زیادہ ہوگا
۱۳ (لین) لین کے لغوی معنی نرمی کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ اس کے
حرفوں یعنی واو ساکن ماقبل مفتوح اور یا ساکن ماقبل مفتوح کو ایسی نرمی سے ادا
کیا جائے کہ اگر مد کرنا چاہیں تو کر سکیں جیسے خوف کا واو اور والصّیف کی یا مگر ان
میں مد صرف سکون ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور بس اس لیے اگر ان کے بعد کوئی متحرک
حرف ہو خواہ ہمزہ ہی کیوں نہ ہو مد نہیں ہوتا البتہ لین کی صفت اس حالت میں
بھی پائی جاتی ہے تفصیل مد کی بحث میں آرہی ہے۔ ۱۴ (انحراف) انحراف کے
لغوی معنی پھرنے اور مائل ہونے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف
کے ادا ہوتے وقت آواز کا حافہ لسان سے نوک زبان کی طرف اور نوک زبان
سے پشت زبان کی طرف میلان پایا جائے۔ چنانچہ ل میں تو حافہ سے نوک کی
طرف اور (ر) میں نوک سے پشت کی طرف آواز لوٹ جاتی ہے اس لیے خیال
نہ کرنے سے بعض دفعہ (ل) کی جگہ (ر) اور (ر) کی جگہ (ل) ادا ہو جاتا ہے
خصوصاً بچوں سے یہ غلطی زیادہ ہوتی ہے ۱۵ (تکریر یا تکرار) اور بعض کتابوں
میں اس کو مشابہت تکرار کا نام بھی دیا ہے۔ تکریر لغت میں ایک شئ کے بار بار
لوٹانے کو کہتے ہیں اور تکرار کے بھی یہی معنی ہیں اور مشابہت تکرار کے معنی ہیں
تکرار کی طرح ہونا اور اصطلاح میں تکرار سے مراد یہ ہے کہ ایک حرف کے بجائے
کئی حرف ادا ہو جائیں اور مشابہت تکرار سے اصطلاح میں یہ مراد ہے کہ یوں

محسوس ہو کہ گویا حرف دوہرا ادا ہو رہا ہے ۔ حالانکہ واقعہ میں وہ دوہرا ادا نہ ہو رہا ہو یا یہ مراد ہے کہ حرف میں دوہرا ادا ہونے کی صلاحیت موجود ہے اب غور سے سنو اور سمجھو کہ مشابہت تکرار تو صفت ادائی اور لازمی ہے جو (را) میں ادا ہونی چاہیئے، اور تکرار صفت احترازی ہے ، جس سے پرہیز کرنا چاہیے اور تکرار حقیقی سے بچنے کا طریقہ اساتذۂ فن نے یہ بیان فرمایا ہے کہ قاری کو چاہیئے کہ (را) کے ادا کرتے وقت سرا زبان کو تالو کے ساتھ ایک بار مضبوطی سے اس طرح چمٹائے کہ لرزنے نہ پائے ورنہ اس میں حقیقی تکرار پیدا ہو کر ایک (را) کے بجائے دو اور دو کے بجائے چار ادا ہو جائیں گی کیونکہ جتنی مرتبہ زبان لرزے گی، اتنی ہی (را) پیدا ہوں گی اور اگر سرا زبان تالو کے ساتھ اچھی طرح لگنے نہ پائے گا تو اس صورت میں بجائے (را) کے (ر) مفخمہ ہو جائے گا ۔ ہاں سرا زبان کے تالو سے چمٹانے میں اتنا مبالغہ بھی نہیں کرنا چاہیئے کہ ان دونوں کے درمیان آواز بند ہو جائے اور (را) مثل ط کے سخت اور قوی ادا ہو ورنہ (را) متوسطہ نہ رہے گی بلکہ شدیدہ ہو جائے گی، اور اس صورت میں مشابہت تکرار کی صفت بھی فوت ہو جائے گی ۔ حالانکہ وہ ادائی ہے ۔ پس جن کتابوں میں صفت تکریر کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد مشابہت تکرار ہی ہے نہ کہ حقیقی تکرار اور جہاں اس صفت کے چھپانے یعنی اس کے ادا نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد تکرار حقیقی ہے چنانچہ خود جزری میں بھی دونوں ہی باتیں ہیں کہ باب الصفات میں تو را کے لیے صفت تکریر کو ثابت کیا گیا ہے اور باب الراءات میں اس صفت کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے پس ان دونوں میں تضاد نہ سمجھا جائے بلکہ وہی توجیہہ کی جائے گی، جو اوپر بیان ہوئی واللہ اعلم اور تکرار حقیقی کا احتمال سب سے زیادہ حالت تشدید میں ہوتا ہے پھر اس سے کم سکون کی حالت میں اور رائے متحرکہ تو عموماً بلا اہتمام ہی صحیح ادا ہو

جاتی ہے، لہٰذا سکون اور تشدید کی حالت میں تکرار حقیقی سے بچنے کا اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔

۱۴ (تفشی) لغت میں تفشی کے معنی انتشار اور پھیلنے کے آتے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت آواز اور ہوا منہ میں پھیل جائے جیسے مَنْفُوْش کی شین لیکن اس بات کا خیال رہے کہ زبان اندر کو سمٹ کر اس کی نوک اُوپر کو اُٹھنے نہ پائے ورنہ (ش) پُر ہو جائے گا اور صحیح طریقہ اس کے ادا کرنے کا یہ ہے کہ زبان کو سیدھا رکھ کر ادا کیا جائے اس سے انشاء اللہ شین خود بخود صحیح ادا ہو جائے گا۔

۱۷ (غنّہ) اس سے مراد ناک کی وہ گنگنی آواز ہے جو نون اور میم کے ادا ہوتے وقت ان میں ظاہر ہوتی ہے پھر غنہ دو طرح کا ہوتا ہے (۱) غنہ آنی (۲) غنہ زمانی، غنہ آنی تو وہ غنہ ہے جو نون اور میم میں ہر وقت پایا جاتا ہے خواہ یہ ساکن ہوں یا متحرک مشدد ہوں یا مخفف مظہرہ ہوں یا مخفاۃ کسی حالت میں بھی ان سے جدا نہیں ہوتا، اور اگر ناک کے سوراخ کے بند ہو جانے کی وجہ سے یہ صفت ادا نہ ہو تو یہ دونوں حرف بہت ہی ناقص ادا ہوتے ہیں اور یہ ان دونوں حرفوں کی حرکت اور سکون کے ساتھ ہی ادا ہو جاتا ہے، جو نہایت ہی تھوڑا اور لطیف ہوتا ہے اور یہاں اسی کا بیان کرنا مقصود ہے اور غنہ زمانی وہ غنہ ہے جو نون اور میم کی صرف بعض حالتوں میں پایا جاتا ہے اور اس کی مقدار ایک الف کے برابر ہوتی ہے اور اس کا بیان انشاء اللہ العزیز صفات عارضہ کے ضمن میں آئے گا۔

۱۸ (استطالت) لغت میں استطالت کے معنی درازی چاہنے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ اس کے حرف یعنی ضاد معجمہ کے ادا ہوتے وقت شروع مخرج سے آخر مخرج تک آواز بتدریج نکلنی چاہیے یعنی ناجذ مع کنارہ زبان سے آواز شروع ہو کر تدریجاً

ضواحکاً تک اس طرح پہنچے کہ آواز میں درازی سی ہو اور (ظا) کی آواز کی طرح دفعۃً نہ نکلے اس لیے کہ استطالت ہی ایک ایسی صفت ہے جو (ضاد و ظا) میں ممیز ہے اور باقی تمام صفات میں یہ دونوں شریک ہیں۔ چنانچہ دونوں مجہورہ ہیں دونوں رخوہ ہیں، البتہ (ض) میں استطالت ہے جو (ظاء) میں نہیں ہے لیس مخرج و نیز صفت استطالت کی وجہ سے (ض) کو (ظ) سے ممتاز کرکے پڑھنا چاہیئے مگر چونکہ صفات لازمہ متضادہ میں یہ دونوں کلیتۃً شریک ہیں اس لیے ان دونوں کی آواز میں مشابہت بہت زیادہ ہے اور اسی لیے ان دونوں میں فرق کرنا نہایت مشکل اور ماہر مشاق ہی کا کام ہے یوں تو سب حرفوں کی ادائیگی سیکھنے سے ہی آتی ہے مگر حرف (ض) کی صحیح ادا سیکھنے کے لیے اور حرفوں کی بہ نسبت زیادہ مشق اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ (ض) کو (د، ز) اور (ذ) کے ساتھ کوئی علاقہ ہی نہیں اس لیے کہ (د۔ ض) کے ساتھ بجز صفت جہر کے اور کسی صفت میں شریک نہیں، کیونکہ (د) شدیدہ مستفلہ منفتحہ ہے اور (ض) رخوہ مستعلیہ مطبقہ اور (د) میں صفت قلقلہ بھی ہے، اور (ض) میں یہ صفت نہیں اور پھر یہ کہ (ض) میں صفت استطالت ہے، جو (د) میں نہیں اور گو دونوں اصمات میں بھی شریک ہیں مگر اصمات و اذلاق کا تعلق ادا کے ساتھ کوئی ایسا زیادہ نہیں، جیسا کہ شرح جزریہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسی طرح (ز) بھی (ض) کے ساتھ صرف جہر اور (رخاوت) ہی میں شریک ہے اور (ذ) کا بھی یہی حال ہے۔ نیز (ز) میں صفیر بھی ہے جو (ض) میں نہیں نتیجہ یہ کہ (ض) کو مشابہت صرف اور صرف (ظ) ہی کے ساتھ ہے اور کسی حرف کے ساتھ نہیں رہا مخرج سو وہ گو (ض و ظ) کا الگ الگ ہے تو (ض) و (د) کا اور ایسے ہی ضاد و (ز) اور (ض و ذ) کا بھی الگ الگ ہی ہے ہاں یہ بات بھی

ملحوظ رہے کہ (ض) و (ظ) میں اگرچہ مشابہت بہت زیادہ ہے مگر پھر بھی یہ دونوں
ایک حرف نہیں بلکہ دو حرف ہیں اس لیے کہ مشابہت کو مغائرت[1] لازم ہے خلاصہ
یہ کہ (ض) کو (ظ) کی طرح ادا تو پڑا اور نرم ادا کرنا چاہیئے۔ مگر اس کے اپنے ہی مخرج
یعنی حافہ لسان اور اضراس علیا کی جڑوں سے مع رعایت صفت استطالت کے

تنبیہ:۔ استطالت کا یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے کہ اس کی وجہ سے حرف (ض) کی ادائیگی
میں آواز کو گھمانا اور اس کو دیر تک مخرج میں چکر دینا چاہیئے جیسا کہ بعض ناواقفوں
نے اس کا یہی مطلب سمجھ لیا ہے، استطالت کا مطلب صرف یہ ہے کہ
(ض) کا مخرج چونکہ تمام مخرجوں سے زیادہ طویل ہے اور مخرج کے طویل ہونے
کی وجہ سے آواز میں کچھ درازی سی پائی جاتی ہے اور اسی سے (ض) اور (ظ) میں
امتیاز ہوتا ہے، اس لیے کہ (ظ) میں یہ درازی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم ملخصًا
از تحفہ نذریہ۔

فائدہ:۔ (ض) کو (ظ) اور (د) سے الگ رکھنے اور اس کے صحیح ادا کرنے کی ترکیب
یہ ہے کہ نوک زبان کو (ظ) اور (د) کے مخرجوں سے جدا رکھ کر حافہ لسان کو
داڑھوں سے لگاتے ہوئے صفت استطالت ادا کریں اور بوجہ صفت اطباق
بیچ زبان کو تالو سے منطبق رکھیں اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ (ض) صحیح ادا ہوجائیگا۔
تنویر المرات الحمد للہ کہ یہاں پہنچ کر صفات لازمہ کی معنوی تشریح ختم ہوئی اور اب
تتمہ کے زیر عنوان ایک خاص مضمون درج کیا جاتا ہے، امید ہے کہ اس سے
طلباء کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

---

[1] غیر غیر ہونا۔

مخارج اور صفاتِ لازمہ پر پھر ایک نظر

سوال:۔ حرفوں کے مخارج ان کی صفاتِ لازمہ اور ان صفات کے معنیٰ یہ تینوں چیزیں تو ہمیں خُدا کے فضل و کرم سے معلوم ہو گئی ہیں اب اس عنوان کے تحت کونسا مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔

جواب:۔ اس عنوان کے ضمن میں مخارج و صفاتِ لازمہ سے متعلق ایک بہت ہی اہم اور انتہائی مفید مضمون بیان کیا گیا ہے کہ پہلے تو تجوید کے ان ہر دو اجزا کی روشنی میں حرف کے باعتبار ذات و صفات کے کامل یا ناقص ادا ہونے کو سمجھایا گیا ہے پھر حرفوں میں تمایز کا مطلب اور اس کی وجوہ بیان کی گئی ہیں اور پھر اس کے بعد یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ قرآن مجید کے حروف و کلمات کو خالص اور فصیح عربی یا بالفاظ اصطلاحی تجوید کے موافق ادا کرنے کے لیے مخارج و صفات لازمہ کا اہتمام کرنا کیوں ضروری ہے اور حرفوں کا صحیح ادا ہونا ان پر کیوں موقوف ہے اگر تم نے اس مضمون کو پورے غور سے پڑھا اور سمجھ بھی لیا تو امید ہے کہ اس سے انشاءاللہ العزیز تمہیں علم تجوید میں بصیرت اور اس کی پوری معرفت حاصل ہو جائے گی۔

سوال:۔ حرف کے باعتبار ذات و صفات کے کامل یا ناقص ادا ہونے کا کیا مطلب ہے۔

جواب:۔ جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو کہ تجوید نام ہے حروف کو ان کے مخارج اصلیہ سے مع رعایت جملہ صفات ادا کرنے کا جس کا مطلب یہ ہے کہ حرفوں کو صحیح اور تجوید کے موافق ادا کرنے کے لیے دو باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے ایک یہ کہ قرآن مجید کا ہر

حرف اپنی جگہ سے ادا ہو جو جگہ اس کے ادا ہونے کے لیے مقرر ہے اور آئمہ فن نے بیان فرمائی ہے اور دوسری یہ کہ اسی انداز اور اسی کیفیت کے ساتھ ادا ہو جس طرح کہ اہل ادا کے نزدیک اس کا ادا ہونا معتبر اور صحیح ہے۔ پس ہر حرف کی صحیح ادائیگی کے لیے دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اس کی ذات میں کوئی کمی بیشی نہ ہونے پائے اور دوسری یہ کہ اس کی صفات میں کوئی تغیر نہ ہو۔ اس لیے علماء فن نے مخارج کو حروف کے لیے بمنزلہ میزان (ترازو) کے اور صفات کو بمنزلہ محک (کسوٹی) کے قرار دیا ہے، کہ مخارج سے تو حرفوں کی کمیت معلوم ہوتی ہے اور صفات کے ذریعہ حرفوں کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے یعنی مخرج سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں حرف کتنا ہے اور صفت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ حرف کس طرح کا ہے آیا کھرا ہے یا کھوٹا یا یوں سمجھو کہ مخرج سے تو حرف کی ذات کی تعیین ہوتی ہے کہ اگر اس میں کچھ کمی ہو جائے تو حرف باعتبار ذات کے ناقص سمجھا جاتا ہے اور صفات کے ذریعہ حرف کی کیفیت متعین ہو جاتی ہے کہ ان کے ادا نہ ہونے سے حرف باعتبار کیفیت کے ناقص ادا ہوتا ہے یعنی وہ عمدگی اور صحت جو اس کے لیے ضروری ہے باقی نہیں رہتی اور کمالِ حرف یہی ہے کہ وہ اپنی ذات و صفات دونوں ہی کے اعتبار سے کامل ادا ہو اور اب ہم ایک مثال سے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں اس کو اچھی طرح سے سمجھنے کی کوشش کرو۔

مثلاً ضاد ہی کو لے لو اس کا مخرج تم پڑھ چکے ہو کہ ناجذ سے ضاحک تک ہے اور اس کی صفات لازمہ جہر۔ رخاوت استعلاء اور اطباق وغیرہ ہیں، تو اب اگر ضاد کو صفتِ استعلاء اور اطباق کی وجہ سے خوب پُر اور رخاوت کی وجہ سے نرم تو ادا کیا گیا، اور جہر کی وجہ سے اس کی آواز بلند بھی ہوئی لیکن اس کی ادائیگی میں حافۂ لسان کو ناجذ سے ضاحک تک لگانے کے بجائے صرف ناجذ اور طواحن کے ساتھ

یا صرف طواحن اور ضاحک کے ساتھ یا ضاحک اور ناب کے ساتھ لگایا جائیگا تو ایسی صورت میں کہا جائے گا، کہ ضاد اپنی صفات کے اعتبار سے تو صحیح ادا ہوا ہے لیکن ذات کے اعتبار سے غلط اور ناقص ہے، یہ تو ہوا حرف کا باعتبار ذات کے ناقص ادا ہونا اور صفات کے اعتبار سے حرف کے ناقص ادا ہونے کو یوں سمجھو کہ ضاد کو مخرج کے اعتبار سے تو کامل ادا کیا گیا، یعنی اس کی ادائیگی میں حافۂ لسان کو ناجذ سے ضاحک تک لگایا گیا لیکن اس کو خوب پُر یا نرم ادا نہ کیا گیا یا اس کی آواز میں بلندی نہ پائی گئی۔ بلکہ کچھ باریک یا سخت ادا ہوا یا اس کی آواز میں پستی ہوئی تو کہا جائے گا کہ (ض) اپنی ذات کے اعتبار سے تو کامل اور صحیح ادا ہوا ہے لیکن صفات کے اعتبار سے یہ ناقص ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس میں صفت اطباق یا رخاوت یا جہر ادا ہونے سے رہ جائے گی۔ پھر جس حرف میں جتنی صفات ادا ہونے سے رہ جائیں گی، اتنا ہی وہ حرف زیادہ ناقص ہوگا یہ تو مثال ہوئی حرف کے باعتبار ذات اور صفات کے کامل یا ناقص ادا ہونے کی اور اب حرفوں میں تمایز کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے، اس کو بھی خوب غور سے پڑھو۔

سوال :۔ حروف میں تمایز کا کیا مطلب ہے اور اس کی کتنی وجوہ ہیں۔

جواب :۔ یہ جو تم دیکھتے ہو کہ الف سے یا تک کے تمام حرفوں میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ کہ ہر حرف کی آواز دوسرے حرف کی آواز سے جُدا اور مختلف ہے اور کوئی بھی دو حرف ایسے نہیں کہ جن کی آواز بالکل ایک ہو۔ بس اسی کو یعنی حرفوں کی آوازوں کے جُدا ہونے اور ایک حرف کی آواز کے دوسرے حرف کی آواز سے مختلف ہونے کو ہی تمایز بین الحروف کہتے ہیں اور اس کی تین وجوہ ہیں۔ کیونکہ ایک حرف دوسرے حرف سے یا تو مخرج سے ممتاز ہوتا ہے یا صفات سے یا مخرج اور صفات دونوں ہی کی وجہ سے اور ایسے کوئی بھی دو حرف نہیں ہیں کہ جو مخرج اور تمام

صفاتِ لازمہ میں متحد ہوں، کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو وہ دو حرف نہ ہوں گے، بلکہ حرف مکرر ہوگا۔ یعنی ایک ہی حرف دو بار ادا ہوگا جیسے دو باء، دو تاء اور دو ثاء وغیرہ اور اب ہم دو حرفوں میں تمایز یعنی ان تین وجوہ میں سے کسی ایک کی بنا پر ایک حرف کے دوسرے حرف سے جدا ہونے کو تین مثالوں سے سمجھاتے ہیں مثلاً جیم و دال یہ دونوں تمام صفات لازمہ کے اعتبار سے تو بالکل ایک ہی ہیں۔ لیکن مخرج کے اعتبار سے ایک نہیں ہیں پس ان میں تمایز بالمخرج (مخرج کے سبب سے) جدائی ہے ۲ (ظا ذال) اور (ثا) یہ تینوں مخرج کے اعتبار سے تو ایک ہی ہیں لیکن تمام صفات لازمہ میں کلیتہً شریک نہیں ہیں چنانچہ ظا تو مستعلیہ مطبقہ ہے اور ذال و (ثا) مستفلہ منفتحہ پھر ذال اور ظا تو مجہورہ ہیں اور ثا مہموسہ ہے البتہ یہ تینوں صفتِ رخاوت میں شریک ہیں پس ان میں تمایز بالصفت یعنی بعض صفات لازمہ کی وجہ سے جدائی ہے ۳ قاف و کاف ان دونوں کا مخرج بھی الگ الگ ہے اور بعض صفات میں بھی یہ دونوں شریک نہیں ہیں چنانچہ قاف تو مجہورہ مستعلیہ ہے اور کاف مہموسہ مستفلہ پھر قاف میں صفت قلقلہ بھی ہے اور کاف میں یہ صفت نہیں ہے پس جیم و دال یہ دونوں کیفیت کے اعتبار سے تو بالکل ایک ہی طرح ادا ہوں گے۔ کیونکہ دونوں تمام صفاتِ لازمہ میں کلیتہً شریک ہیں، چنانچہ یہ دونوں استفال کی وجہ سے بالکل باریک اور شدّت کی وجہ سے قوی اور سخت ادا ہوں گے اور جہر کی وجہ سے ان دونوں کی آواز میں کچھ بلندی ہوگی اور قلقلہ کی وجہ سے مخرج میں کچھ جنبش سی ہوگی جس کا احساس سکون کی حالت میں زیادہ اور واضح ہوگا، اور ان دونوں کی آواز میں باوجود تمام صفات میں شریک ہونے کے جو فرق ہے وہ مخرج ہی کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے ہے اور ظا ذال اور ثا کا چونکہ مخرج تو ایک ہی ہے اس لیے ان کی

آواز میں مخرج کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہ ہوگا۔ مگر چونکہ بعض صفات کے اعتبار سے یہ تینوں ایک نہیں ہیں اس لیے کیفیت کے اعتبار سے یہ تینوں ایک نہ ہونگے پس ظاء میں چونکہ استعلاء اور اطباق ہے اس لیے یہ خوب پُر ادا ہوگا، اور ذال و ثا چونکہ مستفلہ منفتحہ ہیں، اس لیے یہ دونوں خوب باریک ادا ہوں گے پھر ظا و ذال میں چونکہ صفت جہر ہے اس لیے ان کی آواز بہ نسبت ثا کے بلند ہوگی اور ثا کے مہموسہ ہونے کی وجہ سے اس کی آواز میں پستی ہوگی، نیز ثا میں ہمس کی وجہ سے سانس کے جاری رہنے کے باعث ایک خاص قسم کی لطافت اور نرمی ہوگی جو ظا و ذال میں نہ ہوگی، اور چونکہ یہ تینوں صفت رخاوت میں شریک ہیں اس لیے نرمی اور آواز کے جاری رہنے میں یہ تینوں یکساں ہونگے اور قاف و کاف میں چونکہ مخرج اور صفات دونوں ہی کی رُو سے تمایز ہے اس لیے قاف تو بوجہ استعلاء کے پُر ادا ہوگا اور کاف بوجہ استفال کے باریک پھر قاف کی آواز میں بوجہ جہر کے کچھ بلندی ہوگی اور کاف کی آواز میں ہمس کی وجہ سے پستی اور پھر قاف میں صفت قلقلہ کے ہونے اور کاف میں نہ ہونے کی وجہ سے بھی فرق ہوگا اور چونکہ دونوں شدّت میں شریک ہیں اس لیے دونوں قوی ادا ہوں گے، گو قاف میں جہر اور کاف میں ہمس کی وجہ سے ان کی قوّت میں فرق ہوگا، اور ان دونوں میں مخرج کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے بھی فرق ہوگا کہ قاف کی آواز تو زبان کی جڑ کے اس حصّہ سے نکلے گی جو حلق سے متصل ہے اور کاف کی آواز اس سے کچھ نیچے کے حصّہ سے نکلے گی جو منہ کی طرف ہے اسی طرح تمام حرفوں میں غور کر کے ان کے ایک دوسرے سے مخرج یا صفت یا مخرج اور صفت دونوں ہی کی رو سے ممتاز اور جُدا ہونے کے فرق کو سمجھنے کی خوب مشق کر لو۔

سوال: حرف کے باعتبار ذات، صفات کے کامل یا ناقص ادا ہونے اور حرفوں کی آوازوں کے باہم مختلف ہونے کی وجوہ تو ہم سمجھ گئے ہیں اب یہ بھی سمجھا دیجیے کہ قرآن مجید کے حروف و کلمات کو خالص اور فصیح عربی کے موافق ادا کرنے کے لیے مخارج، صفات کا اہتمام کرنا کیوں ضروری ہے اور حرفوں کا صحیح ادا ہونا ان پر کیوں موقوف ہے۔

جواب: جب یہ دونوں باتیں تم سمجھ گئے ہو تو اب تیسری بات کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں اس لیے کہ ان دونوں باتوں کے ملانے سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہر حرف ذات و صفات کے لحاظ سے کامل اور خالص فصیح عربی زبان کے موافق اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھا جائے ورنہ اگر ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جانے سے رہ گئی تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی یا تو ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے گا یا انتہائی ناقص ادا ہوگا مثلاً اگر ایک شخص جیم کی صفات تو تمام ادا کرتا ہے لیکن وسط زبان کو تالو سے لگانے کی بجائے اس کی نوک کو ثنایا علیا کی جڑوں سے لگا دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں جیم ادا نہیں ہوگی بلکہ دال ادا ہوگی اور مثلاً اگر ایک شخص طاء میں استعلاء داطباق ادا نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ یہ تا سے بدل جائے گا ایسے ہی ظاء و صاد میں بھی اگر یہ دونوں صفتیں ادا نہیں کی جائیں گی تو یہ ذال و سین سے بدل جائیں گی یہ تو مثالیں ہوئیں ایک حرف کے دوسرے حرف سے بدل جانے کی رہا حرف کا ناقص ادا ہونا تو بلحاظ ذات، ناقص ادا ہونے کی بہت ہی واضح مثال تو وہی ضاد ہی کی ہے جو اوپر درج ہو چکی ہے کیونکہ اس کا مخرج طویل ہے اور زبان کے بغلی کنارے کا پانچوں ڈاڑھوں سے لگانا خاصا مشکل ہے اس لیے اکثر لوگوں سے یہ بلحاظ

ذات ناقص ادا ہوتا ہے اور علماء فن کی تصریح کے موافق بہت کم لوگ اس کو اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں رہے باقی حروف سو ان کے مخارج چونکہ قصیر ہیں کہ صرف دو دو دانت ہی ہیں اس لیے وہ عام طور پر مخرج اور ذات کے لحاظ سے کامل ہی ادا ہوتے ہیں رہا بلحاظ صفات ناقص ادا ہونا سو اس کی مثالیں بہت ہیں چنانچہ اگر طاء ظا صاد میں اطباق غین، قاف خاء میں استعلاء اور سین، صاد، زا میں صفیر ادا نہ کی گئیں تو یہ حروف دوسرے حرفوں سے بدلیں گے تو نہیں لیکن ناقص ضرور ادا ہوں گے اس لیے کہ یہ صفات ان کے لیے لازم ہیں نتیجہ یہ کہ مخارج، صفات کا اہتمام کرنے سے ایک تو حرف ذات، صفات کے لحاظ سے کامل ادا ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ اہل عجم کا تلفظ ان خالص عربوں کے تلفظ کے موافق ہو جاتا ہے جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا اور یہی مقصود ہے تجوید سے۔ پس حق تعالیٰ شانہٗ فن کے آئمہ کرام کو ہماری طرف سے بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کی ان تھک کوششوں اور محنتوں کی بدولت ہم عجمی بھی قرآن مجید کے حروف کو صحیح ادا کرنے پر قادر ہو سکتے ہیں، ورنہ ہم جیسوں کے بھلا یہ نصیب کہاں کہ قرآن مجید کو اس کے اس تلفظ اور اس ادا کے موافق پڑھ سکیں جس طرح اس کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کے ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیوں کے ملنے کا صحیح حدیث میں وعدہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی قسم کی تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین الحمد للہ کہ یہاں پہنچکر مخارج اور صفات لازمہ سے متعلق بحث ختم ہوئی اور اب اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے دوسرے باب سے صفات عارضہ کا بیان شروع ہو رہا ہے چونکہ مخارج اور صفات لازمہ کی وجہ سے جو غلطی ہوتی ہے وہ لحن جلی میں داخل ہے اور صفاتِ عارضہ کی غلطی لحن خفی میں۔ اس لیے فن کی کتابوں میں صفاتِ عارضہ کے بیان کو مخارج اور صفاتِ لازمہ

کے بعد رکھا جاتا ہے اور مناسب بھی یہی ہے کہ پہلے مخارج اور صفاتِ لازمہ کی خوب مشق کرلی جائے اور پھر صفاتِ عارضہ کی مشق کی جائے ، اکثر لوگ مخارج اور صفاتِ لازمہ کا اہتمام تو کرتے نہیں اور صفات محسنہ عارضہ کے التزام کو ضروری سمجھتے ہیں ، جس کی وجہ یہ ہے کہ صفات عارضہ کی رعایت سے لہجہ اچھا بن جاتا ہے کیونکہ ان میں بعض صفات ایسی ہیں ، جن کی وجہ سے آواز میں ترنم پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ غنہ اور مد وغیرہ بخلاف صفاتِ لازمہ کے کہ وہ چونکہ حروف کی ذات کے ساتھ ہی ادا ہو جاتی ہیں اس لیے ان کو ترنم میں دخل نہیں ۔ لیکن تجوید اور ادا میں جو مرتبہ اور حیثیت مخارج اور صفاتِ لازمہ کی ہے ۔ وہ صفات عارضہ کی نہیں اور اصل مقصود تجوید ہی ہے ۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ حرفوں کی صحیح ادائیگی پر قدرت صرف کتابوں کے دیکھ لینے سے ہی حاصل نہیں ہو جاتی ، ہاں کتابوں سے علم ضرور حاصل ہو جاتا ہے اور اصل مدار اس فن کا استاد کامل سے سننے اور اس کے موافق ادا کرنے کی مشق پر ہی ہے پس کتابوں سے تو علم حاصل ہوگا ، اور استاد عمل کرنا بتائے گا ۔

باب دوم

صفات کی دُوسری قسم یا تجوید کا تیسرا جز یعنی صفاتِ عارضہ

اس باب میں ایک تمہید، دس فصلیں اور ایک "تتمہ" ہے۔ تمہید میں صفاتِ عارضہ کی تعریف اور ان کی اقسام، فصلوں میں ان صفات کی وضاحت اور ان سے متعلق احکام و مسائل اور "تتمہ" میں لحن یعنی قرآن مجید کو تجوید کے خلاف اور غلط پڑھنے کی صورتیں بیان کر کے ان کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

تمہید

سوال : صفات عارضہ کن صفات کو کہتے ہیں اور ان کو عارضہ کہنے کی کیا وجہ ہے ؟

جواب :۔ صفات عارضہ حرفوں کی وہ صفات ہیں جو کبھی پائی جائیں اور کبھی نہ پائی جائیں اور ان کو عارضہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے، اس لیے کہ عارض اسی شیٔ کو کہتے ہیں جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو اور ان کی پوری تعریف باب اوّل کی فصل سوئم میں صفاتِ لازمہ کی تعریف کے ساتھ گزر چکی ہے، وہاں پھر دیکھ لو۔

سوال :۔ صفات عارضہ کیا کیا ہیں ؟

جواب :۔ صفات عارضہ یہ ہیں: تفخیم۔ ترقیق۔ حرکت۔ سکون۔ مدّ متصل۔ ادغام۔ سانقلاب۔ اخفا۔ غنّہ۔ تسہیل ابدال، حذف، تحریک مگر ادغام و اخفا کے ساتھ۔ اظہار کا مد کے ساتھ۔ قصر کا اور

عہ یعنی غنہ زمانی اس لیے کہ غنہ آنی صفت لازمہ ہے۔ جیسا کہ گزرا

تسہیل وابدال کے ساتھ تحقیق کا ذکر بھی آئے گا۔ لیکن یہ تینوں یعنی اظہار۔ تحقیق اور قصر صفات عارضہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ حرفوں کی اصلی حالتیں ہیں اور صفت عارضہ حرف کی عارضی حالت کو کہتے ہیں۔

سوال:۔ صفات عارضہ کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب:۔ دو قسمیں ہیں (۱) عارض بالصفت (۲) عارض بالحرف۔

سوال:۔ عارض بالصفت کون کونسی ہیں اور عارض بالحرف کون کونسی؟

جواب:۔ تفخیم وترقیق یہ دو تو عارض بالصفت ہیں اور باقی تمام عارض بالحرف۔

سوال:۔ ان کو عارض بالصفت اور عارض بالحرف کہنے کی کیا وجہ ہے۔

جواب: عارض بالصفت کا مطلب ہے وہ صفت عارضہ جو کسی صفت لازمہ کی وجہ سے پیدا ہو۔ اور عارض بالحرف کا مطلب ہے وہ صفت عارضہ جو کسی حرف کے ملنے سے پیدا ہو۔ تم اوپر صفات لازمہ کی بحث میں پڑھ چکے ہو کہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے سات حرفوں کے علاوہ باقی بائیس حروف باریک پڑھے جاتے ہیں۔ اب یہاں یہ سمجھو کہ ان بائیس میں سے لام را اور الف یہ تین حرف ایسے ہیں جو ہمیشہ باریک نہیں پڑھے جاتے بلکہ بعض حالتوں میں باریک پڑھے جاتے ہیں اور بعض حالتوں میں پُر۔ جن حالتوں میں باریک پڑھے جاتے ہیں ان کے بارے میں تو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ یہ مستفلہ ہیں اور حروف مستفلہ باریک ہی ادا ہوتے ہیں البتہ جن حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حالتوں میں ان میں صفت استعلاء عارض ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ پر ہو جاتے ہیں۔ پس ان تین حرفوں کی تفخیم صفت عارضہ ہے کیونکہ یہ صفت لازمہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ رہی ان کی ترقیق سو وہ اگرچہ مستفلہ ہونے کی وجہ سے تو ان کو لازم ہے لیکن بعض حالتوں میں استعلاء کے

عارض ہو جانے کی وجہ سے یہ بھی ہمیشہ نہیں رہتی اس لیے تفخیم کے ساتھ ان کی ترقیق کو بھی طبعاً صفت عارضہ کہہ دیتے ہیں بلکہ راء میں چونکہ تفخیم زیادہ اور ترقیق کم ہے اس لیے بعض حضرات نے اس میں تفخیم ہی کو اصل قرار دے دیا ہے[1]
یہ وضاحت تو ہوئی عارض بالصفت کی رہی عارض بالحرف سو جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ صفت عارضہ ہے جو کسی حرف کے ملنے سے پیدا ہو جیسے نون ساکن، تنوین کا ادغام یا اقلاب یا اخفاء یا جیسے حروف مدہ میں مد فرعی وغیرہ وغیرہ کیونکہ نون ساکن و تنوین کا ادغام حروف یرملون کے ان کے ساتھ ملنے سے اقلاب باء کے ملنے سے اخفاء بعض دوسرے حرفوں کے ملنے سے اور حروف مدہ میں مد فرعی ہمزہ وغیرہ کی وجہ ہوتا ہے اور اگر ان پر وقف یا سکتہ کیا جائے تو ادغام اقلاب اخفا اور مد کی صفات نہ پائی جائیں گی بلکہ ایسی صورت میں حرف اپنی اصلی حالت پر یعنی مخرج اور صرف صفات لازمہ کے ساتھ ہی ادا ہوگا مثلاً قَالُوْٓا اٰمَنَّا میں قَالُوْا پر اور سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ میں سَمِیْعٌ پر وقف کیا جائے یا مثلاً مَنْ رَاقٍ سورۃ قیامۃ میں من پر اور عِوَجًا قَیِّمًا شروع سورہ کہف میں عوجاً پر وقف یا سکتہ کیا جائے تو پھر نہ مد کی صفت ادا ہوگی اور نہ ادغام اقلاب اور اخفاء کی پس تفخیم و ترقیق یہ تو عارض بالصفت ہوئیں اور مد، ادغام اور اقلاب وغیرہ عارض بالحرف خوب سمجھ لو اور چونکہ عارض بالصفت کم ہیں اس لیے پہلے انہی کو بیان کیا جاتا ہے۔

فصل اوّل عارض بالصفت یعنی تفخیم و ترقیق کے بیان میں

سوال :- تفخیم و ترقیق کے معنی اور ان کی حقیقت کیا ہے ؟

---

[1] دیکھو شاطبیہ باب الرّأت کا آخری شعر۔

جواب : تفخیم کے معنی پُر پڑھنے کے ہیں اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ حرف کو اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کی آواز سے مُنہ بھر جائے اور آواز قوی ہو اور ترقیق کے معنے ہیں باریک۔ پڑھنا یعنی حرف کو اس طرح ادا کرنا کہ اس کی آواز سے منہ نہ بھرے اور وہ پُر حرف کے مقابلہ میں نحیف اور کمزور ہو۔ رہی صحیح ادائیگی سووہ اُستاد مشاق سے سننے اور اُس کے موافق ادا کرنے کی مشق سے ہی آسکتی ہے۔

شبہ مستعلیہ

سوال :۔ لام را اور الف یہ تین حرف باوجود مستفلہ ہونے کے جو بعض حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں تو اس وجہ سے ان کو کیا کہتے ہیں نیز یہ کہ ان کی اور حروف خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کی تفخیم میں کیا فرق ہے۔

جواب :۔ اس بنا پر یہ تینوں شبہ مستعلیہ کہلاتے ہیں اور ان کی اور حروف خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کی تفخیم میں یہ فرق ہے کہ حروف مستعلیہ کی تفخیم دائمی اور مستقل ہوتی ہے۔ یعنی یہ ہمیشہ اور ہر حال میں پُر پڑھے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی حرف بھی ایسا نہیں جو کسی حالت میں بھی مرقق (باریک پڑھا جاتا ہو) عام اس سے کہ یہ مفتوح ہوں یا مضموم مکسور ہوں یا ساکن اس لیے کہ ان کے لیے استعلاء لازم ہے جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی اور شبہ مستعلیہ یعنی لام را اور الف ان تین حرفوں کی تفخیم عارضی اور غیر مستقل ہے یعنی یہ ہر حال میں پُر نہیں پڑھے جاتے بلکہ بعض حالتوں میں پُر اور بعض حالتوں میں باریک پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہو چکا ہے اور اسی لیے ان کو شبہ مستعلیہ کہا جاتا ہے۔ بس اب ہم ان تینوں حرفوں کے متعلق ایک ایک کر کے یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کن حالتوں میں پُر پڑھا جاتا ہے

عہ البتہ تفخیم میں مراتب ہیں جس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

اور کن حالتوں میں باریک تم ان کے قواعد کو خوب ذہن نشین کرلو اور تلاوت کے وقت ان کو عمل میں لاؤ۔

لام کی تفخیم و ترقیق

سوال :۔ لام کس حالت میں پُر پڑھا جاتا ہے اور کس حالت میں باریک ؟

جواب : لفظ اَللّٰهُ اور اَللّٰهُمَّ کا لام جب کہ اس سے پہلے والے حرف پر فتحہ (زبر) یا ضمہ (پیش) ہو تو یہ پُر پڑھا جاتا ہے جیسے هُوَاللّٰهُ ، عَبْدُ اللّٰهِ ، مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ قَالُوا اللّٰهُمَّ وغیرہ اور جب اس سے پہلے والے حرف پر کسرہ (زیر) ہو جیسے لِلّٰهِ بِاللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ اور قُلِ اللّٰهُمَّ وغیرہ تو یہ لام باریک پڑھا جاتا ہے اور لفظ اَللّٰه اور اَللّٰهُمَّ کے لام کے سوا اور کوئی لام روایت حفص ؒ میں کسی حالت میں بھی پُر نہیں پڑھا جاتا خواہ اس سے پہلے زبر یا پیش ہی کیوں نہ ہو جیسے مَا وَلّٰهُمْ اور كُلَّهٗ کا لام۔

سوال :۔ کیا لفظ اللہ اور اللّٰھم کے دونوں ہی لام پُر پڑھے جائیں گے یا پہلا باریک اور دوسرا پُر کیونکہ بعض لوگ پہلے کو باریک اور دوسرے کو پُر ادا کرتے ہیں، اس بارہ میں تحقیق کیا ہے ؟

جواب :۔ دونوں ہی پُر پڑھے جائیں گے پہلے لام کو جو ساکن ہے باریک اور دوسرے کو جو متحرک ہے پُر پڑھنا بالکل غلط اور بے اصل ہے فن کی معتبر کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے اور محقق اساتذہ کا بھی یہی ارشاد ہے اور ان کا عمل بھی اسی پہ ہے اور وجہ اس کی تم انشاء اللہ ادغام کے بیان میں پڑھ لوگے۔

را کی تفخیم و ترقیق

سوال : را کتنی صورتوں میں پُر پڑھی جاتی ہے اور کتنی صورتوں میں باریک۔

جواب :- چھ صورتوں میں تو پُر پڑھی جاتی ہے اور پانچ صورتوں میں باریک اور دو صورتوں میں مختلف یعنی دونوں وجوہ جائز ہیں، اور تفصیل اس کی ابھی آتی ہے۔

تفخیم را کی چھ صورتیں

سوال :- وہ چھ صورتیں جن میں را پُر پڑھی جاتی ہے کون کونسی ہیں؟

جواب :- وہ یہ ہیں (۱) را پر جب زبر یا پیش ہو مشدد ہو، خواہ مخفف جیسے رَعْدٌ رُزِقُوْا ذُوْمِرَّةٍ فَفِرُّوْا (۲) را ساکن ہو اور اس سے پہلے والے حرف پر زبر یا پیش ہو، جیسے تَرْزُقُ بَرْقٌ يُرْزَقُوْنَ اُرْسُلُوْا فَلَا تَقْهَرْ ؀ اور وَالنُّذُرْ، وغیرہ خواہ یہ سکون لازمی ہو۔ جیسا کہ ان مثالوں میں ہے اور خواہ عارضی ہو۔ جیسے لِلْبَشَرْ اور بِالنُّذُرْ وغیرہ بحالت وقف۔ کیونکہ اصل وصل میں ان دونوں کی را متحرک ہے (۳) را ساکن سے پہلے والے حرف پر کسرہ عارضی ہو۔ جیسے اِرْجِعُوْا - اِرْجِعِيْ - اِرْحَمْهُمَا وغیرہ۔ (۴) را ساکن سے پہلے کسرہ منفصل ہو جیسے رَبِّ ارْجِعُوْنِ اور الَّذِى ارْتَضٰى[1] وغیرہ (۵) کسرہ[2] کے بعد والی رائے ساکنہ کے بعد حروف مستعلیہ میں سے کوئی مفتوح حرف اسی کلمہ میں پایا جارہا ہو جیسے مِرْصَادٌ - اِرْصَادٌ - قِرْطَاسٍ فِرْقَةٍ اور لَبِالْمِرْصَادِ اور اس قاعدہ کے تمام قرآن میں صرف یہی پانچ کلمے پائے گئے ہیں (۶) را ساکن ہو اور اس سے

---

[1] اور کبھی ایک ہی کسرہ منفصل بھی ہوتا ہے اور عارضی بھی جیسے اَمِ ارْتَابُوْا میں میم کا اور اِنِ ارْتَبْتُمْ میں نون کا کسرہ۔ کہ یہ عارضی بھی ہے۔ اور منفصل بھی۔ منفصل تو اس لیے ہے کہ اَمْ الگ کلمہ ہے اور اِرْتَابُوْا الگ ایسے ہی اِنْ الگ کلمہ ہے اور ارتبتم الگ۔ اور عارضی اس لیے کہ یہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے آیا ہے ورنہ ان میں میم، نون اصل کے لحاظ سے ساکن ہیں۔ فَافْهَمْ وَتَفَهَّمْ۔

[2] کیونکہ فتحہ اور ضمہ کے بعد والی ساکن تو ویسے بھی پُر ہی پڑھی جاتی ہے جیسا کہ اوپر دوسری صورت کے ضمن میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

پہلا حرف بھی ساکن ہو بشرطیکہ وہ یا نہ ہو اور اس سے پہلے والا حرف مفتوح یا مضموم ہو جیسا کہ اَلْقَدْرِ ؕ اَلْعُسْر ؕ اَلْاَنْھَارُ اور اَلْاُمُوْرُ وغیرہ اور یہ صورت کہ را اور اس سے پہلا حرف دونوں ہی ساکن ہوں وقف کے ساتھ ہی خاص ہے چنانچہ اگر ان کلمات پر وقف نہ کیا جائے تو اس صورت میں ان کی را متحرک پڑھی جائے گی، اور پھر اپنی حرکت کے اعتبار سے پُر یا باریک ادا ہوگی چنانچہ اَلْعُسْر اَلْاَنْھَارُ اور اَلْاُمُوْرُ ؕ کی را تو بوجہ مفتوح اور مضموم ہونے کے پُر پڑھی جائے گی، جیسا کہ را کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے اور اَلْقَدْرِ ؕ کی بوجہ مکسور ہونے کے باریک جیسا کہ آگے ترقیق راء کی پہلی صورت کے ضمن میں آئے گا، بس ان چھ صورتوں میں تو را مفخّم یعنی پُر پڑھی جائے گی اور باقی صورتوں میں باریک ہوگی، یا اس میں دونوں وجوہ ہوں گی۔

ترقیق را کی پانچ صورتیں

سوال:۔ ترقیق را کی پانچ صورتیں کون کونسی ہیں؟

جواب:۔ یہ ہیں (۱) را پر جب زیر ہو، عام اس سے کہ مشدّد ہو یا مخفف جیسے رِزْقٍ اَنْذِرِ النَّاسَ ذُرِّیَّتِیْ فِی الْبِرِّ کی را (۲) را ساکن ہو اور اس سے پہلے والے حرف پر کسرہ اصلی اور متصل ہو یعنی اسی کلمہ میں ہو کہ جس میں را ہے اور را کے بعد حروف مستعلیہ میں سے کوئی مفتوح حرف اسی کلمہ میں نہ پایا جا رہا ہو جیسا کہ فِرْعَوْنَ شِرْعَةً مِرْيَةٍ اور اس را کی ترقیق کے لیے کسرہ کے اصلی اور متصل ہونے اور اس کے بعد حرف مستعلیہ کے نہ ہونے کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر کسرہ عارضی ہو یا منفصل ہو یا را کے بعد اسی کلمہ میں حرف مستعلیہ ہو تو ان تینوں صورتوں میں را باریک نہ ہوگی بلکہ پُر پڑھی جائے گی،

جیساکہ اوپر تفخیم را کی تیسری چوتھی اور پانچویں صورت کے ذیل میں معلوم ہوچکا ہے (۳) را اور اس سے پہلے والا حرف دونوں ساکن ہوں اور اس سے پہلے والے حرف پر زیر ہو جیسے ولاَبِکْرٌ اور ذِی الذِّکْرِ ۰ وغیرہ (۴) را ساکنہ سے پہلے یائے ساکنہ اور اس سے پہلے والے حرف پر زبر ہو خواہ زیر جیسے خَیْرٌ ۰ اور خَبِیْرٌ ۰ وغیرہ اور یائے ساکنہ سے پہلے پیش قرآن میں نہیں آیا اور یہ دونوں صورتیں یعنی ۳ اور ۴ بھی وقف کے ساتھ ہی خاص ہیں اور وصل میں را کا پُر یا باریک ہونا اس کی اپنی حرکت کے لحاظ سے ہوگا (۵) رائے ممالہ یعنی وہ را جو امالہ سے پڑھی گئی ہو جیسے مَجْرِےٰهَا کی را اور روایت حفص ؒ میں امالہ تمام قرآن میں صرف اسی ایک لفظ میں ہے۔ پس یہ پانچ صورتیں را کی ترقیق کی ہیں اور امالہ کے معنے اسی باب کی ساتویں فصل میں بیان کیے جائیں گے، انشاء اللہ

سوال:۔ اُوپر بتایا گیا ہے کہ را ساکنہ سے پہلے اگر کسرہ متصل اور اصلی ہو تب تو را باریک پڑھی جائے گی اور اگر منفصل یا عارضی ہو تو را پُر ہوگی۔ تو اب مہربانی کر کے کسرہ متصل اور منفصل میں و نیز اصلی اور عارضی میں امتیاز کرنے کا کوئی آسان سا طریقہ بھی بتا دیجئے تاکہ ہم قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ کر اس کے موافق عمل کر سکیں ؟

جواب:۔ کسرہ عارضی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو ہمزہ وصلی پر آتا ہے اور دوسرا وہ جو اجتماع ساکنین کی وجہ سے پہلے ساکن پر آتا ہے۔ بس ان دو کے ماسوا باقی ہر کسرہ اصلی ہے اور کسرہ منفصلہ وہ کسرہ ہے جو را سے پہلے والے کلمہ کے آخری حرف پر ہو جیسے رَبِّ ارْجِعُوْنِ میں با کا اور اَلَّذِی ارْتَضٰی میں ذال کا کسرہ مگر چونکہ عربی پڑھے بغیر نہ تو ہمزہ وصلی کی شناخت ہو سکتی ہے نہ اجتماع ساکنین کا پتہ چلتا

ہے اور نہ کلمہ کا ایک یا دو ہونا ہی معلوم ہو سکتا ہے اس لیے ہم نے عام طلباء کی سہولت کی خاطر ایک جدول میں ایسے اُن تمام کلمات کو دکھا دیا ہے جن میں رائے ساکنہ سے پہلے کسرہ عارضی یا منفصل ہے پس ان میں تو را کو پُر پڑھو علاوہ ان کے ماسوا ان تمام موقعوں میں جن میں را ساکنہ سے پہلے کسرہ ہو اُس کو باریک پڑھو اور وہ کلمات یہ ہیں

ان الفاظ کا نقشہ جن میں رائے ساکنہ سے پہلے کسرہ منفصلہ یا کسرہ عارضیہ ہے

نمبر شمار	الفاظ	پارہ	رکوع پارہ	سورۃ	رکوع سورۃ
۱	اِنِ ارْتَبْتُمْ	۷	۴	مائدہ	۱۴
۲	〃	۲۸	۱۷	طلاق	۱
۳	اِرْجِعُوْا	۱۳	۴	یوسف	۱۰
۴	اِرْجِعْ	۱۹	۱۸	نمل	۳
۵	اِرْجِعِیْ	۳۰	۱۴	فجر	۰
۶	رَبِّ ارْحَمْهُمَا	۱۵	۳	بنی اسرائیل	۳
۷	رَبِّ ارْجِعُوْنِ	۱۸	۶	مومنون	۶
۸	اَمِ ارْتَابُوْا	۱۸	۱۲	نور	۶
۹	اَلَّذِی ارْتَضٰی	۱۸	۱۳	نور	۷
۱۰	لِمَنِ ارْتَضٰی	۱۷	۲	انبیاء علیہ السلام	۲
۱۱	مَنِ ارْتَضٰی	۲۹	۱۲	جن	۲
۱۲	اِرْكَبْ مَّعَنَا	۱۲	۴	ہود	۴

حاشیہ اگلے صفحہ پہ

سوال :- اوپر تفخیم را کی پانچویں صورت کے ذیل میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کسرہ کے بعد والی رائے ساکنہ کے بعد حروف مستعلیہ میں سے کوئی مفتوح حرف اسی کلمہ میں ہو تو یہ را بھی پُر پڑھی جائے گی تو کیا اگر حرف مستعلیہ اسی کلمہ میں نہ ہو یا مفتوح نہ ہو یا را کے بعد نہ ہو تو ایسی را کا حکم اس سے کچھ مختلف ہے۔

جواب :- ہاں مختلف ہے چنانچہ اگر را کے بعد حرف مستعلیہ اسی کلمہ میں نہ ہو بلکہ دوسرے کلمہ کے شروع میں ہو جیسا کہ اَنْذِرْ قَوْمَكَ میں قاف اور فَاصْبِرْ صَبْرًا میں صاد اسی کلمہ میں نہیں بلکہ دوسرے کلمہ کے شروع میں ہے تو ایسی صورت میں وہ را حرف مستعلیہ کی وجہ سے پُر نہ ہوگی بلکہ ترقیق را کی دوسری صورت کے تحت باریک ہی پڑھی جائے گی اور اگر حرف مستعلیہ ہو تو اسی کلمہ میں مگر را کے بعد نہ ہو بلکہ اس سے پہلے ہو جیسا کہ مِصْرُ اور عَيْنَ الْقِطْرِ میں بحالت وقف یا حرف مستعلیہ مفتوح نہ ہو بلکہ مکسور ہو جیسا کہ فِرْقٍ شعرآء ع میں ہے، تو ان دونوں صورتوں کا حکم ابھی معلوم ہوگا۔

وہ دو صورتیں جن میں خلف ہے

سوال - وہ دو صورتیں کون کونسی ہیں جن میں را کو پُر اور باریک دونوں طرح پڑھنا جائز ہے؟

جواب : خلف کی دونوں صورتیں وہی ہیں - جن کا ذکر ابھی اُوپر کیا جا چکا ہے یعنی ایک تو وہ جس میں رائے ساکنہ کے بعد حرف مستعلیہ مکسور ہو اور دوسری وہ جس میں حرف

حاشیہ صفحہ گزشتہ • بشرطیکہ اس سے ابتدا کی جائے اور یٰبُنَیَّ کے ساتھ ملا کر پڑھنے کی صورت میں اس کی را تفخیم کی دوسری صورت کے تحت پُر پڑھی جائے گی اور یہی حکم اِرْكَبُوْا هُوْد ع کا بھی ہے مگر اس سے ابتدا کرنا مناسب نہیں احقر کو کوشش اور تلاش کے باوجود کوئی اور ایسا کلمہ نہیں مل سکا جس میں رائے ساکنہ سے پہلے کسرہ عارضی یا منفصل ہو اور اگر اس قسم کا کلمہ کہیں اور پایا جائے گا، تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا۔

مستعلیہ رائے ساکنہ کے بعد نہ ہو بلکہ اُس سے پہلے ہو اور ان دونوں صورتوں کے کلمے بھی اُوپر لکھے جا چکے ہیں یعنی فِرْقٍ شعرآء ع اور عَیْنَ الْقِطْرِ سبا ع اور لفظ مِصْرَ جہاں بھی آئے اب یہاں اُس خلف کی یعنی اِن کلموں کی را کو پُر اور باریک دونوں طرح پڑھنے کی وضاحت کی جاتی ہے چنانچہ فِرْقٍ میں تفخیم تو اس لیے ہے کہ را ساکنہ کے بعد حروفِ مستعلیہ میں سے قاف اسی کلمہ میں ہے پس جس طرح لفظ فِرْقَةٍ میں را پُر پڑھی جاتی ہے، اسی طرح لفظ فِرْقٍ میں بھی پُر پڑھی جا سکتی ہے ۔ اور ترقیق اس لیے ہے کہ قاف مکسور ہے اور کسرہ کی حالت میں صفت استعلاء اتنی قوی نہیں ہوتی کہ اس کی وجہ سے را پُر پڑھی جائے اور اس میں دونوں وجوہ وقف و وصل کی دونوں حالتوں میں ہیں اور یہ خلف فی الحالین کہلاتا ہے ۔ خُلف کے معنی ہیں دو وجوہ تفخیم و ترقیق اور حالین سے مراد وقف و وصل کی دو حالتیں ہیں یعنی اس کلمہ میں وقف و وصل دونوں حالتوں میں دونوں وجوہ جائز ہیں اور لفظ مِصْرَ اور عَیْنَ الْقِطْرِ میں وقفاً ترقیق تو اس لیے ہے کہ اس حالت میں را بھی ساکن ہو جاتی ہے اور اس سے پہلے صاد اور طا بھی ساکن ہیں اور تیسرے حرف یعنی میم اور قاف پر کسرہ ہے ذی الذِّکْرِ اور وَّلَا بِکْرٌ کی طرح اور تفخیم اس لیے ہے کہ را سے پہلے صاد اور طا حروفِ مستعلیہ میں سے ہیں پس جس طرح مِرْصَادٍ اور قِرْطَاسٍ وغیرہ میں را ساکنہ کے بعد والا مستعلیہ اس کی تفخیم کا سبب بنتا ہے اسی طرح را سے پہلے ہونے کی صورت میں بھی بن سکتا ہے اور گو ان دو کلموں میں وقفاً خلف ہے لیکن اصل و وصل کے اعتبار سے مِصْرَ میں تفخیم اور عَیْنَ الْقِطْرِ میں ترقیق اولیٰ ہے ، اور ان دو کلموں میں خلف چونکہ صرف حالت وقف ہی میں ہے اس لیے وصل کی صورت میں مِصْرَ میں تو بوجہ مفتوح ہونے کے تفخیم اور عَیْنَ الْقِطْرِ میں بوجہ مکسور ہونے کے ترقیق ہے

ضروری ہوگی۔
لیکن وَلَا نَاصِرْ ٥ عَاقِرٌ اور مُنْتَصِرٌ ٥ جیسے الفاظ کو وقفاً مِصْرَ
اور عَيْنَ الْقِطْرِ ٥ پر قیاس کر کے ان کی را کو دونوں طرح پڑھنا جائز نہیں
اس لیے کہ را سے پہلے وہی مستعلیہ تفخیم کا سبب بن سکتا ہے جو ساکن ہو اور ان کلمات
میں حرف استعلاء مکسور ہے۔ خوب سمجھ لو۔
فائدہ تنبیہ :۔ مِصْراً جو سورۂ بقرہ ع میں ہے اس کی را کا یہ حکم نہیں بلکہ وہ حالین میں
پُر ہی پڑھی جائے گی۔ کیونکہ وہ دونوں حالتوں میں مفتوح ہی پڑھی جاتی ہے۔

رائے موقوفہ کا حکم

سوال :۔ جس را پر وقف کیا جائے اس کا کیا حکم ہے ؟
جواب :۔ اگر اسکان یا اشمام کے ساتھ وقف کیا جائے تو چونکہ ان دونوں وقفوں
میں را پوری طرح ساکن پڑھی جاتی ہے اس لیے اس کو پُر یا باریک پڑھنے کے لیے
حرف ماقبل کو۔ اور اگر وہ بھی ساکن ہو۔ تو پھر اس کے ماقبل کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس پر فتحہ
یا ضمہ ہو تو راء کو پُر اور اگر کسرہ ہو تو باریک ادا کرتے ہیں اور اگر روم کے ساتھ وقف کیا
جائے تو چونکہ اس صورت میں را پوری طرح ساکن نہیں پڑھی جاتی بلکہ اس کی حرکت
بھی تھوڑی سی ادا کی جاتی ہے۔ اس لیے اس صورت میں ماقبل کو نہیں بلکہ خود اس کی
خود حرکت کے لحاظ سے پُر یا باریک پڑھتے ہیں پس کسرہ کی صورت میں باریک اور ضمہ
کی صورت میں پُر پڑھتے ہیں۔ مثلاً سورہ قمر ع میں مُسْتَمِرٌّ ٥ اور مُنتَشِر ٥
کی را پر اگر اسکان یا اشمام کے ساتھ وقف کیا جائے تب تو یہ را ماقبل کے کسرہ کی
وجہ سے باریک پڑھی جائے گی اور اگر روم کے ساتھ کیا جائے گا تو اب یہ را باریک
نہ ہوگی، بلکہ مضموم ہونے کی بنا پر پُر پڑھی جائے گی گو روم کی صورت میں اس کا ضمہ

تھوڑا سا ہی ادا ہو گا، اور ایسے ہی وَالْفَجْرِ ۝ کی را پر اگر اسکان کے ساتھ وقف کیا جائے گا تب تو اس کی را فا کے فتحہ کی وجہ سے پُر ادا ہو گی۔ لیکن وقف بالروم کی صورت میں بھی را اپنی حرکت یعنی کسرہ کی وجہ سے باریک پڑھی جائے گی خلاصہ یہ کہ رائے موقوفہ بالاسکان اور بالاشمام تو تفخیم و ترقیق میں حرف ماقبل کی حرکت کے تابع ہو گی اور رائے موقوفہ بالروم تفخیم و ترقیق میں حرف ماقبل کے تابع نہ ہو گی بلکہ رائے موصولہ (وصل سے پڑھی ہوئی) کی طرح اپنی حرکت کے اعتبار سے پُر یا باریک پڑھی جائے گی اور اسکان اشمام اور روم یہ وقف کرنے کے تین طریقے ہیں اور ان تینوں کی تعریفیں انشاء اللہ وقف کی بحث میں آجائیں گی یہاں صرف اتنی بات سمجھ لو، کہ وقف بالاسکان اور وقف بالاشمام میں تو حرف موقوف علیہ (جس حرف پر وقف کیا گیا ہو) بالکل ساکن پڑھا جاتا ہے اور وقف بالروم میں پوری طرح ساکن نہیں پڑھا جاتا بلکہ اس کی تھوڑی سی حرکت بھی ادا ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وقف بالاسکان اور بالاشمام میں تو را حرف ماقبل کی حرکت کے موافق پُر یا باریک پڑھی جاتی ہے اور وقف بالروم میں خود اس کی اپنی حرکت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

الف کی تفخیم و ترقیق

سوال :۔ الف کس حالت میں پُر پڑھا جاتا ہے اور کس حالت میں باریک ؟

جواب :۔ الف سے پہلے اگر کوئی پُر حرف ہو تو پُر پڑھا جاتا ہے، جیسے صَالِحِیْنَ اور خَالِدُوْنَ وغیرہ کا الف اور اگر اس سے پہلے باریک حرف ہو تو وہ بھی باریک پڑھا جاتا ہے جیسے ثَیِّبٰتٍ نَاصِرِیْنَ کا الف۔ پس استعلاء کے ساتوں حرفوں اور اسی طرح را اور لفظ اللہ اور اَللّٰھُمَّ کے اس لام کے بعد والا

الف جس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو پُر ہوگا اور بقیہ انیس حرفوں اور لفظ اللّٰہ اور اَللّٰھُمَّ کے اس لام کے بعد والا الف جس سے پہلے زیر ہو باریک ہوگا خوب سمجھ لو۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ پُر الف کے بعد سبب مد کے پائے جانے کی وجہ سے اس میں جو مد فرعی ہوگا جیسے کہ قاف ۔ صاد اور اَلضَّآلِّیْنَ وغیرہ تو اس صورت میں یہ الف آخر تک پُر ہی ادا ہوگا ۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ ایک الف کی مقدار تو پُر ادا ہو اور مد کا باقی حصہ باریک یہ غلطی عام طور پر پائی جاتی ہے ۔

حروف مفخمہ میں بلحاظ تفخیم مراتب

سوال :۔ کیا تمام حروف مفخمہ یکساں طور پر پُر پڑھے جاتے ہیں یا ان میں مراتب ہیں؟

جواب :۔ مراتب ہیں چنانچہ سب سے زیادہ پُر اسم الجلالہ کا لام ہوتا ہے اس سے کم طا ۔ پھر صاد ، ضاد ۔ پھر ظا ۔ پھر قاف پھر غین و خا اور پھر را ۔ اور جب حروف مفخمہ میں مراتب ہیں تو لازماً ان کے بعد والے الف کی تفخیم میں بھی مراتب ہونگے کیونکہ الف میں تفخیم حرف ماقبل کی وجہ سے ہی آتی ہے (جمال القرآن) اس کے علاوہ خود تفخیم میں بھی مراتب ہیں چنانچہ وہ حرف مفخم جس کے بعد الف ہو سب سے زیادہ پُر پڑھا جاتا ہے جیسے طَآئِ ۔ پھر اس سے کم وہ مفتوح جس کے بعد الف نہ ہو جیسے اِنْ طَلَقُوْٓ ۔ پھر مضموم جیسے مُحِیْطٌ ۔ پھر مکسور جیسے ظِلٍّ ۔ رہا ساکن مفخم سو وہ ماقبل کی حرکت کے تابع ہے جیسے یَقْطَعُوْنَ ۔ یُرْزَقُوْنَ ۔ اور مِرْصَادًا وغیرہ ۔ فوائد مکیہ

پس قاری کو چاہیئے کہ اپنی ادا میں تفخیم کے ان مراتب کو ملحوظ رکھے ۔

تفخیم و ترقیق کے بارہ میں ایک ضروری تنبیہ

حروف مفخمہ کی تفخیم میں اتنا مبالغہ نہیں کرنا چاہیئے کہ اس کی وجہ سے حرف مفخم

میں واؤ کی آمیزش یا واؤ کی صاف زیادتی معلوم ہو یہ اہل فن کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے اور یہ غلطی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ لوگ عام طور پر پُر حرف کو ادا کرتے وقت ہونٹوں کو ذرا گول سا بنا لیتے ہیں جس سے لازماً اس حرف میں واؤ کا کچھ اثر آجاتا ہے، حالانکہ تفخیم میں ہونٹوں کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہے تفخیم تو صرف زبان کی جڑ یا زبان کے بیچ کو اُوپر کے تالو کی طرف بلند کرنے یا اس سے منطبق کرنے سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ استعلاء اور اطباق کی تعریفات کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے اور اسی طرح بعض لوگ حروف مستفلہ کی اور بالخصوص اس الف کی جو حروف مستفلہ کے بعد آرہا ہو، ترقیق میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ اس میں یا کی آمیزش ہو کر امالہ صغریٰ کی سی کیفیت ہو جاتی ہے، یہ بات بھی صحیح ادا کے خلاف ہے، خلاصہ یہ کہ تفخیم و ترقیق میں افراط و تفریط نہیں ہونی چاہیئے اور ان تمام خامیوں کی اصلاح کسی مشفق اور کامل استاد کے میسر آجانے سے ہی ہو سکتی ہے۔

صفاتِ عارضہ کی دُوسری قسم یعنی عارض بالحرف

فصل دوم اظہار ادغام، اقلاب اور اخفا کے بیان میں

سوال:- یہ چار صفتیں کن کن حرفوں میں پائی جاتی ہیں، اور کیا ان کو کچھ اور بھی کہتے ہیں؟

جواب:- ان میں سے اقلاب تو نون ساکن و تنوین کے ساتھ ہی خاص ہے اور اخفا نون ساکن و تنوین میں بھی ہوتا ہے اور میم ساکن میں بھی اور ادغام ان تینوں میں بھی ہوتا ہے اور لام تعریف میں بھی اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حرفوں میں

ہوتا ہے جیسا کہ آگے ایک مستقل فصل میں اس کی تفصیل آرہی ہے رہا اظہار سو جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ یہ صفت عارضہ نہیں بلکہ حرف کی اصلی حالت ہے اس لیے جب ان تینوں صفتوں میں سے کوئی صفت بھی نہ پائی جارہی ہو تو اس وقت اظہار ہوگا یعنی حرف اپنی اصلی حالت پر صرف مخرج اور صفات لازمہ کے ساتھ ہی ادا ہوگا۔ اور ان چاروں کو ان حرفوں کے احکام بھی کہتے ہیں۔ پس نون ساکن و تنوین کے تو چار احکام ہیں یعنی اظہار، ادغام، اقلاب اور اخفاء اور میم ساکن کے تین یعنی اظہار ادغام، اخفاء اور لام تعریف کے صرف دو ہی احکام ہیں یعنی اظہار اور ادغام اور اب ان سب کی تفصیل شروع ہوتی ہے۔

نون ساکن و تنوین کے احکام

سوال:۔ نون ساکن و تنوین کے کتنے احکام ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب:۔ چار ہیں اور وہ یہ ہیں اظہار، ادغام، اقلاب، اخفا۔

سوال:۔ نون ساکن کون سے نون کو کہتے ہیں اور نون تنوین کون سے نون کو اور ان دونوں میں کیا فرق ہے نیز یہ کہ ان دونوں کے احکام ایک ہی طرح کے کیوں ہیں؟

جواب:۔ ہر وہ نون جس پر تم جزم کی علامت (ـْ) بنی ہوئی دیکھتے ہو وہ نون ساکن ہے یا یوں سمجھو کہ نون ساکن تو وہ نون ہے جس پر کوئی حرکت نہ ہو جیسا کہ ——— یَنْهَوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ مِّنْۢ بَعْدِيْ مِنْكُمْ اور وَلَـمْ يَكُنْ وغیرہ کا نون اور جب تم کسی کلمہ کے آخری حرف پر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش ادا کرتے ہو جیسے بَرْقٌ کے قاف پر دو پیش فِيْ زَيْنَبٍ کی با پر دو زیر اور اَبَدًا کی دال پر دو زبر تو اس میں جو نون کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ بس اسی کو تنوین یا نون تنوین کہتے ہیں اور فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ نون ساکن تو لکھنے میں بھی آتا ہے اور پڑھنے میں

بھی لیکن نون تنوین صرف پڑھنے میں آتا ہے لکھنے میں نہیں آتا[عله]۔ نیز یہ کہ نون ساکن کلمہ کے درمیان میں بھی آتا ہے اور آخر میں بھی اور نون تنوین صرف کلمہ کے آخر ہی میں آتا ہے اور ان دونوں میں یہ دونوں فرق اوپر کی مثالوں میں غور کرنے سے بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں اور چونکہ تلفظ میں یہ دونوں یکساں ہوتے ہیں، اس لیے احکام بھی دونوں کے بالکل ایک ہی ہیں۔

سوال :۔ اظہار، ادغام، اقلاب اور اخفا ان چاروں کی لغوی اور اصطلاحی تعریفیں کیا کیا ہیں؟

جواب :۔ (۱) اظہار کے لغوی معنی اَلْبَیَانُ یعنی خوب ظاہر کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اظہار کی تعریف یہ ہے (اِخْرَاجُ کُلِّ حَرْفٍ مِّنْ مَّخْرَجِہٖ مِنْ غَیْرِ غُنَّۃٍ فِی الْمُظْہَرِ) یعنی حرف مظھر کو اس کے اپنے مخرج سے بغیر غنہ زمانی کے ادا کرنا[عله ۲]۔

(۲) ادغام کے لغوی معنی (اِدْخَالُ الشَّیْءِ فِی الشَّیْءِ) یعنی ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں ادغام کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی جاتی ہے (خَلْطُ حَرْفٍ سَاکِنٍ بِمُتَحَرِّکٍ بِحَیْثُ یَصِیْرَانِ حَرْفًا وَّاحِدًا مُّشَدَّدًا وَّیَرْتَفِعُ اللِّسَانُ عِنْدَ اَدَائِھِمَا اِرْتِفَاعَۃً وَّاحِدَۃً) یعنی حرف ساکن کو حرف متحرک میں اس طرح ملا دینا کہ وہ دونوں مل کر ایک مشدد حرف ہو جائیں اور دونوں کی ادائیگی کے وقت عضو ایک ہی بار کام کرے۔ یعنی دونوں ایک ہی

عله البتہ دو زبر کا تنوین الف کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔

عله ۲ یہ تعریف صرف نون اور میم کے اظہار کی ہے نہ اصل تعریف اظہار کی جو ہر جگہ اس پر صادق آتی ہے یہ ہے۔ اِخْرَاجُ کُلِّ حَرْفٍ مِّنْ مَّخْرَجِہٖ مِنْ غَیْرِ تَغَیُّرٍ کَمَا اقْتَضَا ذَاتُہٗ وَصِفَاتُہٗ۔ یعنی حرف کو اس کے مخرج مقررہ سے بغیر کسی تغیر کے ٹھیک اسی طرح ادا کرنا جس طرح اسکی ذات اور صفات لازمہ کا تقاضہ ہو۔

مخرج سے بلا فصل ادا ہوں۔

(۳) اقلاب کے لغوی معنی (تَحْوِیْلُ الشَّیْئِ عَنْ وَجْھِہٖ) یعنی کسی چیز کو اس کی حقیقت سے پھیر دینے کے ہیں اور اصطلاح میں اقلاب کی تعریف یہ ہے (ھُوَ جَعْلُ حَرْفٍ مَّکَانَ حَرْفٍ اٰخَرَ مَعَ مُرَاعَاۃِ الْغُنَّۃِ) یعنی صفت غنہ کو باقی رکھ کر ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ رکھ دینا یعنی اس سے بدل دینا۔

(۴) اخفا کے لغوی معنی (اَلتَّسَتُّرُ) یعنی چھپانے کے ہیں اور اصطلاح میں اخفاء کی تعریف یہ ہے (ھُوَ عِبَارَۃٌ عَنِ النُّطْقِ بِحَرْفٍ سَاکِنٍ عَارٍ (ای خالٍ) عَنِ التَّشْدِیْدِ عَلٰی صِفَۃٍ بَیْنَ الْاِظْھَارِ وَالْاِدْغَامِ مَعَ بَقَاءِ الْغُنَّۃِ فِی الْحَرْفِ الْاَوَّلِ) یعنی کسی حرف ساکن کو اظہار اور ادغام کی درمیانی کیفیت پر اس میں صفت غنہ کو باقی رکھ کر بغیر تشدید کے ادا کرنا۔

سوال:۔ یہ چار احکام نون ساکن وتنوین میں کن کن حرفوں کے ان کے بعد آنے کی صورت میں پائے جاتے ہیں اور ان حالتوں میں اس نون کو کیا کہتے ہیں؟

جواب:۔ انتیس حرفوں میں سے چھ حرفوں سے پہلے اظہار چھ حرفوں میں ادغام ایک حرف کی وجہ سے اقلاب اور پندرہ حرفوں میں سے کسی ایک حرف کے ان کے بعد آجانے سے اخفا ہوتا ہے یہ کل اٹھائیس حرف ہوئے اور ایک حرف نون ساکن وتنوین کے بعد آ ہی نہیں سکتا اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ چھ حرف حلقی یعنی ہمزہ ھا عین، حا غین، خا میں سے کسی حرف کے نون ساکن وتنوین کے بعد آنے سے اظہار ہوتا ہے جیسے مَنْ اٰمَنَ۔ مِنْھُمْ۔ مِنْ حَکِیْمٍ سَوَاۤءٌ عَلَیْھِمْ مِن غِلٍّ اور مَنْ خَافَ وغیرہ اور اس نون کو نون مظہرہ کہتے ہیں اور نون کے اس اظہار کو اظہار حلقی یا اظہار حقیقی کہتے ہیں (۲) یَوْمَلُوْنَ

کے چھ حرفوں یعنی یاء، را، میم، لام، واؤ، نون میں سے اگر کوئی حرف نون ساکن و تنوین کے بعد آئے تو اس صورت میں ان کا اس حرف میں ادغام ہوگا۔ جیسے مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ مِنْ لَّدُنْهُ ۔ مِنْ مَّالٍ ۔ مِنْ نَّكِيْرٍ ۔ مِنْ وَّلِيٍّ مِنْ يَّوْمِهِمْ وغیرہ اور اس نون کو نون مدغمہ کہتے ہیں، پھر یہ سمجھو کہ ان چھ حرفوں میں دو طرح کا ادغام ہوتا ہے۔ (۱) بلا غنّہ (۲) بالغنّہ چنانچہ (لَرْ) کے دو حرفوں میں تو ادغام بلا غنہ ہوتا ہے اور یَنْمُوْ کے چار حرفوں میں بالغنّہ یعنی جب لام و را میں سے کوئی حرف ہو تو اس نون کو اس سے اس طرح بدل کر ادغام کرتے ہیں کہ اس میں غنہ باقی نہیں رہتا، بلکہ نون خالص لام اور خالص را بن جاتا ہے۔ چنانچہ مِنْ رَّبِّهِمْ اور مِنْ لَّدُنْهُ وغیرہ میں یہی کیفیت ہوتی ہے اور اگر میم نون واؤ یا ان چار حرفوں میں سے کوئی حرف ہو تو اس صورت میں نون دوسرے حرف سے پورے طور پہ نہیں بدلتا بلکہ اس کی صفت غنہ کو باقی رکھ کر بعد والے حرف میں ادغام کرتے ہیں چنانچہ مَنْ يَّقُوْلُ بَرْقٌ يَّجْعَلُوْنَ مِنْ مَّالٍ ۔ مِنْ نَّكِيْرٍ وغیرہ میں یہی صورت ہوتی ہے البتہ نون کا ادغام واؤ اور یا میں ہونے کی صورت میں تو غنّہ نون ہی کا ہوتا ہے اور میم و نون میں ہونے کی صورت میں غنہ کی تحقیق انشاء اللہ ادغام کے بیان میں آئے گی (۳) اقلاب یا قلب اگر نون ساکن و تنوین کے بعد باء موحدہ آئے جیسے اَنْۢبِئْهُمْ مِنْۢ بَعْدِ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ تو اس نون کو میم سے بدل کر اخفا اور غنہ کے ساتھ پڑھتے ہیں پس اس نون کے میم سے بدلنے کو ہی اقلاب یا قلب کہتے ہیں اور اس نون کو نون مقلوبہ یا منقلبہ کہتے ہیں۔ (۴) اخفاء اگر نون ساکن و تنوین کے بعد چھ حروف حلقی چھ حروف یَرْمَلُوْنَ اور ایک باء موحدہ ان تیرہ حرفوں کے علاوہ باقی پندرہ حرفوں میں

سے کوئی حرف آئے جیسے کُنْتُمْ و من تَابَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ اَنْدَادًا مِنْ
دُوْنِهٖ مِنْ ذِكْرٍ، اِنْ كَانَ مِنْ كُلِّ كِتَابٍ كَرِيْمٍ وغیرہ تو اس نون
میں اخفا ہوتا ہے اور اس نون کو نون مخفاۃ یا نون مخفی کہتے ہیںؑ
اور نون کے اس اخفاء کو اخفا حقیقی کہتے ہیں اور اخفاء کے پندرہ حروف اس
شعر میں جمع ہیں ؎

تا وثا وجیم ودال وذال و زا وسین شین
صاد وضاد وطا وظا وفا وقاف وکاف بین

یہ تو ہوئے نون ساکن وتنوین کے ان اٹھائیس حرفوں سے متعلق چار احکام اور
ایک حرف یعنی الف نون ساکن وتنوین کے بعد نہیں آسکتا اس لیے کہ الف کے
ماقبل کو فتحہ لازم ہے اور ساکن کے بعد اس کا تلفظ نہیں ہو سکتا۔

سوال:- ان چاروں نونوں یعنی نون مظہرہ نون مدغمہ نون مقلوبہ اور نون مخفاۃ
کے ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:- ان سب کی تعریفیں اُوپر لکھی جا چکی ہیں ان کو ذہن میں رکھ کر ان حرفوں
کو ادا کرنا چاہیئے، پس نون مظہرہ کو اس کے اصلی مخرج یعنی طرف لسان اور تالو
سے بغیر غنہ کے ادا کرنا چاہیئے، ہاں اس کا خیال رکھو کہ نون مظہرہ پر نہ تو سکتہ سا
ہونے پائے اور نہ اس کا سکون ہلنے ہی پائے کہ قلقلہ سا ہو جائے اور چونکہ نون
حروف متوسطہ میں سے ہے اس لیے اظہار کی صورت میں اس کی آواز مخرج پر
زیادہ قوت کے ساتھ بھی نہیں ٹکنی چاہیئے جیسا کہ بعض لوگوں سے اظہار کے
اہتمام میں ایسا ہو جاتا ہے بلکہ نون کا سکون نہایت لطافت کے ساتھ ادا ہو
اور پھر بلا فصل دوسرے حرف کی آواز شروع ہو جائے، اور نون مدغمہ کو اس

ؑ مخفیٰ اخفاء سے ہے اور مخفی خفاء سے۔ اوّل متعدی ہے اور ثانی لازم۔ ۔۔ فافہم

طرح ادا کرو کہ اس کو بعد والے حرف سے بدل کر دونوں کو ایک مشدّد حرف کی طرح پڑھو، پھر ادغام بلاغنہ میں تو نون کا اثر بھی باقی نہیں رہنا چاہیئے اور ادغام بالغنہ میں اس کا اثر یعنی غنہ باقی رہنا چاہیئے مگر تشدید ادغام بالغنہ کی صورت میں بھی ادا ہوگی اور نون مقلوبہ کو میم کے مخرج یعنی دونوں ہونٹوں کی خشکی سے اس طرح ادا کرنا چاہیئے، کہ پہلے تو دونوں ہونٹوں کی خشکی والے حصّہ کو نہایت نرمی کے ساتھ ملا کر بقدر ایک الف خیشوم میں صفت غنہ کو ادا کیا جائے اور پھر اس کے بعد ہونٹوں کے کھلنے سے پہلے ہی دونوں ہونٹوں کی تری والے حصہ کو سختی کے ساتھ ملا کر بار ادا کی جائے اور نون مخفاۃ کو اس طرح ادا کرو کہ نہ تو نون مظہرہ کی طرح زبان کا سرا تالو سے پوری طرح لگنے پائے اور نہ نون مدغمہ کی طرح اس کی ادائیگی میں حرف اٰتی یعنی بعد والے حرف کے مخرج پر اعتماد ہو۔ بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان اس طرح ادا ہو کہ صفت غنہ تو ظاہر ہو مگر تشدید سے بالکل خالی ہو اور فن کے محقق اساتذہ کے ارشاد کی رو سے اخفاء کے ادا کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سرا زبان کو تالو سے جدا مگر اس سے بالکل قریب رکھ کر اس طرح کہ اس کا تالو سے ہلکا سا لگاؤ ہو بقدر ایک الف صفت غنہ کو خیشوم سے ادا کیا جائے پس سرا زبان کو تالو سے جُدا مگر اس سے بالکل قریب ہی رکھ کر ایک الف کے برابر صفت غنہ کو خیشوم سے ادا کرنا بس یہی حقیقت ہے نون کے اخفا کی اور چونکہ یہ ادا کے لحاظ سے کچھ مشکل ہے اس لیے اس کی صحیح ادائیگی سیکھنے کے لیے زیادہ مشق اور محنت کی ضرورت ہے اور نون مخفاۃ کا اظہار کی طرح سرا زبان کو تالو کے ساتھ پوری طرح لگا کر ادا کرنا یا اس کی ادائیگی میں بعد والے حرف کے مخرج پر اعتماد کرنا یہ دونوں باتیں غلط اور تحقیق سے دور ہیں پہلی صورت تو اظہار مع الغنہ کہلا سکتی ہے حالانکہ وہ کوئی بھی کیفیت ادا

نہیں اور دوسری صورت ادغام مع الغنہ کی ہے اور ظاہر ہے کہ اخفاء اس سے جدا کیفیت ہے اخفاء سے متعلق مزید تحقیق انشاء اللہ البیان میں آئے گی۔

سوال :- یہ احکام نون ساکن، تنوین ہیں وقف وصل دونوں حالتوں میں پائے جاتے ہیں یا کسی ایک حالت کے ساتھ خاص ہیں ؟

جواب :- اس میں کچھ تفصیل ہے - اور وہ یہ ہے کہ اظہار تو چونکہ حرف کی اصلی حالت کا نام ہے - جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور باقی تین صفات عارضہ ہیں اس لیے اظہار تو وقف و وصل دونوں حالتوا، میں ہوتا ہے اور باقی تین احکام چونکہ کسی حرف کے ان کے ساتھ ملنے سے پیدا ہوتے ہیں اس لیے وہ وصل ہی کے ساتھ خاص ہیں پس اگر وقف یا سکتہ کی وجہ سے نون کا بعد والے حرف سے انتصال نہ رہے تو یہ احکام منفرع نہیں ہوتے چنانچہ اگر مَنْ تاب اور مِنْ بَعْدِ وغیرہ میں مَنْ اور مِنْ پر وقف یا مَنْ رَّاقٍ میں مَنْ پر وقف یا سکتہ کیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں چونکہ نون کا بعد والے حرف سے انتصال نہیں رہے گا اس لیے نہ ادغام ہوگا نہ اقلاب اور نہ اخفاء بلکہ اصل کے موافق اظہار ہی ہوگا۔ لیکن مَنْ اٰمَنَ میں من کا مابعد سے خواہ وصل کریں اور خواہ اس پر وقف کریں اظہار بہر صورت ہوگا مگر یہ تفصیل نون ساکن میں ہے رہا تنوین سو وہ چونکہ وصل ہی میں ثابت رہتا ہے اور وقف میں الف سے بدل جاتا ہے یا حذف ہو جاتا ہے اس لیے اس کا اظہار بھی وصل ہی کے ساتھ مختص ہے خلاصہ یہ کہ ادغام، اقلاب اور اخفاء یہ تین تو وصل ہی کے ساتھ مختص ہیں رہا اظہار سو وہ نون ساکن میں تو وصل و وقف دونوں حالتوں میں ہوتا ہے اور تنوین میں وہ بھی وصل ہی کے ساتھ مختص ہے کیونکہ وقف میں اس کا موقع ہی نہیں ہوتا۔

سوال :- نون ساکن وتنوین کے ان چار احکام کے لیے کیا کوئی شرط بھی ہے یا یہ ہر حال میں پائے جاتے ہیں۔

جواب :- اظہار، اقلاب اور اخفا ان تین کے لیے تو کوئی شرط نہیں خواہ نون ساکن اور بعد والے حروف یہ دونوں ایک ہی کلمہ میں ہوں اور خواہ دو کلموں میں یہ احکام ہر حال میں پائے جاتے ہیں، جیساکہ ان کی مندرجہ بالا مثالوں سے ظاہر ہے البتہ ادغام کے لیے یہ شرط ہے کہ نون ساکن اور اس کا مدغم فیہ (جس حرف میں ادغام کیا گیا ہو) دونوں دو کلموں میں ہوں اور اگر یہ دونوں ایک ہی کلمہ میں ہوں گے تو ادغام نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ دُنْیَا قِنْوَانٌ صِنْوَانٌ اور بُنْیَانٌ ان چار کلموں میں ادغام نہیں ہوتا کیونکہ ان میں نون و واؤ اور نون ویا، دونوں ایک ہی کلمہ میں ہیں، اور اس قاعدے کے تمام قرآن میں یہی چار لفظ پائے گئے ہیں اور ان چار لفظوں میں جو اظہار ہوتا ہے اس کو اظہار مطلق کہتے ہیں اور نٓ وَالْقَلَمِ اور یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ میں باوجودیکہ واو نون کے بعد دوسرے کلمہ میں ہے، پھر بھی ادغام نہیں ہوتا ہے، ہاں جزری کے طریق سے ان میں ادغام بھی جائز ہے اور ایک کلمہ میں نہ ہونے کی شرط نون ساکن ہی کے ساتھ اس لیے لگائی گئی ہے کہ نون تنوین ہمیشہ کلمہ کے آخر ہی میں آتا ہے جیساکہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے پس اظہار کی کم سے کم اٹھارہ، ادغام کی تیرہ، اقلاب کی تین اور اخفاء کی پنتالیس مثالیں بنتی ہیں، اس طرح کہ اظہار کے چھ حرف ہیں اور وہ سب کے سب نون ساکن کے بعد بھی آتے ہیں اور تنوین کے بعد بھی اور نون ساکن کلمہ کے درمیان بھی آتا ہے اور آخر میں بھی پس چھ تو تنوین کے اظہار کی ہوئیں اور چھ اس نون ساکن کے اظہار کی جو کلمہ کے آخر میں ہو اور چھ اس کی جو کلمہ کے

درمیان ہو اور چونکہ اقلاب کا حرف ایک ہی ہے اس لیے اس کی اس تفصیل کے موافق کل تین ہی مثالیں بنتی ہیں اور اخفاء کے چونکہ پندرہ حروف ہیں اور تفصیل اس میں بھی یہی ہے، اس لیے اس کی مثالیں کم از کم پنتالیس ہوتی ہیں، اور ہونی تو ادغام کی بھی اٹھارہ ہی چاہیئے تھیں اس لیے کہ اس کے بھی چھ ہی حرف ہیں مگر چونکہ نون ساکن کے بعد (ل) (ر) اور (م) اسی کلمہ میں نہیں آئے اور واو اور یاء گو اسی کلمہ میں آئے تو ہیں لیکن چونکہ اس صورت میں نون کا واؤ اور یاء میں ادغام نہیں ہوتا جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے، اس لیے ادغام کی مثالیں کل تیرہ ہی رہ جاتی ہیں ہم نے ادغام اور اظہار کی چھ چھ اور اخفا کی نو مثالیں درج کی ہیں باقی مثالیں طلباء خود تلاش کر کے نکال لیں، اساتذہ کرام کو چاہیئے کہ طلباء کو ہدایت فرمائیں کہ وہ ان چاروں احکام کی زیادہ سے زیادہ مثالیں تلاش کرنے کی کوشش کریں ورنہ کم از کم مندرجہ بالا تعداد کے موافق تو ضرور ہی لکھ کر لانے کی ہدایت کریں اس سے نون ساکن و تنوین کے یہ قواعد ان کے ذہن نشین بھی خوب ہو جائیں گے اور اجرا بھی خوب ہو جائے گا، اور اسی مقصد کے پیش نظر ہم نے پوری مثالیں درج نہیں کیں۔

سوال:- کیا نون ساکن کے بعد اسی کلمہ میں دوسرا نون آیا ہے۔ اور اگر آیا ہے تو اس کی کوئی مثال بتائیے؟

جواب:- ہاں آیا ہے اور اس کی مثالیں مِنِّىْ۔ عَنِّىْ اور وَلَا تَفْتِنِّىْ وغیرہ ہیں اور گو ان کی اصل دونوں نونوں سے ہے اور یہ اصل میں مِنْ نِىْ۔ عَنْ نِىْ اور وَلَا تَفْتِنْ نِىْ تھے، لیکن چونکہ ان کی رسم ایک ہی نون سے ہے۔ اس لیے یہ ایک ہی کلمہ کے حکم میں ہے۔

میم ساکن کے احکام

سوال :۔ میم ساکن کے کتنے احکام ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب :۔ تین ہیں اور وہ یہ ہیں، ادغام، اخفا، اظہار جیساکہ فصل کے شروع میں بھی معلوم ہو چکا ہے۔

سوال :۔ یہ احکام کن حرفوں کے اس کے بعد آنے کی صورت میں پائے جاتے ہیں؟

جواب :۔ ایک حرف میں ادغام ایک کے پاس آنے سے اخفا اور چھبیس حرفوں سے پہلے اظہار ہوتا ہے اور ایک حرف نون ساکن کی طرح میم ساکن کے بعد بھی نہیں آ سکتا اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر میم ساکن کے بعد دوسرا حرف بھی میم ہی ہو جیسے اَلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ اور وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وغیرہ تو ادغام ہوگا اور اگر بار موحدہ ہو جیسے وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ وغیرہ تو اخفا ہوگا اور اگر میم و بار کے علاوہ باقی چھبیس۲۶ حرفوں میں سے کوئی حرف ہو جیسے فَلَهُمْ اَجْرٌ اور بِهِمْ وَيَمُدُّ هُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ وَيَمُدُّ هُمْ فِيْ تو اظہار ہوگا اور ایک حرف یعنی الف نون ساکن کی طرح میم ساکن کے بعد بھی نہیں آسکتا، اور وجہ اوپر نون ساکن و تنوین کے احکام میں بیان ہو چکی ہے اور میم کے اظہار کو اظہار شفوی اور اس کے اخفاء کو اخفاء شفوی اور اس کے ادغام کو ادغام شفوی کہتے ہیں۔

سوال :۔ کیا ان احکام کے میم ساکن میں پائے جانے کی صورت میں بھی وہی معنے ہوں گے۔ جو نون ساکن پائے جانے کی صورت میں ہوتے ہیں، یا اس سے کچھ مختلف؟

جواب :۔ اظہار اور ادغام کے معنے تو یہاں بھی بالکل وہی ہیں، جو نون ساکن

وتنوین کے بیان میں تم پڑھ ہی چکے ہو، البتہ اخفاء کے معنے یہاں اس سے کچھ مختلف ہیں نون کے اخفا کا مطلب تو تم اُوپر پڑھ ہی چکے ہو کہ وہ نون کو تشدید کے بغیر خیشوم سے اس طرح ادا کرنے کا نام ہے کہ زبان کا سرا تالو کے ساتھ اچھی طرح لگنے نہ پائے بلکہ اس سے کچھ جدا رہے اور میم کے اخفاء کا مطلب یہ ہے، کہ میم ساکن کو ذرا نرم کر کے غنہ کے ساتھ ادا کیا جائے پس میم ساکن کو غنّہ کے ساتھ بہ نسبت اظہار کے قدرے نرم کر کے پڑھنا بس یہی مراد ہے میم کے اخفاء سے اور میم مُخفاۃ کی ادائیگی بالکل نون مقلوبہ کی طرح ہوتی ہے اور ان دونوں کے ادا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور نون کی طرح اظہار والے میم کو میم مظہرہ اور اخفاء والے میم کو میم مُخفاۃ اور ادغام والے میم کو میم مدغمہ کہتے ہیں۔ پس میم مظہرہ کو تو اس کے اصلی مخرج یعنی دونوں ہونٹوں کی خشکی سے بغیر غنہ کے ادا کیا جائے گا۔ اور میم مُخفاۃ کو دونوں ہونٹوں کی خشکی سے قدرے نرم کر کے غنّہ کے ساتھ ادا کیا جائے گا اور میم مدغمہ کو بعد والے متحرک میم میں ملا کر دونوں کو مثل ایک مشدّد میم کے ادا کیا جائے گا۔

سوال:- میم ساکن کے احکام کے ساتھ شفوی کی قید کیوں بڑھائی جاتی ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

جواب:- اس لیے کہ میم ان تینوں حالتوں میں ہونٹوں سے ہی ادا ہوتا ہے بخلاف نون کے کہ وُہ صرف اظہار ہی کی صورت میں اپنے اصلی مخرج سے ادا ہوتا ہے اور باقی تین حالتوں میں اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا، چنانچہ ادغام میں تو بعد والے حرف سے بدل کر اسی کے مخرج سے ادا ہوتا اور اقلاب میں میم سے بدل کر اس کے مخرج سے اور اخفاء میں گو اس کا کچھ تعلق اپنے مخرج سے بھی ہوتا ہے لیکن زیادہ تر تعلق اس حالت میں اس کا خیشوم سے ہوتا ہے اور اس قید کے بڑھانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نون اور میم کے احکام میں فرق ہو جاتا ہے

یعنی ذہن میں یہ بات فوراً آجاتی ہے کہ اس سے مراد میم کا کوئی حکم ہے نہ کہ نون کا

سوال :- جب میم ساکن باء سے قبل واقع ہو تو بعض لوگ اس میم کو اظہار سے پڑھتے ہیں اور جب واؤ اور فاء سے قبل واقع ہو تو بعض لوگ اس میم میں اخفاء کرتے ہیں اور بعض لوگ ان تینوں سے پہلے میم کو اس طرح تھوڑی سی حرکت دے کر پڑھتے ہیں کہ قلقلہ سا ہو جاتا ہے اور اس سارے قاعدہ کا نام بوف کا قاعدہ رکھا ہے تو کیا یہ قاعدہ اور اس پر ان کا عمل دونوں باتیں صحیح ہیں ؟

جواب :- باء ، واؤ ، فاء ان تینوں سے پہلے میم کے سکون کو حرکت دے کر پڑھنا اور واؤ ، فاء سے پہلے میم کا اخفاء کرنا یہ دو باتیں تو قطعاً غلط اور بے اصل ہیں، فن کی کسی معتبر کتاب میں بوف کے نام سے کوئی قاعدہ موجود نہیں البتہ میم ساکن اگر باء سے پہلے واقع ہو تو اس میں اظہار بھی جائز ہے لیکن اولیٰ اور بہتر اس میں بھی اخفاء ہی ہے ، مگر یہ اظہار اسی میم میں جائز ہے جو اصلی ہو اور نون ساکن و تنوین سے بدلے ہوئے میم میں اظہار جائز نہیں ، اس میں اخفا ہی ضروری ہے چنانچہ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ جیسی مثالوں میں تو اظہار ہو سکتا ہے گو اولیٰ اور مختار ان میں بھی اخفاء ہی ہے لیکن مِنْ بَعْدِ اور سَمِيعٌ بَصِيرٌ جیسی مثالوں میں اظہار جائز نہیں ، وہاں اخفا ہی ضروری ہے ، خوب سمجھ لو۔

تتمہ :- نون مشدّد اور میم مشدّد کا حکم

سوال :- نون مشدّد اور میم مشدّد کا کیا حکم ہے ؟

جواب :- جب یہ مشدّد ہوں تو ان میں ایک الف کی مقدار کے برابر غنّہ کرنا ضروری ہے جیسے إِنَّ - كَأَنَّ لَمَّا - مِنْ نَّصِرِينَ اور إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ وغیرہ خواہ یہ نون اور میم پہلے ہی سے مشدّد ہوں اور خواہ ان پر تشدید ادغام کی

وجہ سے آئی ہو چنانچہ اِنَّ کَانَّ لَمَّا وغیرہ میں تو نون اور میم پہلے ہی سے مشدّد ہیں اور مِنْ نّٰصِرِيْنَ اور اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ جیسی مثالوں میں ادغام کی وجہ سے مشدّد پڑھے جاتے ہیں۔

لام تعریف کے احکام

سوال :- لام تعریف کے کتنے احکام ہیں اور کیا کیا ہیں ؟

جواب :- دو ہیں (۱) اظہار (۲) ادغام اور یہ بھی فصل کے شروع میں بیان ہو چکا ہے۔

سوال :- لام تعریف کا اظہار کن حرفوں سے پہلے ہوتا ہے اور ادغام کن حرفوں میں ؟

جواب :- انتیس۲۹ حرفوں میں سے الف تو نون ساکن اور میم ساکن کی طرح لام تعریف کے بعد بھی نہیں آسکتا اور باقی اٹھائیس۲۸ حرفوں میں سے چودہ۱۴ حرفوں سے پہلے اظہار ہوتا ہے اور چودہ۱۴ حرفوں میں ادغام۔

سوال :- وہ چودہ۱۴ حرف جن سے پہلے اظہار ہوتا ہے کون کون سے ہیں اور وہ چودہ۱۴ جن میں ادغام ہوتا ہے کون کونسے ؟

جواب :- جن چودہ حرفوں سے پہلے لام تعریف کا اظہار ہوتا ہے وہ اس مجموعہ میں جمع ہیں (اِبْغِ حَجَّكَ وَخَفْ عَقِيْمَه) پس اس مجموعہ کے چودہ۱۴ حرفوں میں سے کوئی حرف بھی اگر لام تعریف کے بعد ہوگا، تو اظہار ہوگا اور اگر ان کے ماسوا باقی چودہ۱۴ حرفوں میں سے کوئی حرف ہوگا تو ادغام ہوگا، اظہار کی مثالیں یہ ہیں اَلْبُخْلُ اَلْحَمْدُ اَلْعٰلَمِيْنَ اور اَلْقَدْرُ وغیرہ اور ادغام کی یہ اَلتَّوْبَةُ اَلثَّاقِبُ اَلذِّكْرُ اور اَلرَّحْمٰنُ وغیرہ اور جن چودہ۱۴ حرفوں میں لام تعریف کا ادغام ہوتا ہے اور ان کو حروف شمسیّہ اور جن چودہ سے پہلے اظہار ہوتا ہے ان کو حروف قمریہ کہتے ہیں اور یہ قاعدہ لام تعریف کے ساتھ ہی خاص ہے اسی

ییلے قُلْنَا قُلْ نَعَمْ اور فَالْتَقَمَهُ اور ایسے ہی هَلْ تَرَا اور بَلْ طَبَعَ وغیرہ میں ادغام نہ ہو اس لیے کہ یہ لام تعریف نہیں ہے بلکہ پہلی تین مثالوں میں تو لام فعل ہے اور دوسری دو میں لام هَلْ و بَلْ اور مدغم صرف لام تعریف ہی ہوتا ہے کوئی اور لام نہیں ہوتا خوب سمجھ لو۔

فصل سوم:۔ غنّہ کے بیان میں

سوال:۔ غنّہ کے کیا معنی ہیں اور یہ صفت کن حرفوں میں پائی جاتی ہے؟

جواب:۔ غنّہ کے معنے تو تم صفات لازمہ کے سلسلہ میں پڑھ ہی چکے ہو کہ وہ صوت خیشومی یعنی ناک کی گنگنی آواز کا نام ہے۔ اور یہ بھی وہیں معلوم ہو چکا ہے کہ غنّہ دو طرح کا ہوتا ہے (۱) آنی (۲) زمانی۔ پھر غنّہ خواہ آنی ہو اور خواہ زمانی نون اور میم ان ہی دو حرفوں کے ساتھ خاص ہے ان کے علاوہ کسی اور حرف میں یہ نہیں پایا جاتا البتہ غنّہ آنی تو نون اور میم میں ہر حالت میں ہوتا ہے اور کسی حالت میں بھی یہ حرف اس سے خالی نہیں ہوتے اور غنّہ زمانی نون اور میم میں بعض خاص حالتوں میں ہی ہوتا ہے، اور اس کی مقدار ایک الف کے برابر ہوتی ہے اور قاری کو اس کے ادا کرنے کے لیے ارادہ کرنا پڑتا ہے اور غنّہ آنی کی طرح بلا ارادہ اور بلا اہتمام حرف کے ساتھ ہی ادا نہیں ہو جاتا پس اب یہاں انہی حالتوں کا بیان کرنا مقصود ہے جن میں غنہ زمانی پایا جاتا ہے۔

سوال:۔ غنّہ زمانی میم اور نون میں کتنی اور کن کن حالتوں میں ہوتا ہے؟

جواب:۔ تین حالتوں میں (۱) نون ساکن و تنوین کے بعد حروف حلقی اور لام و را کے علاوہ باقی بائیس حرفوں میں سے کوئی حرف ہو، جن میں سے پندرہ حرف اخفاء

کے ہیں، ایک اقلاب اور چار ادغام بالغنہ کے (۲) میم ساکن کے بعد میم یا باء ان دونوں میں سے کوئی ہو، یعنی میم مخفاۃ اور میم مدغمہ ہیں (۳) نون اور میم مشدّد ہوں پس ان تینوں حالتوں میں ایک الف کے برابر غنّہ کے ادا کرنے کا پورا اہتمام کرنا چاہیئے اور ان حالتوں میں غنّہ زمانی کا ہونا اوپر نون ساکن و تنوین میم ساکن اور نون و میم مشدّدتین کے احکام کے ضمن میں بھی بیان ہو چکا ہے۔

سوال :۔ الف کی مقدار کیا ہے اور اس کے معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟

جواب :۔ الف کی مقدار دو حرکتوں کے برابر ہوتی ہے اور اس کے معلوم کرنے کا طریقہ اساتذہ فن نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کھلی انگلی کو بند کرنے یا بند انگلی کے کھولنے میں جتنی دیر لگتی ہے بس وہی ایک الف کی مقدار ہے مگر یہ ایک محض اندازہ اور تخمینہ ہے اور اس کی مقدار کا اصل مدار استاد مشّاق سے سننے اور صحیح ذوق پر منحصر ہے اور الف کی مقدار عربی میں بھی اتنی ہی ہے جتنی کہ اُردُو بات چیت میں ہوتی ہے پس جب تم کھانا پینا سونا کہتے ہو اور اپنے ذوق سے مد کے گھٹنے بڑھنے کو معلوم کر لیتے ہو اور اگر کسی سے مقدار میں ذرا بھی کمی بیشی ہو جاتی ہے تو تمہارے کانوں کو اجنبی اور ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ بس عربی میں بھی اسی طرح سمجھ لو۔ ہاں اس کا بھی خیال رہے کہ پڑھنے کی جو رفتار ہو گی، الف کی مقدار اسی کے موافق ہو گی۔ پس ترتیل میں غنّہ زیادہ ہو گا، تدویر میں اس سے کم اور حدر میں اس سے بھی کم، ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ پڑھ تو رہا ہو حدر میں اور غنّہ ترتیل کی رفتار کے موافق ادا کرے اور یہی مناسبت مد طبعی کی مقدار میں بھی ملحوظ رہنی چاہیئے، خلاصہ یہ کہ الف کی مقدار تابع ہے تلاوت کی رفتار کے۔

فصل چہارم :- ادغام کی تفصیلی بحث

سوال :- نون ساکن وتنوین میم ساکن اور لام تعریف کے احکام تو ہم اوپر پڑھ چکے ہیں اب مہربانی کرکے ادغام کے باقی مواقع بھی بتا دیجئے کیونکہ دوسری فصل کے شروع میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ادغام کے مواقع ان تین حرفوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں ؟

جواب :- بہت اچھا ذیل میں ہم ادغام کے مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تم اس کو غور سے پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو سو یاد رکھو کہ جب بھی مثلین یا متجانسین جمع ہوں اور ادغام کی شرط پائی جارہی ہو اور مانع (رکاوٹ) موجود نہ ہو تو پہلے حرف کا دوسرے حرف میں ادغام کرنا واجب ہوتا ہے اور بہت سے موقعوں میں متقاربین کے جمع ہونے کی صورت میں بھی کیا جاتا ہے اور پانچ کلموں میں باوجود شرط نہ پائے جانے کے بھی ادغام ہوتا ہے اور تفصیل اس سب کی ابھی آتی ہے اور مثلین کے جمع ہونے کو اجتماع مثلین اور متجانسین کے جمع ہونے کو اجتماع متجانسین اور متقاربین کے جمع ہونے کو اجتماع متقاربین کہتے ہیں اور پہلا حرف جس کا ادغام ہوتا ہے اس کو مدغم اور دوسرا حرف جس میں ادغام کیا جاتا ہے اس کو مدغم فیہ کہتے ہیں ۔

سوال :- مثلین ، متجانسین اور متقاربین کا کیا مطلب ہے اور ان کے اجتماع سے کیا مراد ہے ؟

جواب :- ایسے دو حرف جو مخرج اور صفات دونوں کے اعتبار سے بالکل ایک ہی ہوں یعنی دونوں ایک ہی حرف ہوں مثلاً دو باء دو تاء وغیرہ ان کو مثلین اور ایسے

دو حرف جن کا مخرج تو ایک ہو مگر صفات کے اعتبار سے بالکل ایک نہ ہوں جیساکہ دال و تاء اور ذال و ثاء وغیرہ انکو متجانسین اور ایسے دو حرف جو مخرج یا صفات یا دونوں کے لحاظ سے قریب قریب ہوں، جیساکہ قاف و کاف۔ نون و میم اور لام و را وغیرہ ان کو متقاربین کہتے ہیں اور اجتماع کے معنی ہیں اکٹھا ہونا، پس اجتماع مثلین کے معنی یہ ہوئے کہ ایسے دو حرفوں کا اکٹھا ہونا جو مخرج اور صفات دونوں کے لحاظ سے بالکل ایک ہی ہوں خواہ ایک کلمہ میں ہوں جیسے اِقْتَتَلُوْا میں دو تا اور خواہ دو کلموں میں ہوں جیساکہ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ میں دو ہمزہ اور اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ میں دو عین اور اجتماع متجانسین کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ایسے دو حرفوں کا اکٹھا ہونا۔ جو مخرج کی رو سے تو ایک ہوں لیکن تمام صفات کی رو سے ایک نہ ہوں جیسے عَبَدْتُّمْ میں دال و تا اور اِذْ ظَّلَمُوْا میں ذال و ظاء ایک ہی مخرج کے ہیں اور اجتماع متقاربین کے معنی یہ ہوئے کہ ایسے دو حرفوں کا اکٹھا ہونا جو مخرج یا صفات یا دونوں کی رو سے قریب قریب ہوں جیساکہ خَلَقَ كُلَّ میں قاف و کاف قریب المخرج ہیں اور مِنْ مَّالٍ میں نون و میم قریب الصفات اور رُسُلُ رَبِّكَ میں لام، را قریب المخرج بھی ہیں اور قریب الصفات بھی۔

سوال:۔ ادغام کی شرط کیا ہے؟

جواب:۔ مدغم یعنی پہلا ساکن ہو اور مدغم فیہ یعنی دوسرا حرف متحرک ہو جیسے اِذْهَبْ بِّكِتَابِيْ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ اور قُلْ رَّبِّ وغیرہ ان میں سے پہلی مثال مثلین کی ہے۔ دوسری متجانسین کی اور تیسری متقاربین کی اور تینوں میں پہلا حرف یعنی پہلی مثال میں باء دوسری میں تاء اور تیسری میں لام ساکن ہے اور اسی وجہ سے ان میں ادغام ہوتا ہے پس جِبَاهُهُمْ يُحْكُمُ بَيْنَكُمْ اور خَلَقَ كُلَّ

وغیرہ میں ادغام نہ ہوگا اس لیے کہ ان میں شرط ادغام نہیں پائی جاتی یعنی پہلا حرف ساکن نہیں ہے البتہ پانچ کلمے ایسے ہیں کہ جن میں ادغام کی شرط نہ پائے جانے یعنی حرف اوّل کے ساکن نہ ہونے کے باوجود بھی ادغام ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) نِعِمَّا دو جگہ بقرۃ ع۳۷ اور نساء ع ۸ (۲) اَتُحَآجُّوٓنِّیْ (انعام) ع۹ (۳) مَكَّنِّیْ کہف ع۱۱ (۴) تَاْمُرُوٓنِّیْ زمر ع۶ (۵) لَاتَاْمَنَّا یوسف ع۲ کہ یہ اصل میں نِعْمَ مَا اَتُحَآجُوْنَنِیْ مَكَّنَنِیْ تَاْمُرُوْنَنِیْ اور لَاتَاْمَنُنَا تھے پس ان میں سے پہلے لفظ یعنی نِعْمَ مَا میں تو پہلا میم اور باقی چار میں پہلا نون متحرک تھا، پھر ان کو ساکن کر کے دوسرے میم اور نون میں ادغام کر دیا۔ پھر اگر حرف اوّل پہلے ہی سے ساکن ہو جیسا کہ قُلْ رَّبِّ اور عَبَدْتُّمْ جیسی مثالوں میں ہے تو اس ادغام کو ادغام صغیر کہتے ہیں اور اگر حرفِ اوّل پہلے سے ساکن نہ ہو، بلکہ متحرک ہو جیسا کہ ان پانچ کلموں میں ہے تو یہ ادغام کبیر کہلاتا ہے۔

سوال:۔ کیا ان پانچوں کلموں میں صرف ادغام ہی ہوتا ہے یا کوئی دوسری وجہ بھی ہے؟

جواب:۔ پہلے چار میں تو صرف ادغام ہی ہے اور پانچویں یعنی لَاتَاْمَنَّا میں دو وجہیں ہیں (۱) اظہار لیکن ادغام کے ساتھ اشمام اور اظہار کے ساتھ روم ضروری ہے پس کامل ادغام اور خالص اظہار جائز نہیں اور ادغام مع الاشمام یہ ہے کہ نون کی تشدید اور اس کے غنہ کے ادا کرتے وقت ہونٹوں کو اسی طرح گول کر لیا جائے جس طرح کہ ضمہ میں کئے جاتے ہیں اور پوری کیفیت اس کی استاد کے ہونٹوں کو دیکھ کر ہی سمجھ میں آسکتی ہے اور اظہار مع الروم یہ ہے کہ پہلے نون کے ضمہ کو کامل طور پر ادا نہ کیا جائے بلکہ اس کو سرعت اور جلدی کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے جس طرح کہ کوئی چیز اُچک لی جاتی ہے اور

اس کی صحیح کیفیت بھی اُستاد کی زبان سے سُننے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔

سوال :- ادغام کے موانع کیا ہیں ؟

جواب :- مثلین میں پہلا حرف جو ساکن ہے اگر واو مدہ یا یائے مدہ ہو تو اس کا واؤ و یاء متحرک ہیں اور متجانسین میں پہلا حرف اگر حلقی ہو تو اس کا دوسرے حلقی حروف میں ادغام نہیں ہوتا اسی لیے قَالُوْا وَهُمْ فِيْ يَوْمٍ اور فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وغیرہ میں ادغام نہیں کرتے، حالانکہ پہلی مثال میں پہلا حرف واؤ ساکن دوسری میں یائے ساکن اور تیسری میں حا ساکن ہے اور ان کے بعد اسی ترتیب سے واؤ متحرک یاء متحرک اور عین متحرک آرہے ہیں پس مثلین میں پہلے حرف کا مدہ ہونا اور متجانسین میں پہلے کا حرف حلقی ہونا، یہ دو ادغام کے موانع ہیں۔ مگر نَقْدِ اهْتَدَوْا وَّاِنْ تَوَلَّوْا جیسی مثالوں میں ادغام ہوگا کیونکہ ان میں حرف اوّل واؤ لین ہے مدہ نہیں اور مانع صرف مدہ ہے نہ کہ لین بھی اور اسی طرح اَيْنَ مَا يُوَجِّهْهُ میں بھی پہلی ھا کا جو لام کلمہ ہے دوسری ھا میں جو کہ ضمیر کی ہے ادغام ہوگا اس لیے کہ حرف حلقی کا مانع ہونا متجانسین میں ہے مثلین میں نہیں اور ایسے ہی سورۃ الحاقہ ع میں مَالِيَهْ کی ہا کا بھی وصلاً هَلَكَ کی ہا میں ادغام ہوگا۔ البتہ چونکہ یہ ہا کلمہ کے اصلی حروف میں سے نہیں بلکہ سکتہ کی ہے اس لیے قرائے محققین کے نزدیک اس میں بجائے ادغام کے سکتہ اولیٰ اور افضل ہے پس اس میں وصلاً دو وجہیں جائز ہیں ادغام اور اظہار مع سکتہ

ع مگر واؤ مدّہ اور واؤ متحرک کا اور ایسے ہی یا مدہ اور یا متحرک کا مثلین ہونا حرف فرّاءؒ اور سیبویہؒ کے مذہب کی رو سے ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات مدہ وغیر مدہ کا ایک ہی مخرج بتاتے رہے خلیلؒ سوان کے مذہب کی رو سے مدہ وغیر مدّہ مثلین نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک دونوں کا مخرج ایک نہیں ہے بلکہ الگ الگ ہے کہ مدّہ کا تو جوف ہے اور غیر مدہ کا شفتین لہٰذا خلیلؒ کے مذہب کی رو سے مثلین میں کوئی مانع نہیں، فافہم

اور ثانی افضل ہے خوب سمجھ لو۔ (از ضوابط نبلاء التجوید)

سوال: ادغام کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب: تین قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) مثلین (۲) متجانسین (۳) متقاربین اس لیے کہ اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے۔ جو مثلین ہیں تو وہ ادغام بھی مثلین کہلائے گا جیسے اِذْذَّهَبَ اور قَدْدَّخَلُوْا وغیرہ کہ پہلی مثال میں دو ذال اور دوسری میں دو دال مثلین ہیں اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے جو متجانسین ہیں جیسے عَبَدْتُّمْ قَالَتْ طَّآئِفَۃ اور فَرَّطْتُّ وغیرہ تو یہ ادغام متجانسین کہلائے گا، کیونکہ دال وتا، تا وطا اور ایسے ہی طا وتا کا مخرج تو اگرچہ ایک ہی ہے مگر یہ تمام صفات میں شریک نہیں ہیں اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے کہ جو متقاربین ہیں جیسے قُلْ رَّبِّیْ مِنْ لَّدُنْہُ اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ اور مِنْ مَّالٍ وغیرہ تو یہ ادغام متقاربین کہلائے گا اس لیے کہ قاف وکاف تو قریب المخرج ہیں اور میم ونون قریب الصفات اور لام ورا اور نون ولام قریب المخرج بھی ہیں اور قریب الصفات بھی۔

سوال:۔ ادغام کے سبب کتنے اور کیا کیا ہیں؟

جواب: تین ہیں (۱) تماثل (۲) تجانس (۳) تقارب پس مثلین میں ادغام کا سبب تماثل، متجانسین میں تجانس اور متقاربین میں تقارب ہوتا ہے۔

سوال:۔ ادغام کی کیفیت کے اعتبار سے کتنی اور کیا کیا قسمیں ہیں؟

جواب:۔ دو قسمیں ہیں (۱) تام (۲) ناقص کیونکہ اگر مدغم کو مدغم فیہ سے بالکل بدل کر اس طرح ادغام کیا جائے کہ مدغم کی کوئی صفت بھی باقی نہ رہے تو یہ ادغام تام کہلاتا ہے جیسے قُلْ رَّبِّ مِنْ لَّدُنْہُ اور عَبَدْتُّمْ وغیرہ کہ ان میں لام را سے نون لام سے اور دال تا سے بالکل بدل جاتا ہے اور اگر مدغم مدغم فیہ

سے پوری طرح نہ بدلے بلکہ اس کی کوئی صفت باقی رہے تو یہ ادغام ناقص کہلاتا ہے جیسے مَنْ یَّقُوْلُ مِنْ وَّلِیٍّ اور فَرَّطْتُّمْ وغیرہ کہ ان میں نون واو ویا سے اور اسی طرح طا تا سے بالکل نہیں بدلتا۔ بلکہ مَنْ یَّقُوْلُ اور مِنْ وَّلِیٍّ وغیرہ میں تو نون کی صفت غنہ کو اور فَرَّطْتُّمْ جیسی مثالوں میں طاء کی صفت اطباق کو باقی رکھ کر ادغام کرتے ہیں اور یہی مطلب ہے ناقص کا کہ مدغم کی کوئی صفت باقی رہے۔

سوال :۔ سبب اور کیفیت دونوں کے اعتبار سے ادغام کی کل کتنی قسمیں بنتی ہیں ؟

جواب :۔ عقلاً تو چھ بنتی ہیں جو یہ ہیں مثلین تام۔ مثلین ناقص۔ متجانسین تام، متجانسین ناقص۔ متقاربین تام۔ متقاربین ناقص۔ مگر ان میں سے پانچ صرف پائی جاتی ہیں، اس لیے کہ دوسری قسم یعنی مثلین ناقص نہیں پائی گئی کیونکہ کسی حرف کا ادغام جب اس کے مثل میں ہوتا ہے تو وہ تام ہی ہوتا ہے ناقص نہیں ہوتا پس وَمَالَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ جیسی مثالوں میں میم کا ادغام میم میں اور نون کا نون میں تام ہی ہے ناقص نہیں اور غنہ سے ناقص ہونے کا شبہ نہ کیا جائے اس لیے کہ یہ غنہ تشدید کی بناء پر ہے واللہ اعلم اور یہی وجہ ہے کہ لفظ اللہ اور اَللّٰهُمَّ کے دونوں لام پُر پڑھے جاتے ہیں کیونکہ اس میں بھی پہلے لام کا دوسرے لام میں ادغام ہی ہوا ہے پس اگر پہلے لام کو باریک اور دوسرے کو پُر پڑھا جائے گا، تو لازم آئے گا، ادغام مثلین میں مدغم کا مدغم فیہ سے پورے طور پر نہ بدلنا اور یہی تعریف ہے، ناقص کی اور مثلین میں ناقص ہوتا نہیں

ادغام کی صورتیں

سوال :۔ ادغام مثلین کی قرآن مجید میں کل کتنی صورتیں آئی ہیں ؟

جواب :- ادغام مثلین کی قرآن مجید میں کل صورتیں[1] غالباً بارہ پائی گئی ہیں۔ (۱) بار کا با میں جیسے اِذْهَبْ بِّكِتَابِىْ (۲) تا کا تا میں جیسے فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (۳) دال کا دال میں جیسے قَدْ دَّخَلُوْا (۴) ذال کا ذال میں جیسے اِذْ ذَّهَبَ (۵) فا کا فا میں جیسے فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ (۶) کاف کا کاف میں جیسے يُدْرِكْكُّمُ (۷) لام کا لام میں جیسے قُلْ لَّكُمْ (۸) میم کا میم میں جیسے وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ (۹) نون کا نون میں جیسے مِنْ نَّاصِرِيْنَ (۱۰) واؤ کا واؤ میں جیسے اَوْ وَّزَنُوْهُمْ (۱۱) ھا کا ھا میں جیسے اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ (۱۲) یا کا یا میں جیسے يٰيَدَىَّ[2]۔ فقط

سوال :- ادغام متجانسین کی قرآن مجید میں کل کتنی صورتیں پائی گئی ہیں اور ان میں سے تام کی کتنی ہیں اور ناقص کی کتنی؟

جواب :- ادغام متجانسین کی کل صورتیں قرآن مجید میں سات پائی گئی ہیں چھ تام کی اور ایک ناقص کی اور وُہ یہ ہیں (۱) تا کا دال میں جیسے اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ (۲) تا کا طا میں جیسے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ (۳) دال کا تا میں جیسے قَدْ تَّبَيَّنَ (۴) ذال کا ظا میں جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا (۵) ثا کا ذال میں جیسے يَلْهَثْ ذّٰلِكَ (۶) با کا میم میں جیسے اِرْكَبْ مَّعَنَا ھُوْد[3]۔ (۷) طا کا تا میں جیسے بَسَطْتَّ فَرَّطْتُّ فَرَّطْتُّمْ اور اَحَطْتُّ ان میں سے پہلی چھ صورتیں تو تام کی ہیں اور

---

[1] ممکن ہے کوئی اور صورت پائی گئی ہو۔ لیکن تادم تحریر صرف یہی مل سکی ہیں۔

[2] اگرچہ اس میں دال کے بعد لکھی ہوئی تو صرف ایک ہی یا ہے لیکن اصل میں دو ہی ہیں، پہلی تثنیہ کی ہے اور دوسری ضمیر متکلم کی۔ مگر دوسری یا چونکہ ایک حرفی کلمہ ہے۔ اس لیے قرآن کے کاتبوں نے تلفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ایک ہی کے لکھنے پر اکتفا کیا ہے واللہ اعلم

[3] البتہ پانچویں اور چھٹی صورت میں یعنی يَلْهَثْ ذّٰلِكَ اور اِرْكَبْ مَّعَنَا میں اظہار بھی جائز ہے مگر یہ طریقِ جزری اور شاطبی کے طریق سے ان میں ادغام ہی ضروری ہے۔

ساتویں ناقص کی اور اس صورت کے یہی چار کلمے قرآن مجید
میں آئے ہیں۔ پس اس میں طاء کی صفت استعلاء اور اطباق کو باقی رکھ کر اس کا تا میں
اس طرح ادغام کرنا چاہیئے کہ طا تو پُر ادا ہو اور تا باریک مگر قلقلہ نہ ہونے پائے کیونکہ
اگر قلقلہ کیا جائے گا تو پھر ادغام نہیں رہے گا۔ بلکہ اظہار ہو جائے گا۔ خوب سمجھ لو۔
باقی رہی صحیح ادائیگی سو وہ استاد کے بتلانے اور اس کے موافق مشق کرنے سے
ہی آ سکتی ہے، اور گو ایک صورت قرآن مجید میں اجتماع متجانسین کی اور بھی ہے
مگر مانع ہونے کی وجہ سے وہاں ادغام نہیں ہوتا اور وہ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ میں
حا اور عین کا اجتماع ہے یہ دونوں اگرچہ متجانسین تو ہیں اور پہلا ساکن بھی ہے
مگر چونکہ وہ حلقی ہے اس لیے اس کا ادغام نہیں ہوتا پس اجتماع متجانسین
کی تو آٹھ صورتیں قرآن میں آئی ہیں مگر ادغام متجانسین کی سات ہی ہیں اور
گو لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وغیرہ میں بھی اجتماع متجانسین ہے لیکن اس میں سرے
سے ادغام کی شرط ہی نہیں پائی جاتی۔

سوال:۔ روایت حفصؒ کے موافق ادغام متقاربین کی کتنی اور کیا کیا صورتیں ہیں نیز
ان میں سے تام کی کتنی ہیں اور ناقص کی کتنی؟

جواب:۔ لام تعریف کے حروف شمسیہ میں ادغام کے علاوہ ادغام متقاربین کی بھی
روایت حفصؒ کے موافق قرآن مجید میں کل سات صورتیں ہی آئی ہیں۔ جن میں
سے تین تام کی ہیں دو ناقص کی ایک میں خلف ہے۔ یعنی تام و ناقص دونوں
جائز ہیں اور ایک مختلف فیہ یعنی بعض اس کو تام کہتے ہیں اور بعض ناقص اور
تفصیل اس کی یہ ہے کہ (۱) نون ساکن و تنوین کا لام میں جیسے مِنْ لَّدُنْهُ
هُدًى لِّبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ (۲) ان ہی دونوں حرفوں کا را میں جیسے مِنْ
رَّبِّهِمْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا (۳) لام کا را میں جیسا کہ قُلْ رَّبِّ، یہ تین صورتیں

تو ادغام متقاربین تام کی ہیں (۴) نون ساکن وتنوین کا واؤ میں جیسے مِنْ وَّلِيٍّ
مَغْفِرَةٌ وَّرَحْمَةٌ (۵) ان ہی دو حرفوں کا یا میں جیسا کہ مِنْ يَّوْمِهِمْ يَوْمَئِذٍ
يَّوَدُّ ، یہ دونوں صورتیں متقاربین ناقص کی ہیں کہ ان میں نون کی صفت غنہ
کو باقی رکھ کر ادغام کیا جاتا ہے (۶) قاف کا کاف میں جیسے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ
اس میں دونوں طرح کا ادغام جائز ہے۔ تام بھی اور ناقص بھی مگر تام اولیٰ ہے
پس تام میں تو قاف کو بالکل کاف سے بدل کر اور ناقص میں قاف کی صفت استعلاء
کو باقی رکھ کر ادغام کیا جاتا ہے (۷) نون ساکن وتنوین کا میم میں جیسا کہ مِنْ مَّآءٍ
مَّهِيْنٍ وغیرہ پس اس میں بعض کے قول پر تو غنہ مدغم کا ہے اور بعض کے قول پر
مدغم فیہ کا پہلی صورت پر ناقص ہے اور دوسری پر تام مگر یہ اختلاف صرف
لفظی ہے ادا پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا وہ ہر دو اقوال کی رو سے یکساں ہی ہے
خوب سمجھ لو۔

فصل پنجم۔ تسہیل، ابدال اور حذف کے بیان میں

سوال :۔ یہ صفات کن حرفوں میں پائی جاتی ہیں اور ان کے کیا معنے ہیں ؟

جواب :۔ ان میں سے تسہیل و ابدال تو ہمزہ کے ساتھ ہی خاص ہیں کہ اس کے سوا
نہ تو کسی اور حرف میں تسہیل ہوتی ہے اور نہ ہی ابدال اور حذف ہمزہ میں بھی ہوتا
ہے اور حروف مدہ میں بھی لیکن اس فصل میں صرف ہمزہ ہی سے متعلق احکام
بیان ہوں گے اور حروفِ مدہ کے حذف کا موقع اس کے بعد چھٹی فصل میں بیان
کیا جائے گا اور تسہیل کے لغوی معنی ہیں آسان کرنا اور اصطلاح میں تسہیل سے
مراد یہ ہے کہ ہمزہ کو نہ تو ایسی سختی کے ساتھ ادا کیا جائے جو اس کے لیے

بوجہ جہر و شدت ضروری ہے اور نہ ہی اتنا نرم ادا کیا جائے کہ وہ الف[1]
سے بالکل بدل ہی جائے، بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان اس طرح
ادا کیا جائے کہ نرم تو ہو۔ لیکن اس کی ماہیت نہ بدلے بس اسی کو تسہیل کہتے ہیں اور
ابدال کے معنی ہیں بدلنا اور فن میں ابدال کہتے ہیں ہمزہ کو اس کی حرکت کے موافق
حرف مد سے بدل کر پڑھنے کو اور اگر ہمزہ ساکن ہو تو ابدال کرنے میں اس سے
پہلے والے حرف کی حرکت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور حذف کے معنی ہیں گرا دینا
اور یہاں حذف سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ کو تلفظ سے گرا دیا جائے یعنی اس کو
پڑھا نہ جائے۔

ہمزہ کے احکام

سوال: ہمزہ کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب: دو قسمیں ہیں (۱) اصلی (۲) زائدہ۔ اصلی وہ ہمزہ ہے جو حروف اصلیہ
یعنی فا عین لام ان تین میں سے کسی حرف کے مقابلہ میں واقع ہو، جیسے أَمَرَ۔
سَئَلَ اور مَبْدَأٌ کا ہمزہ اور زائدہ وہ ہے جو ان حرفوں میں سے کسی کے مقابلہ
میں نہ ہو جیسے اٰمَنَ اِیْمَانًا یا اِمْرُءٌ اور اِمْرَءَةٌ کے شروع کا ہمزہ پھر
زائدہ کی دو قسمیں ہیں (۱) قطعی (۲) وصلی۔

سوال: ہمزہ قطعی کونسا ہے اور ہمزہ وصلی کونسا؟

جواب: حرفوں میں سے صرف اَلْ کا ہمزہ جیسے اَلْحَقُّ ۔ اَلْحُكْمُ اور اَلْحَمْدُ
وغیرہ اور اسموں میں سے اِسْمٌ اِبْنٌ اِبْنَتٌ اِمْرُءٌ اِمْرَءَةٌ اِثْنَانِ

[1] اور گو تسہیل ہمزہ مضمومہ اور ہمزہ مکسورہ میں بھی ہوتی ہے لیکن روایت حفصؒ میں چونکہ صرف ہمزہ مفتوحہ ہی میں آئی ہے اس لیے متن میں صرف الف ہی کا ذکر کیا ہے۔ فافہم

اور اِثْنَتَانِ ان سات لفظوں کا اور باب افعال کے سوا ثلاثی مزید اور رباعی مزید کے مصادر کا ہمزہ اور افعال میں سے ثلاثی مجردوں کے امر حاضر کا اور ثلاثی مزیدوں میں سے باب اِفْعَال کے سوا باقی بابوں کی اور اسی طرح رباعی مزید اور ملحقات کے تمام ابواب کی ماضی معروف اور ان کی ماضی مجہول اور امر حاضر کے ہمزے یہ تو وصلی ہیں اور ان کے ماسوا ہر ہمزہ قطعی ہے جیسا کہ اِنْ - اِذْ - اِذَاً اِنْسٌ - اِرَمَ - اِکْرَامٌ - اَبْرَمُوْا - اُخْرِجَتْ اور وَاَقْسِطُوْا کا ہمزہ -

سوال :- ان دونوں قسموں کے ہمزوں کا کیا حکم ہے ؟

جواب :- حکم ان دونوں کا یہ ہے کہ ہمزہ قطعی تو وصل اور ابتداء دونوں حالتوں میں ثابت رہتا ہے اور وصلی ابتدا کی حالت میں تو ثابت رہتا ہے اور وصل یعنی ماقبل سے ملا کر پڑھنے کی صورت میں حذف ہو جاتا ہے اسی لیے وَاِنْ کَانُوْا وَاِنْجَعَلْنَا وَاِذَا مَرُّوْا - وَالْاِنْسِ - بِعَادٍ اِرَمَ - وَالْاِکْرَامِ - لَآ اُقْسِمُ وَمَنْ اَظْلَمُ - اَمْ اَبْرَمُوْا - اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ - وَاَقْسِطُوْا جیسی مثالوں میں ہمزہ دونوں حالتوں میں ثابت رہتا ہے اور رَبُّ الْعَرْشِ تَبَارَكَ اسْمُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ - مَرْیَمَ ابْنَتَ اَبُوْكِ امْرَاَ قَالَتِ امْرَاَةُ عَبْدُ اللّٰہِ اثْنَا مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نُفُوْرَا نِ اسْتِكْبَارًا - قَالُوْا اقْتُلُوْهُ - اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ خَبِیْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ اٰمَنُوا اتَّقُوْا وغیرہ کا ہمزہ ابتدا کی صورت میں تو ثابت رہتا ہے اور ماقبل سے ملا کر پڑھنے کی صورت میں حذف ہو جاتا ہے، چنانچہ ان مثالوں میں ماقبل سے ملا کر ہی دکھایا گیا ہے۔

کسی کلمہ میں دو ہمزوں کے جمع ہونے کے احکام

سوال - کسی کلمہ میں دو ہمزوں کے جمع ہونے کی کتنی اور کیا کیا صورتیں ہیں اور حذف

ابدال اور تسہیل میں سے کس صورت میں کونسی صفت پائی جاتی ہے؟

جواب:۔ دو ہمزوں کے جمع ہونے کی اجمالی صورتیں تو دو ہی ہیں (۱) دونوں متحرک (۲) اوّل متحرک ثانی ساکن اور تفصیلی صورتیں اس کی پانچ ہیں۔

(۱) دونوں متحرک اور دونوں قطعی جیسے ءَاَلِدُ ءَاُنْزِلَ ءَاِنَّكَ وغیرہ

(۲) دونوں متحرک مگر پہلا قطعی اور دوسرا وصلی مفتوح جیسے آٰللّٰهُ اور آٰلْـٰٔنَ وغیرہ کہ اصل میں یہ ءَاَللّٰهُ اور ءَاَلْـٰٔنَ تھے۔

(۳) دونوں متحرک پہلا قطعی اور دوسرا وصلی مکسور جیسے اَسْتَكْبَرْتَ اور اَطَّلَعَ وغیرہ کہ اصل میں یہ ءَاِسْتَكْبَرْتَ اور ءَاِطَّلَعَ تھے۔

(۴) اوّل قطعی متحرک اور دوسرا ساکن جیسے اٰمَنَ اِيْمَانًا کہ اصل میں یہ ءَاْمَنَ اِئْمَانًا تھے۔

(۵) پہلا متحرک وصلی اور دوسرا ساکن جیسے اِيْتُوْنِيْ اور اُوْتُمِنَ وغیرہ کہ اصل میں یہ اِئْتُوْنِيْ اور اُؤْتُمِنَ تھے اور حکم ان صورتوں کا یہ ہے کہ پہلی صورت میں صرف ایک کلمہ میں تسہیل اور باقی ہر جگہ تحقیق اور دوسری صورت میں تسہیل و ابدال دونوں مگر ابدال اولیٰ ہے اور تیسری میں صرف حذف اور چوتھی میں صرف ابدال اور پانچویں میں ایک حالت میں ثانی ہمزہ کا ابدال اور دوسری حالت میں پہلے ہمزہ کا حذف۔ اور تفصیل اس سب کی ابھی معلوم ہوگی۔

سوال:۔ ان پانچوں صورتوں اور ان کے احکام کی تفصیل کیا ہے؟

جواب:۔ پہلی صورت یعنی دونوں متحرک اور دونوں قطعی اس کا حکم یہ ہے کہ ہر جگہ دونوں ہمزوں کو خوب تحقیق کے ساتھ ان کی صفت جہر و شدّت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کیا جائے جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ اور اَءُشْهِدُوْا وغیرہ البقرہ سورۃ

فصلت ع ۵ میں یعنی چوبیسویں پارے کے ختم کے قریب لفظ ءَ اَعْجَمِیٌّ کے دوسرے ہمزہ میں تسہیل ضروری ہے اور اس کو تحقیق سے پڑھنا جائز نہیں بس اس ایک کلمہ کے سوا حضرت حفص کی روایت میں اور کسی قطعی ہمزہ میں تسہیل نہیں، دوسری صورت یعنی دونوں متحرک مگر پہلا قطعی اور دوسرا وصلی مفتوح اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے میں تو تحقیق ہی ضروری ہے اور دوسرے میں دو وجہیں ہیں (۱) ابدال (۲) تسہیل اور ایسے کلمے سارے قرآن میں صرف تین ہیں جو چھ جگہ آئے ہیں اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک دو دو جگہ آیا ہے اور وہ یہ ہیں۔
(۱) آٰللّٰهُ دو جگہ سورہ یونس ع ۶ اور نمل ع ۵ میں (۲) آٰلْـٰٔنَ یونس ع ۵ و ۹ میں (۳) آٰلذَّكَرَيْنِ دونوں انعام ع ۱۶ میں پس ان میں دوسرے ہمزہ کو خالص الف سے بدل کر آٰللّٰهُ آٰلْـٰٔنَ آٰلذَّكَرَيْنِ پڑھنا بھی جائز ہے اور دوسرے ہمزہ میں تسہیل کر کے ءَاللّٰهُ ءَالْـٰٔنَ اور ءَالذَّكَرَيْنِ پڑھنا بھی اور یہ اس لیے کہ ہمزہ وصلی کا حذف عربیت اور قرأت دونوں کی رو سے مسلم ہے مگر ان موقعوں میں حذف کرنے سے چونکہ انشاء اور خبر میں التباس ہو جاتا ہے یعنی یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے یا خبریہ اس لیے حذف نہیں کیا گیا، رہا اثبات سو وہ چونکہ ہمزہ قطعی کے احکام میں سے ہے اس لیے ثانی میں تغیّر ضروری تھا اور تغیّر کی دو صورتیں ہیں (۱) ابدال (۲) تسہیل اور یہاں یہ دونوں ہی جائز ہیں اور چونکہ ابدال میں تغیّر تام ہے اس لیے یہ اولیٰ ہے اور تیسری صورت یعنی پہلا قطعی اور دوسرا وصلی مکسور جیسے اَسْتَكْبَرْتَ وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو عام قاعدہ کی رو سے حذف ہی کیا جائے گا اس لیے کہ ان موقعوں میں حذف کرنے سے کسی قسم کا التباس نہیں ہوتا اور قرآن مجید میں اسی صورت کے صرف سات کلمے آئے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) اَتَّخَذْتُمْ بقرہ ع ۹ (۲) اَطَّلَعَ الْغَيْبَ

مریم عٓ (۳) اَفْتَرٰی سبا عٓ (۴) اَصْطَفَی الْبَنَاتِ. صٰفّت عٓ (۵) اَتَّخَذْنٰھُمْ صٓ عٓ (۶) اَسْتَکْبَرْتَ صٓ عٓ (۷) اَسْتَغْفَرْتَ منٰفقون عٓ چوتھی صورت یعنی پہلا متحرک قطعی اور دوسرا ساکن جیسے اٰمَنَ اِیْمَانًا وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ اس دوسرے ساکن ہمزہ کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرف مد سے بدلنا واجب ہے عام ہے کہ اس کلمہ سے ابتدا کریں یا اُوپر سے ملا کر پڑھیں دونوں حالتوں میں ابدال ہی ہوگا۔ پانچویں صورت یعنی پہلا وصلی اور دوسرا ساکن جیسے اِیْتُوْنِیْ اُوْتُمِنَ وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کلمہ سے ابتدا کی جائے تب تو ثانی ہمزہ کا یہاں بھی اٰمَنَ اِیْمَانًا کی طرح ابدال واجب ہے اور اگر ما قبل سے ملا کر پڑھیں گے تو ابدال نہ ہوگا، بلکہ اس صورت میں پہلا ہمزہ وصلی ہونے کی وجہ سے حذف ہو جائے گا اور ہمزہ ساکنہ اس سے پہلے والے حرف کے ساتھ مل کر تحقیق کے ساتھ بغیر ابدال کے ادا ہوگا چنانچہ اِیْتُوْنِیْ اور اُوْتُمِنَ کو اگر فِی السَّمٰوٰتِ اور اَلَّذِیْ سے ملا کر پڑھیں گے تو اس طرح پڑھیں گے فِی السَّمٰوٰتِ ائْتُوْنِیْ اور اَلَّذِی اؤْتُمِنَ خوب سمجھ لو۔

ہمزہ وصلی پر کونسی حرکت پڑھنی چاہیئے

سوال:۔ ہمزہ وصلی پر کونسی حرکت پڑھنی چاہیئے؟

جواب:۔ اَلْ کا ہمزہ تو ہمیشہ مفتوح ہی ہوتا ہے جیسے اَلْحَمْدُ الرَّحْمٰنُ اَلرَّحِیْمُ اور اَلْجَنَّۃُ وغیرہ اور وہ سات اسم جو فصل کے شروع میں بیان ہو چکے ہیں۔ یعنی اِسْمٌ۔ اِبْنٌ وغیرہ ان کا اور باب افعال کے سوا ثلاثی مزید رباعی مزید اور ملحقات برباعی کے مصادر کا ہمزہ ہمیشہ مکسور ہوگا

جیسے اِمْرَءَۃٌ اور اِنْتِقَامٌ وغیرہ اور فعل کے ہمزہ کی حرکت میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تو ہمزہ سمیت فعل کا تیسرا حرف مضموم بضمہ اصلی ہوگا۔ تب تو ہمزہ بھی مضموم ہی پڑھا جائے گا۔ جیسے اُقْتُلُوْا۔ اُنْظُرُوْا وغیرہ اور اگر تیسرا حرف مکسور یا مفتوح یا مضموم بضمہ عارضی ہوگا۔ توان تینوں صورتوں میں ہمزہ مکسور ہوگا جیسا کہ اِضْرِبْ۔ اِذْهَبْ اور اِتَّقُوْا وغیرہ کیونکہ اِتَّقُوْا اصل میں اِتَّقِيُوْا تھا۔ پھر قاف کے کسرہ کو گرانے کے بعد یا کا ضمہ نقل کرکے اس کو دے دیا اور یا کو حذف کر دیا۔ تو اِتَّقُوْا ہو گیا۔ پس قاف کا ضمہ عارضی ہے۔

چھٹی فصل۔ اجتماع ساکنین کے بیان میں

سوال :۔ اجتماع ساکنین کے کیا معنی ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب :۔ اجتماع ساکنین کے معنی ہیں دو ساکن حرفوں کا جمع ہونا اور اس کی دو قسمیں ہیں (۱) علیٰ حدّہٖ (۲) علیٰ غیر حدّہٖ۔

سوال :۔ اجتماع ساکنین علیٰ حدّہٖ کی تعریف اور اس کا حکم کیا ہے؟

جواب :۔ اگر دو ساکن حرف اس طرح جمع ہوں کہ پہلا مدہ ہو اور دونوں ہوں بھی ایک ہی کلمہ میں جیسے دَآبَّۃٍ، آٰلْئٰنَ اور الٓمّٓ وغیرہ تو یہ اجتماع ساکنین علیٰ حدّہٖ کہلاتا ہے اور حکم اس کا یہ ہے کہ یہ حَالَیْنَ یعنی وقف و وصل میں باقی رہتا ہے۔ چنانچہ تم الٓمّٓ یٰسٓ یا ان کے علاوہ دوسرے حروف مقطعات پہ وقف کرو اور خواہ ان کو مابعد سے ملا کر پڑھو یہ دونوں حالتوں میں ساکن ہی پڑھے جائیں گے البتہ سورہ آل عمران کے شروع میں میم کو لفظ اللّٰہ سے ملا

کر پڑھنے کی صورت میں اس پر عارضی طور پر حرکت آجاتی ہے۔ جس کا بیان تم انشاء اللہ کچھ آگے چل کر اسی فصل میں پڑھ لوگے۔

سوال۳:۔ اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ کی تعریف اور اس کا حکم کیا ہے؟

جواب:۔ اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ وہ ہے کہ جس میں علیٰ حدّہٖ کی دو شرطوں میں سے ایک یا دونوں ہی نہ پائی جائیں۔ جس کی تین صورتیں بنتی ہیں (۱) دونوں ساکن ایک کلمہ میں تو ہوں مگر پہلا مدہ نہ ہو جیسے اَلْقَدْرِ ۝ اَلْعَسْرُ ۝ اور ذِی الذِّکْرِ ۝ وغیرہ اور حکم اس کا یہ ہے کہ وقفاً تو دونوں ساکن باقی رہتے ہیں اور وصلاً نہیں رہتے بلکہ دوسرے پر حرکت آجاتی ہے چنانچہ اگر ان کلمات پر وقف کیا جائے گا تب تو اُن کی رُا ساکن پڑھی جائے گی اور اگر ما بعد سے ملا کر پڑھے جائیں گے تو اس صورت میں یہ ساکن نہیں رہے گی بلکہ متحرک پڑھی جائے گی۔ (۲) پہلی صورت کا عکس یعنی پہلا ساکن مدہ تو ہو مگر دونوں ایک کلمہ میں نہ ہوں جیسے قَالَا الْحَمْدُ قَالُوا الْئٰنَ اور فِی الْاَرْضِ وغیرہ کہ یہ اصل میں قَالَا الْحَمْدُ، قَالُوا الْئٰنَ اور فِی الْاَرْضِ تھے پھر ہمزہ وصلی کے درج کلام میں ساقط ہو جانے کی وجہ سے دو ساکن جمع ہو گئے جس کی صورت یہ ہے کہ پہلا ساکن مدہ تو ہے مگر دونوں ایک کلمہ میں نہیں ہیں حکم اس کا یہ ہے کہ پہلا حذف ہو جاتا ہے، جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے اور حروف مدہ کے حذف کا یہی وہ موقعہ ہے جس کے بتانے کا وعدہ اس سے پہلی فصل میں کیا تھا (۳) دونوں ہی شرطیں مفقود ہوں جیسے قُلِ الْحَقُّ قُلِ الْحَمْدُ اور قَدِیْرُنِ الَّذِیْ کہ یہ اصل میں قُلْ اَلْحَقُّ قُلْ اَلْحَمْدُ اور قَدِیْرٌ اَلَّذِی تھے پھر ہمزہ وصلی کے حذف ہو جانے کے بعد دو ساکن جمع ہو گئے اور ان میں سے نہ تو پہلا ساکن مدہ ہے اور نہ ہی دونوں ایک کلمہ میں ہیں حکم اس

کا یہ ہے کہ پہلے ساکن کو کسرہ دیتے ہیں خواہ پہلا ساکن تنوین کا نون ہو یا کوئی اور عہ حرف جیسا کہ ان مثالوں سے ظاہر ہے البتہ چار قسم کے ساکن ایسے ہیں جن پر کسرہ نہیں آتا بلکہ ان میں سے دو پر تو ضمہ آتا ہے۔ اور دو پر فتحہ ۔ جن دو پر ضمہ آتا ہے وہ یہ ہیں (۱) جمع کا میم جیسے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اور بِهِمُ الْاَسْبَابُ وغیرہ (۲) لین کا وہ واؤ جو جمع کے لیے ہو۔ جیسے دَعَوُا اللّٰهَ اور رَاَوُا الْعَذَابَ وغیرہ کہ اصل میں یہ دَعَوْ اور رَاَوْ تھے۔ اور وہ دو جن پر فتحہ آتا ہے۔ یہ ہیں (۱) مِن جارہ کا نون جیسے مِنَ اللّٰهِ اور مِنَ النَّاسِ وغیرہ (۲) سورہ آل عمران کے شروع میں الٓمّٓ کا میم جبکہ اس کو لفظ اللّٰہ سے ملا کر پڑھا جائے اور اس صورت میں میم کی یاء میں مد اور قصر دونوں جائز ہیں۔ مگر خیال رہے کہ میم کا دوسرا میم مشدّد نہ ہونے پائے۔ بعض لوگ وصل کی صورت میں یا کے بعد والے میم کو مشدّد پڑھتے ہیں، جو بالکل غلط اور نادرست ہے۔

سوال:۔ کیا حرف مد کے حذف کا یہ حکم جس کا ذکر دوسری صورت میں کیا گیا ہے عام ہے جو ہر قسم کے مدّہ کو شامل ہے یا تثنیہ کا الف اس سے مستثنےٰ ہے کیونکہ بعض لوگ تثنیہ کے الف کو اس خیال سے کہ اس کے حذف کرنے سے تثنیہ اور واحد میں التباس ہو جاتا ہے مدِّ لازم کی طرح بڑھا کر اور بعض اس میں قدرے اشباع کر کے پڑھتے ہیں؟

جواب:۔ یہ حکم ہر قسم کے مدّہ کو شامل ہے خواہ وہ تثنیہ کا الف ہی کیوں نہ ہو چنانچہ

عہ اور جیسے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ حجرات ع کہ اس میں بھی چونکہ اَلْ اور اِسْم دونوں کے ہمزے وصلی ہیں اس لیے ان کے حذف ہو جانے کے بعد لام پر کسرہ کی حرکت آجاتی ہے اور وہ اِسْم کے سین سے مل کر ادا ہوتا ہے۔

جس طرح تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ میں الف کا حذف ہے اسی طرح ذَاقَا الشَّجَرَةَ اعراف ع۲۔ دَعَوَا اللّٰهَ اعراف ع۲۴۔ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ یوسف ع۳ قَالَا الْحَمْدُ نمل ع۲ کے الف کو حذف کرنا بھی ضروری ہے، اور اس کو مدّ لازم کی طرح کھینچ کر یا اس میں کچھ اشباع کر کے پڑھنا جیسا کہ بعض لوگوں کا طریقہ ہے صحیح نہیں قرات اور عربیت دونوں کی رو سے غلط ہے رہا، واحد اور تثنیہ میں التباس کا اندیشہ سو وہ ان کلمات کے ماقبل اور مابعد والے صیغوں کو دیکھ کر دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان چاروں لفظوں کے جانبین میں تمام صیغے تثنیہ ہی کے ہیں۔ پھر یہ کہ گو یہ الف پڑھنے میں نہیں آتا لیکن لکھا ہوا تو ہے جسے دیکھ کر ان کا واحد کا صیغہ نہ ہونا اور تثنیہ کا ہونا بالکل عیاں ہو جاتا ہے۔

فصل ہفتم حرکات۔ سکون۔ تشدید اور ان کی کیفیت ادا کی بحث

سوال:- حرکات کتنی ہیں اور ان کے نام کیا کیا ہیں اور جس حرف پر حرکت ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟

جواب:- حرکات تین ہیں اور ان کے نام یہ ہیں فتحہ (زبر) ضمہ (پیش) کسرہ (زیر) فتحہ جیسے اَلْحَمْدُ کے ہمزہ اور حا پر ضمہ جیسے یُقِیْمُوْنَ کی یا اور میم پر کسرہ جیسے لِلّٰهِ کے پہلے لام اور ھا پر پھر یہ سمجھو کہ جس حرف پر فتحہ ہو اس کو مفتوح، جس پر ضمہ ہو اس کو مضموم اور جس پر کسرہ ہو اس کو مکسور کہتے ہیں پس اَلْحَمْدُ میں ہمزہ اور حا مفتوح یُقِیْمُوْنَ میں یا اور میم مضموم اور لِلّٰهِ میں پہلا لام اور ھا مکسور کہلاتے ہیں اور مفتوح، مضموم اور مکسور ان تینوں کو متحرک کہتے ہیں اور فتحہ کا دوسرا نام نصب، ضمہ کا دوسرا نام رفع اور کسرہ کا دوسرا نام جر بھی ہے اور گو

فتحہ اور نصب میں ایسے ہی ضمۃ اور رفع میں اور کسرہ اور جر میں علمائے نحو کے نزدیک کچھ فرق ہے۔ مگر چونکہ ادا اور تلفظ کے لحاظ سے ان میں فرق نہیں ہے اس لیے یہاں اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

سوال :- ان تینوں حرکتوں کی کیفیت ادا کیا ہے ؟

جواب :- فتحہ انفتاح فم اور صوت (منہ اور آواز کے کھلنے) سے کسرہ انخفاض فم اور صوت (منہ اور آواز کے پست ہونے) سے اور ضمہ انضمام شفتین (دونوں ہونٹوں کے گول ہونے) سے ادا ہوتا ہے پس ہر حرکت کے ادا کرنے میں اس کی اپنی ہی کیفیت ادا کو ملحوظ رکھنا چاہیئے ورنہ دوسری حرکت کی کیفیت کے اس میں مل جانے سے وہ حرکت ناقص اور غلط ادا ہو گی، رہی ان حرکتوں کی عملی طور پر ادائیگی سو وہ استاذ مجوّد سے سننے اور اس کے موافق مشق کرنے سے ہی آ سکتی ہے

سوال :- کھڑا زبر جیسے مٰلِكِ کے میم پر کھڑی زیر جیسے يُحْيِۦ کی یا کے نیچے اور الٹا پیش جیسے دَاوٗدُ کے واو پر ہے، ان کا تلفظ کس طرح کرنا چاہیئے؟

جواب :- کھڑا زبر الف کا، کھڑی زیر یا مدہ کا اور الٹا پیش واو مدہ کا قائم مقام ہے یعنی یہ تینوں الف یا مدہ اور واو مدہ کی آواز دیتے ہیں پس کھڑے زبر کا تلفظ الف کی طرح، کھڑے زیر کا تلفظ یا کی طرح اور الٹے پیش کا تلفظ واو کی طرح ہوتا ہے لہذا مٰلِكِ میں میم کے بعد الف يُحْيِۦ میں یائے مکسورہ کے بعد ایک اور یائے ساکن معروف اور داوٗدُ میں واو مضموم کے بعد ایک اور واو ساکن معروف بڑھا کر پڑھنا چاہیئے۔ البتہ سورہ ہود کے چوتھے رکوع میں لفظ مجـٖريها کی را کے نیچے جو کھڑا زیر ہے اس کا تلفظ عام کھڑے زیروں سے مختلف ہے یعنی اس کا تلفظ خالص یا جیسا نہیں بلکہ الف اور یا کے درمیان ہے اور اس کو قراء اور مجودین کی اصطلاح میں امالہ کہتے ہیں۔ امالہ کے معنی لغت

میں جھکانے کے ہیں اور اصطلاح میں امالہ کہتے ہیں ۔ فتحہ کو طرف کسرہ کے اور الف کو طرف یاء کے اس طرح جھکا کر پڑھنے کو نہ تو وہ خالص فتحہ اور الف ہی رہے اور نہ ہی خالص کسرہ اور یاء بن جائے ، اور اس را کا تلفظ اُردو میں لفظ ہمارے قطرے اور سویرے کی را کی طرح ہوتا ہے اور حضرت حفصؒ کی روایت میں صرف اسی ایک لفظ میں امالہ ہے اور بعض دوسری روایتوں میں بکثرت امالے ہیں ۔ پس اس کلمے زیر کی جگہ دوسرے موقعوں کی طرح خالص ی پڑھنا سخت غلط اور روایت کے خلاف ہے جو جائز نہیں ۔

سوال :۔ حرکت کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں اور ان کا حکم کیا ہے ؟

جواب :۔ حرکت کی دو قسمیں ہیں (۱) معروف (۲) مجہول اور حکم ان کا یہ ہے کہ قرآن مجید میں بلکہ تمام عربی کتابوں اور عربی بول چال میں حرکت معروف ہی ادا کی جاتی ہے ، مجہول حرکت غیر عربی زبانوں میں مستعمل ہے ، عربی میں اس کا استعمال قطعاً نہیں ہوتا ، حرکت معروف اور مجہول میں لفظی طور پر امتیاز اور فرق تو استاد کی زبان سے سننے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے البتہ بطور علامت اور پہچان اتنی بات سمجھ لو کہ حرکت معروف وہ ہے کہ جس کے کھینچنے سے واؤ معروف اور یائے معروف پیدا ہو اور اگر پیش اور زیر کو اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کے کھینچنے سے واؤ اور یاء مجہول پیدا ہوں تو وہ ضمّہ اور کسرہ مجہول کہلائے گا ، اور یہ دونوں عربی میں معروف ہی پڑھے جاتے ہیں ، مجہول بالکل نہیں پڑھے جاتے اور اردو اور فارسی میں معروف بھی ہیں اور مجہول بھی ، چنانچہ لفظ نور اور لفظ جمیل کی واؤ یاء تو معروف ہیں اور لفظ مور اور لفظ درویش کی واؤ یا مجہول اور چونکہ ایک زبر نصف الف ایک پیش نصف واؤ اور ایک زیر نصف یاء ہوتا ہے ۔ اس لیے جس طرح یہ حروف معروف پڑھے جاتے ہیں ۔ اسی طرح ان حرکتوں کو

بھی معروف ہی پڑھنا چاہیئے۔

سوال :- جب فتحہ کے بعد الف ضمہ کے بعد واؤ اور کسرہ کے بعد یا نہ ہو تو ان کو کیسے ادا کرنا چاہیئے؟

جواب :- اس صورت میں ان حرکات کو اشباع سے بچانا چاہیئے ورنہ یہی حروف پیدا ہو جائیں گے اور اگر حرکات کے بعد حروف مدہ ہوں تو اس صورت میں ان میں ایک الف کے برابر اشباع کرنا ضروری ہے، ورنہ یہ حروف فوت ہو جائیں گے اور صرف حرکتیں ہی رہ جائیں گی۔ اور یہ دونوں صورتیں لحن جلی میں داخل ہیں کیونکہ پہلی صورت میں حرف کی زیادتی لازم آتی ہے۔ اور دوسری صورت میں کمی لیکن اگر ضمہ کے بعد واؤ مشدّد اور کسرہ کے بعد یا مشدّد ہو تو اس صورت میں ان کو اشباع سے بچانا چاہیئے۔ ورنہ مشدّد مخفف ہو جائے گا اور یہ بھی لحن جلی ہے بالخصوص وقف کی حالت میں تو اس کا بہت ہی خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ اس حالت میں اس غلطی کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔

سوال :- سکون کیا چیز ہے اور جس حرف پر سکون ہو اس کو کیا کہتے ہیں۔ نیز یہ کہ اس کے ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب :- سکون حرکت کے نہ ہونے کو کہتے ہیں جس کی علامت یہ ہے (ــْـ) اور جس حرف پر سکون ہو۔ وہ ساکن کہلاتا ہے جیسے وَقْرٌ میں قاف یَنْحَرُ میں حا اور کُفُرٍ میں فا یہ تینوں ساکن ہیں اس لیے کہ ان پر کوئی حرکت نہیں۔ نیز یہ کہ ان پر سکون کی علامت بنی ہوئی ہے اور حرف ساکن کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو جماؤ کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کی آواز مخرج میں رک جائے اور ہلنے نہ پائے اور پھر بغیر فصل کے دوسرا حرف ادا ہو کیونکہ آواز کے ہلنے

ع کیونکہ اگر ساکن کے بعد والا حرف فوراً اور بلا فصل ادا نہ ہوگا تو سکتہ سا ہو جائے گا۔

سے اس میں حرکت کا کچھ اثر آجاتا ہے البتہ حروف قلقلہ کے ادا ہوتے وقت کچھ جنبش اور حرکت سی ضرور ہوتی ہے جس کی وضاحت قلقلہ کی بحث میں گزر چکی ہے۔ پس سکون اور تینوں حرکتوں کے ادا ہونے کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس کو ملحوظ رکھنا بھی تجوید کا ایک اہم حصّہ ہے کیونکہ جس طرح قرآنی حروف کو صحیح پڑھنا ضروری ہے اسی طرح ان کی حرکات وسکنات کو بھی قاعدہ اور طریقہ کے موافق ادا کرنا ضروری ہے اور اسی مقصد کے پیشِ نظر یہ بحث یہاں درج کی گئی ہے۔

فصل ہشتم — مد کا بیان

سوال: مد کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا کیا ہیں؟

جواب:- مد لغت میں دراز کرنے اور کھینچنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں مد کے معنی یہ ہیں اِطَالَةُ الصَّوْتِ بِحَرْفٍ مِّنْ حُرُوْفِ الْمَدِّ اَوِ اللِّیْنِ۔ یعنی حروف مدہ اور حروف لین میں آواز کا دراز کرنا۔ پس اگر کسی اور حرف میں آواز دراز کی جائے گی تو اس پر مد کا اطلاق نہ ہوگا۔

سوال:- حروف مدہ اور حروف لین کتنے اور کون کون سے ہیں؟

جواب:- حروف مدہ تین ہیں (۱) الف یہ ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے (۲) واؤ ساکن جبکہ اس سے پہلے پیش ہو (۳) یائے ساکن جبکہ اس سے پہلے زیر ہو جیسے اُوْتِیْنَا اور اُوْذِیْنَا وغیرہ ان دونوں کلموں میں مد کے تینوں حرفوں کی مثالیں جمع ہیں اور کھڑا زبر، کھڑی زیر اور الٹا پیش یہ تینوں بھی حروف مدہ کی آواز دیتے ہیں۔ جیساکہ فصل سابق میں معلوم ہو چکا ہے۔ اور حروف لین دو ہیں۔

(۱) واؤ ساکن ماقبل مفتوح (۲) یا ساکن ماقبل مفتوح جیسے مِنْ خَوْف اور وَالصَّیْف وغیرہ پس قُوْ لُوْ کا واؤ اور قِیْلَ کی یاء۔ تو حروف مدہ ہیں اور مِنْ خوفٍ کا واؤ اور وَالصَّیْف کی یا حروف لین ہیں۔ خوب سمجھ لو۔

سوال:۔ مد کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب:۔ اوّلاً مد کی دو قسمیں ہیں (۱) اصلی (۲) فرعی۔ اصلی کو طبعی اور ذاتی اور فرعی کو زائد بھی کہتے ہیں پھر مد اصلی کی تو ایک ہی قسم ہے البتہ مد فرعی کی متعدد قسمیں ہیں جس کا بیان عنقریب آرہا ہے۔

سوال:۔ ان دونوں کی تعریف اور وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب:۔ مد اصلی وہ ہے جو کسی سبب پر موقوف نہ ہو اور اس کے ادا ہوئے بغیر حرف کی ذات ہی باقی نہ رہے جیسے قَالَ۔ قِیْلَ اور قُوْلُوْا کا مد کیونکہ اگر ان میں مد نہ کیا جائے تو الف، واؤ اور یاء کی ذات ہی فوت ہو جائے گی اور اب صرف حرکتیں ہی رہ جائیں گی نیز یہ کہ ان مثالوں میں مد کا کوئی سبب بھی موجود نہیں ہے اور اس کا ترک شرعاً حرام ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کا ایک حرف کم ہو جاتا ہے۔ اور مد فرعی وہ ہے جس کا پایا جانا کسی سبب پر موقوف ہو اور اس کے ادا نہ ہونے سے حرف کی ذات معدوم نہیں ہوتی، البتہ قواعد عرفیہ تجویدیہ کا خلاف لازم آتا ہے اور حرفوں کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے جیسے مِنَ السَّمَآءِ۔ سُوْٓءٌ۔ سِیْٓئَتْ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ۔ قَالُوْٓا اِنَّمَا۔ اَلَّذِیْٓ اٰمَنَ۔ آٰلْئٰنَ۔ دَآبَّةٌ۔ آلٓمّٓ۔ حٰمٓ۔ قٓ۔ نٓ۔ تُكَذِّبٰنِ۔ یَعْلَمُوْنَ۔ الرَّحِیْمْ۔ مِنْ خَوْفٍ اور وَالصَّیْفِ[ع] وغیرہ کا مد کیونکہ ان کلمات میں اگر مد فرعی ادا نہ کیا جائے تو حرف کی ذات معدوم نہیں ہوگی البتہ وہ حسن اور خوبصورتی جو مد کرنے کی صورت میں

ع بحالت وقف

پائی جاتی ہے ترک مد کی صورت میں فوت ہو جائے گی اور اس کا ترک اگرچہ حرام تو نہیں مگر موجب گناہ اور مکروہ ضرور ہے اور اصل کے معنی جڑ کے ہیں اور فرع کے معنی شاخ کے ۔ چونکہ حروف مدہ مد کے لیے بمنزل جڑ کے ہوتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوں تو مد کا وجود ہی نہ پایا جائے اور مد فرعی مد اصلی پر مد کی ایسے ہی زائد مقدار ہے جیسے شاخ جڑ پر زائد ہوتی ہے اور جس طرح شاخ کا وجود جڑ کے وجود کے بغیر نہیں ہوتا اسی طرح مد فرعی کا وجود بھی مد اصلی کے بغیر نہیں پایا جاتا اور اسی وجہ سے اس کو مد زائد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے پس جس طرح جڑ تو بغیر شاخ کے پائی جاتی ہے مگر شاخ بغیر جڑ کے نہیں پائی جاتی اسی طرح یہ تو ہو سکتا ہے کہ مد اصلی ہو اور مد فرعی نہ ہو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ مد فرعی تو ہو اور مد اصلی نہ ہو خوب سمجھ لو اور مد اصلی کو طبعی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تقاضا خود طبیعت ہی کرتی ہے ۔ یعنی سلیم الطبع انسان کی طبیعت ہی یہ چاہتی ہے کہ مدہ کو ایک الف کے برابر کھینچا جائے نہ اس سے کم نہ زیادہ اور ذاتی کہنے کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے کہ اس کے بغیر حرف کی ذات ہی باقی نہیں رہ سکتی۔

سوال :- مد کے لیے کتنی اور کن چیزوں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے ؟

جواب :- مد اصلی کے لیے تو صرف ایک ہی چیز یعنی محل مد کا اور مد فرعی کے لیے دو چیزوں یعنی محل مد اور سبب مد کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے ۔

سوال :- محل مد کسے کہتے ہیں اور سببِ مدّ کسے ؟

جواب :- حرف مد اور حرف لین تو محل مد یا شرط مد کہلاتے ہیں اور ہمزہ و سکون سبب مد چنانچہ مِنَ السَّمَاءِ ۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ ۔ ءٰالْـٰٔنَ ۔ دَآبَّةٌ ۔ قٓ اور تُكَذِّبٰنِ میں الف بِالسُّوْٓءِ ۔ قَالُوْٓا اِنَّمَا ۔ نٓ ۔ يَعْلَمُوْنَ ۔ اور مِنْ خَوْفٍ ؕ میں واؤ اور سِيْٓـَٔتْ ۔ الَّذِيْٓ اٰمَنَ ۔ حٰمٓ الرَّحِيْمِ اور

وَالصّٰٓفّٰتِ ٥ میں یا تو شرط مد یا محل مد کہلاتے ہیں اور ہمزہ اور سکون سبب مد پھر ان دو سببوں میں سے ہر ایک کی ڈو ڈو قسمیں ہیں چنانچہ ہمزہ کی دو قسمیں یہ ہیں (۱) ہمزہ متصل (۲) ہمزہ منفصل اور سکون کی یہ (۱) سکون لازم (۲) سکون عارض اس بنا پر مد فرعی کی چار قسمیں ہو جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

مد فرعی کی قسمیں

سوال :- مد فرعی کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں ؟

جواب :- اجمالی قسمیں چار ہیں اور تفصیلی نو۔ پس اجمالی چار تو یہ ہیں، واجب، جائز، لازم، عارض اور واجب کو متصل اور جائز کو منفصل بھی کہتے ہیں اور تفصیل کے درجہ میں مد لازم کی چار قسمیں کی گئی ہیں، نیز یہ کہ جس طرح حرف مد کے کے بعد ہمزہ اور سکون کے آنے سے مد ہوتا ہے اسی طرح حرف لین کے بعد بھی صرف سکون کے آنے سے مد ہوتا ہے اور سکون دو طرح کا ہوتا ہے اصلی اور عارضی اس لیے حرف لین میں بھی مد کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں مد لین لازم مد لین عارض اور اب ہم آئندہ صفحات میں مد کی ان قسموں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں غور سے پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

سوال :- مد متصل کی کیا تعریف ہے، نیز یہ کہ اس کو متصل اور واجب کیوں کہتے ہیں ؟

جواب :- اگر حرف مد کے بعد ہمزہ اسی کلمہ میں ہو جس کلمہ میں کہ حرف مد ہے جیسے سَوَآءٌ۔ سُوْٓءٌ سِیْٓـَٔتْ وغیرہ تو یہ مد متصل اور مد واجب کہلاتا ہے واجب تو اس لیے کہ یہ ہر حال میں ہوتا ہے نیز یہ کہ اس کا ترک کسی روایت میں بھی جائز نہیں۔ اور متصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ہمزہ اور حرف مد دونوں

مل کر ایک ہی کلمہ میں آتے ہیں۔

سوال :۔ مد منفصل کی کیا تعریف ہے اور اس کو منفصل اور جائز کہنے کی کیا وجہ ہے ؟

جواب :۔ اگر حرف مد ایک کلمہ کے آخر میں ہو اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں ہو جیسا کہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اور ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وغیرہ تو اس کو مد جائز اور مدِ منفصل کہتے ہیں، جائز تو اس لیے کہ یہ بعض روایتوں میں ہوتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا جس کی تفصیل قرأت کی کتابوں میں موجود ہے بلکہ خود روایت حفصؒ میں بھی بہ طریق جزری اس کا ترک جائز ہے علاوہ ازیں یہ مد صرف وصل ہی میں ہوتا ہے اور اگر پہلے کلمہ پر وقف کر دیا جائے تو یہ مد نہیں ہوتا مثلاً قَالُوْٓا اٰمَنَّا میں قَالُوْٓا پر فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ میں فی پر اور ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا میں ظَلَمْنَا پر اگر وقف کر دیا جائے تو اب یہ مد نہ ہوگا، بلکہ اس صورت میں حروف مدہ صرف اپنی اصلی مقدار کے ساتھ یعنی ایک الف کے برابر ہی ادا ہوں گے اور منفصل اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں متصل کی طرح ہمزہ اور حرف مد دونوں ایک ہی کلمہ میں مل کر نہیں آتے بلکہ دونوں دو کلموں میں ہوتے ہیں۔

سوال : جو شخص کلمہ کا ایک یا دو ہونا نہ سمجھ سکتا ہو، وہ مد متصل اور مد منفصل کے فرق کو کیسے سمجھ سکتا ہے ؟

جواب :۔ ان دونوں میں باہم فرق یہ ہے کہ حرف مد کے بعد جہاں ہمزہ بصورت الف (لکھا ہوا ہو) اس کو مد منفصل سمجھو چنانچہ اس کی مثالوں میں تم ایسا ہی پاؤ گے اور جہاں ہمزہ بصورت سر اعین لکھا ہو وہ مد متصل ہے چنانچہ سُوْٓءٌ وغیرہ میں بھی صورت ہے۔ البتہ ھٰٓـؤُلَآءِ ایک ایسا کلمہ ہے جس

میں باوجودیکہ اُولآءِ کا ہمزہ بصورت سر اعین نہیں - بلکہ بصورت واو ہے لیکن اس پر بھی ھا کا مد متصل نہیں بلکہ منفصل ہے اور اس میں واؤ کے اوپر جو عین کا سرا بنا ہوا جو دیکھتے ہو تو اس کی وجہ کتاب کے آخر میں رسم کی بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گی۔

سوال - مدلازم کی کیا تعریف ہے اور اس کو لازم کہنے کی کیا وجہ ہے ؟

جواب :- اگر حرف مد کے بعد سکون لازم ہو یعنی ایسا حرف ہو۔جس کا سکون اصلی ہو کہ وقف کی وجہ سے ساکن نہ ہوا ہو بلکہ وقف و وصل دونوں حالتوں میں ساکن ہی پڑھا جاتا ہو، جیسے دَآبَّةٍ خَآصَّةً آلْـٰٔنَ الٓمّٓ وغیرہ تو اس کو مدّ لازم کہتے ہیں اور اس کو لازم کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کا سبب سکون لازم ہوتا ہے ۔اور اس مدّ کی کئی قسمیں ہیں ۔

سوال :- مدلازم کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں ؟

جواب :- چار قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں۔ مدلازم کلمی مثقل ، مدلازم کلمی مخفف ، مدلازم حرفی مثقل ، مدلازم حرفی مخفف ۔

سوال :- ان چاروں کی الگ الگ تعریف کیا ہے ؟

جواب :- جب حرف مد اور سکون لازم جمع ہوں تو دیکھو کہ جس کلمہ میں یہ جمع ہوئے ہیں ، وہ حروف مقطعات میں سے کوئی حرف ہے یا کوئی دوسرا کلمہ ہے اگر پہلی صورت ہے تو یہ مد لازم حرفی ہے جیسے الٓمّٓ - صٓ - حٰمٓ عٓسٓقٓ وغیرہ کا مد اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ مدلازم کلمی ہے جیسے آلْـٰٔنَ - دَآبَّةٍ خَآصَّةً اَلطَّآمَّةُ وغیرہ کا مد پھر کلمی اور حرفی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں یعنی مثقل اور مخفف اور وہ اس طرح کہ اگر وہ حرف ساکن جو مد کا سبب بن رہا ہے دوسرے حرف میں مدغم ہو کر مشدد پڑھا جا رہا ہو تب تو وہ

مد مثقل کہلائے گا جیسے دَآبَّۃ الصَّآخَّۃ کا اور الٓمّٓ اور طٰسٓمّٓ میں لام اور سین کا مد اور اگر اس ساکن حرف کے بعد کوئی ایسا حرف نہ ہو جس میں اس کا ادغام ہو سکتا ہو جیسا کہ آٰلْئٰنَ میں لام سے پہلے والے الف کا اور الٓمّٓ اور طٰسٓمّٓ میں میم کا مد تو اس صورت میں یہ مخفف کہلائے گا پس دَآبَّۃ مد لازم کلمی مثقل کی آٰلْئٰنَ مد لازم کلمی مخفف کی، اور الٓمّٓ میں پہلی حرفی مثقل کی اور دوسری حرفی مخفف کی مثال ہے خوب سمجھ لو۔

سوال :- حروف مقطعات کن حرفوں کو کہتے ہیں اور یہ کتنے ہیں اور ان کی کتنی قسمیں ہیں نیز یہ کہ ان میں مد لازم کس قسم میں ہوتا ہے اور کس قسم میں نہیں ہوتا؟

جواب :- بعض صورتوں کے شروع میں جو حروف تہجی الگ الگ اور پورے پورے پڑھے جاتے ہیں جیسے سورہ بقرہ کے شروع میں الٓمّٓ سورہ اعراف کے شروع میں الٓمّٓصٓ اور سورہ مریم کے شروع میں کٓھٰیٰعٓصٓ وغیرہ وغیرہ ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں اور یہ کل چودہ ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

ا، ح، ر، س، ص، ط، ع، ق، ک، ل، م، ن، ہ، ی، اور ان کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جن میں سرے سے حرف مد کا وجود ہی نہیں اور وہ لفظ الف ہے اس میں تو مد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو باقی رہے ان کی دو قسمیں ہیں (۱) دو حرفی اور یہ پانچ ہیں جو (حَیٌّ طَھُرَ) میں جمع ہیں ان میں گو حرف مد تو ہے مگر چونکہ بعد میں مد کا سبب یعنی سکون نہیں اس لیے مد فرعی ان میں بھی نہیں ہوتا، ہاں اصلی ہوتا ہے (۲) تین حرفی اور ایسے حروف آٹھ ہیں جو (کَمْ عَسَلْ نَقَصْ) میں جمع ہیں ان میں سے سات میں تو بیچ کا حرف مدہ ہے اور ایک میں بیچ کا حرف یائے لین ہے اور تیسرا حرف سب میں ساکن ہے اس لیے ان آٹھوں میں سکون لازم کی وجہ سے مد ہوگا

لہ مد لازم کلمی مخفف کا سارے قرآن میں یہی ایک کلمہ ہے۔

اور اسی لیے ان آٹھوں حرفوں پر مد کی علامت بنی ہوئی ہے۔

سوال:۔ مد عارض کی کیا تعریف ہے اور اس کو عارض کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ اگر حرف مد کے بعد سکون عارض ہو یعنی ایسا حرف ہو جو صرف وقف ہی کی وجہ سے ساکن پڑھا جاتا ہو اور وصل میں متحرک ادا ہوتا ہو جیسے اَلْعٰلَمِیْنَ ۝ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ نَسْتَعِیْنُ ۝ تُکَذِّبٰنِ ۝ یَعْلَمُوْنَ ۝ وغیرہ تو اس کو مد عارض کہتے ہیں اور اس کا دوسرا نام مد وقفی بھی ہے۔ عارض تو اس لیے کہ یہ سکون عارض کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثالوں میں حروف مدہ کے بعد والے نون کا سکون عارض ہی ہے کیونکہ یہ صرف وقفاً ہی ساکن پڑھا جاتا ہے۔ اور وصل میں اصل کے اعتبار سے متحرک ادا ہوتا ہے اور وقفی کہنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ صرف وقف میں ہی ہوتا ہے۔ وصل میں نہیں ہوتا چنانچہ اگر ایسے کلموں کا ما بعد سے وصل کیا جائے تو یہ مد نہیں ہوگا۔ اور بعض دفعہ عارض اور وقفی دونوں کو ملا کر مد عارض وقفی بھی کہہ دیتے ہیں۔

حروف لین میں مد اور اس کا سبب

سوال:۔ حروف لین میں مد کب اور کس سبب سے ہوتا ہے؟

جواب:۔ حروف لین میں بھی مد انہی دو سببوں میں سے صرف ایک سبب یعنی سکون ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس حرف مدہ میں تو مد فرعی دو وجہ سے ہوتا ہے (۱) ہمزہ کی وجہ سے (۲) سکون کی وجہ سے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل گزری۔ لیکن حروف لین میں صرف سکون ہی کی وجہ سے ہوتا ہے ہمزہ کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ البتہ سکون کی یہاں بھی وہی دو قسمیں ہیں۔ جو اوپر بیان ہوئیں یعنی سکون لازم اور سکون عارض اور مد ان دونوں ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پس اگر حرف لین میں مد سکون اصلی یعنی سکون لازم کی وجہ سے ہوگا، تو وہ مد لین لازم کہلائے گا اور اگر سکون عارض کی وجہ سے ہوگا تو اس کو مدلین عارض کہیں گے۔ مدلین عارض کی مثالیں تو قرآن میں بہت ہیں جیسے مِنْ خَوْفٍ۝ والصَّيْفِ ۝ لَاضَيْرَ ۝ شَيْءٌ ۝ اَلسَّوْءِ اور اَلطَّيْرُ۝ وغیرہ بحالت وقف مگر مدلین لازم سارے قرآن میں صرف ایک ہی لفظ میں پایا گیا ہے اور وہ لفظ عین ہے جو دو جگہ آیا ہے یعنی سورۂ مریم اور سورۂ شوریٰ کے حروف مقطعات میں جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔ بس اس ایک لفظ کے سوا اور کسی کلمہ میں مدلین لازم نہیں پایا گیا اور رَاْیَ الْعَيْنِ جو سورۂ آل عمران ع میں ہے، چونکہ اس کے نون کا سکون عارضی ہے اسلئے اس میں بھی مدلین عارض ہی ہے اور چونکہ حرف لین میں مد کا سبب ہمزہ نہیں بنتا اس لیے فَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ اور ابْنَيْ اٰدَمَ جیسے کلمات میں مد نہیں ہوگا اور مِنْ شَيْءٍ اور اَلسَّوْءِ جیسی مثالوں میں بھی مد صرف وقفاً ہی ہوگا اور وصل میں وقفی سکون کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ خوب سمجھ لو۔

سوال:۔ سورہ مریم اور سورہ شوریٰ کا لفظ عین جس کا ذکر ابھی ہوا ہے کیا اس میں بھی باقی تین حرفی مقطعات کی طرح صرف مد ہی ہے یا کوئی اور وجہ بھی جائز ہے؟

جواب:۔ اس میں دو وجہیں ہیں (۱) باقی سات کی طرح مَدّ (۲) قصر یعنی مَدّ فرعی کا ترک مگر اولیٰ اور بہتر اس میں بھی مَدّ ہی ہے، اس لیے کہ اس میں بھی باقی حروف مقطعات کی طرح تیسرے حرف یعنی نون کا سکون اصلی اور لازم ہے اور پھر یہ بھی سمجھو کہ مَدّ کی مقداریں دو ہیں ۱۔ طول ۲۔ توسط اور اس میں دونوں صحیح ہیں۔ پس اس میں کل تین وجوہ ہوگئیں (۱) طول (۲) توسط (۳) قصر ان میں

سب سے بہتر طول ہے پھر توسط اور پھر قصر بلکہ قصر نہایت ہی ضعیف ہے۔

مدّوں کی مقداریں اور اُن کے بارے میں اقوال

سوال :- مدوں کی قسمیں اور ان کی تعریفیں تو ہمیں خدا کے فضل و کرم سے معلوم ہو گئی ہیں اب مہربانی کر کے ہمیں ان کی مقداریں بھی بتا دیجئے۔

جواب :- مد اصلی میں تو صرف قصر ہی ہوتا ہے اور قصر کی مقدار ایک الف یعنی دو حرکتوں کے برابر ہے لہذا مد اصلی کو اس مقدار سے زیادہ بڑھا کر پڑھنا جائز نہیں اور الف کی مقدار دریافت کرنے کا طریقہ اوپر غنہ کی بحث میں بیان ہو چکا ہے رہیں مد فرعی کی قسمیں سو ان کی مقداروں کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ ان میں سے مد متصل اور منفصل میں تو۔ توسط ہوتا ہے۔ جس کی تین مقداریں ہیں (۱) دو الف چار حرکتیں (۲) اڑھائی الف پانچ حرکتیں (۳) چار الف آٹھ حرکتیں ۔ اور مد منفصل میں قصر (صرف ایک الف کے برابر کھینچنا) بھی جائز ہے۔ مگر بطریقہ جزریؒ ۔ اور شاطبیہ کے طریق سے اس میں بھی توسط ہی ضروری ہے۔ اور مد لازم کی چاروں قسموں میں طول ہوتا ہے اور طول کی مقداریں دو قول ہیں (۱) تین الف (۲) پانچ الف ۔ اور مد عارض وقفی مد لین لازم اور لین عارض ان تینوں میں تین تین وجوہ ہیں (۱) پانچ الفی یا تین الفی طول (۲) تین الفی یا دو الفی توسط (۳) قصر یعنی صرف ایک ہی الف کے برابر مگر فرق یہ ہے کہ مد عارض وقفی اور مد لین لازم میں تو افضل طول ہے، پھر توسط اور پھر قصر کا مرتبہ ہے اور مد لین عارض میں اس کا عکس ہے یعنی اس میں اولیٰ قصر ہے۔ پھر توسط اور پھر طول کا درجہ ہے خوب سمجھ لو۔

سوال :- کیا مد فرعی کی سب قسموں کی حیثیت اور ان کا مرتبہ ایک ہی ہے یا ان میں

باہم کچھ فرق ہے۔

جواب :۔ فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ان چھ میں سے تین قوی ہیں اور تین ضعیف چنانچہ لازم ولین لازم میں سے لازم۔ عارض ولین عارض میں سے عارض اور متصل ومنفصل میں سے متصل یہ تین تو قوی ہیں اور ان کے مقابلہ میں لین لازم لین عارض اور منفصل یہ تین ضعیف ہیں اور قوی وضعیف کی اس تقسیم کے نیز طول اور توسط کے مقدار کے بارہ میں جو مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان کے جاننے سے جو مقصود ہے اس کی وضاحت آگے آتی ہے۔

سوال :۔ مدوں کو قوی اور ضعیف میں جو تقسیم کیا گیا ہے نیز یہ کہ طول اور توسط کے مقدار کے بارہ میں جو مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں تو اس کا کیا مقصد ہے؟

جواب :۔ یہ ایک ضابطہ اور اصول ہے کہ تلاوت میں جب کئی مدیں جمع ہوں تو ان میں برابری اور مساوات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے اس طرح کہ نہ تو ان کی وجوہ میں عدم مساوات لازم آئے اور نہ ان وجوہ کی مقداروں کے بارہ میں جو مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں خلط ہی ہونے پائے ہاں اگر ان میں سے ایک قوی اور دوسری ضعیف ہو تو اس صورت میں قوی کو ضعیف سے بڑھانا بھی جائز ہوتا ہے۔ لیکن ضعیف کو قوی سے بڑھانا جائز نہیں ہوتا۔ تو جب تک یہ معلوم نہیں ہوگا کہ قوی کونسی ہے اور ضعیف کونسی تو ظاہر ہے کہ اس وقت تک اس ضابطہ کو اپنانا اور اس کے موافق عمل کرنا ممکن نہیں ہوگا بس اسی مقصد کے پیش نظر مختلف اقوال بھی ذکر کیے گئے ہیں اور قوی اور ضعیف کی تقسیم بھی کی گئی ہے اور اس مسئلہ کی وضاحت مع امثلہ کے آگے آرہی ہے۔

سوال : طول اور توسط کے بارہ میں جو مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں یا مد عارض اور لین عارض وغیرہ میں جو تین تین وجوہ بیان کی گئی ہیں، کیا تلاوت میں ان سب

کا جمع کرنا ضروری ہوتا ہے، یا ان میں سے صرف کسی ایک کا اختیار کر لینا ہی کافی ہوتا ہے؟

جواب :- ان وجوہ اور اقوال میں سے صرف ایک کو اختیار کر لینا ہی کافی ہوتا ہے بلکہ قاری کے لیے اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ تلاوت کے شروع میں جس قول یا جس وجہ کو اختیار کیا ہے ختم تلاوت تک اسی کو اختیار کرتا چلا جائے اور ایسا نہ کرے کہ کہیں تو دو الفی توسط کرے کہیں اڑھائی الفی اور کہیں چار الفی، یا کہیں تین الفی طول کرے اور کہیں پانچ الفی۔ مثلاً اَتُحَآجُّوْنِّیْ میں اگر پہلی جگہ پانچ الفی طول کیا ہے تو دوسری جگہ بھی پانچ الفی ہی کرے اور اگر تین الفی کیا ہے تو دوسری جگہ بھی تین الفی ہی کرے۔ اور اسی طرح مد عارض وقفی اور مدلین عارض میں بھی اگر پہلی جگہ طول کیا ہے، تو تلاوت کے آخر تک طول ہی کرتا چلا جائے اور قصر، توسط میں بھی اسی برابری اور احتیاط کو ملحوظ رکھے اور ایسا نہ کرے کہ کہیں تو طول کرے۔ کہیں توسط، اور کہیں قصر وغیرہ وغیرہ اور ایسے ہی اس بات کا بھی خیال رکھے کہ ضعیف کی ترجیح قوی پر نہ ہونے پائے۔ مثلاً وَعَلَّمَ اٰدَمَ سے صٰدِقِیْنَ تک پڑھنا چاہے تو اس میں چونکہ چار جگہ مد متصل ہے اور ایک جگہ مد منفصل، تو اب اس میں اس بات کا خیال رکھے کہ اَلْاَسْمَآءَ میں اگر دو الفی توسط کیا ہے تو اَلْمَلٰٓئِکَةِ بِاَسْمَآءِ اور اَوْلَآءِ میں بھی دو الفی ہی کرے اور اگر پہلی جگہ اڑھائی الفی یا چار الفی کیا ہے تو باقی تین میں بھی اسی قول کو اختیار کرے اور ایسا نہ کرے کہ پہلی جگہ تو دو الفی کرے اور دوسری جگہ اڑھائی الفی اور تیسری اور چوتھی جگہ چار الفی وغیرہ وغیرہ اور ھٰٓؤُلَآءِ میں چونکہ مد منفصل ہے اس لیے اس میں یا تو اسی قول کو لے جس کو کہ باقی چار مدوں میں لیا ہے اور یا منفصل کی مقدار کو متصل کی مقدار سے کم رکھے دونوں صورتیں جائز

ہیں لیکن یہ جائز نہیں کہ اُولَآءِ اور بِاَسْمَآءِ وغیرہ میں تو دو الفی یا اڑھائی الفی توسط کرے اور ھا میں چار الفی وغیرہ وغیرہ اس لیے کہ منفصل ضعیف ہے اور متصل قوی پس قوی تو ضعیف سے بڑھ سکتی ہے لیکن ضعیف قوی سے نہیں بڑھ سکتی اور مثلاً سورہ فاتحہ میں اگر اَلْعٰلَمِیْنَ ۝ میں قصر کیا ہے تو وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ تک قصر ہی کرتا چلا جائے اور ایسے ہی اگر توسط کیا ہے، تو آخر تک توسط اور طول کیا ہے۔ تو آخر تک طول ہی کرتا چلا جائے اور پھر توسط کی صورت میں اگر اَلْعٰلَمِیْنَ ۝ میں دو الفی توسط کیا ہے، تو ختم تک اسی قول [illegible] اور اسی طرح اڑھائی الفی اور چار الفی میں بھی اسی برابری اور مساوات کو ملحوظ رکھے اور طول کے دونوں قولوں میں بھی یہی احتیاط برتنے اور یہ نہ ہو کہ اَلْعٰلَمِیْنَ ۝ میں تو طول کرے اور اَلرَّحِیْمِ میں توسط اور نَسْتَعِیْنُ ۝ میں قصر یا اسی طرح کہیں قصر کہیں توسط اور کہیں طول وغیرہ وغیرہ یا نَسْتَعِیْنُ ۝ میں تو تین الفی طول کرے اور مُسْتَقِیْمَ میں پانچ الفی یا مُسْتَقِیْمَ میں تو دو الفی توسط کرے اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ میں چار الفی اور ایسے ہی اگر مد عارض اور لین عارض جمع ہوں تو اس میں بھی اس بات کا خیال رکھے کہ یا تو ان دونوں میں مساوات (برابری) ہو اور یا قوی ضعیف سے بڑھ جائے اور ضعیف کی قوی پر ترجیح یہاں بھی جائز نہیں اور ان دونوں میں مد عارض قوی ہے اور لین عارض ضعیف مثلاً سورہ قریش میں وَالصَّیْفِ ۝ اور مِنْ خَوْفٍ ۝ کی مقدار یا تو مِنْ جُوْعٍ کی مقدار کے برابر ہو یا اس سے کم اور یہ جائز نہیں کہ مِنْ جُوْعٍ میں تو قصر یا توسط کیا جائے اور وَالصَّیْفِ ۝ اور مِنْ خَوْفٍ ۝ میں طول وغیرہ وغیرہ اس لیے کہ یہ تمام باتیں معیوب اور کمال تجوید کے منافی اور خلاف اولیٰ ہیں۔ ہاں اگر طلبا کو ان مقداروں کا عملاً فرق سمجھانا مقصود ہو تو ایسی صورت میں ان اقوال و وجوہ کے جمع

کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مفید ہے واللہ واعلم

فصل نہم ۔ ہائے ضمیر کے احکام

سوال :۔ ہائے ضمیر سے کونسی ھا مراد ہے ؟

جواب :۔ وہ ھا جو منصوب متصل اور مجرور منفصل کی ضمیر واحد مذکر غائب کے لیے آتی ہے اس سے مراد ہائے ضمیر ہے اور یہ ھا اسم کے ساتھ بھی متصل ہوتی ہے فعل کے ساتھ بھی اور حرف کے ساتھ بھی جیسے اَكَلَهُ ۔ اِنَّهُ ۔ قَوْمُهُ بِهٖ اور اِلَيْهِ وغیرہ کی ھا۔

سوال :۔ تجوید کی کتابوں میں ھائے ضمیر سے متعلق کس قسم کے احکام بیان کیے جاتے ہیں ؟

جواب :۔ دو طرح کے (۱) اس کی حرکت سے متعلق (۲) اس کے صلہ اور عدم صلہ سے متعلق۔

سوال :۔ ہائے ضمیر پر کونسی حرکت آتی ہے ؟

جواب : اگر ہائے ضمیر کے قبل یائے ساکنہ ہو خواہ مدہ ہو، خواہ لین جیسے فِيْهِ اِلَيْهِ یا کسرہ ہو جیسے بِهٖ تو ان دو صورتوں میں ہائے ضمیر مکسور پڑھی جاتی ہے، البتہ چار کلموں میں جو پانچ جگہ آئے ہیں، اس عام قاعدہ کیخلاف پڑھی جاتی ہے اس طرح کہ دو میں تو مضموم ہے اور دو میں ساکن، پس جن دو میں مضموم پڑھی جاتی ہے وہ یہ ہیں (۱) وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ سورۂ کہف ع ۹ (۲) عَلَيْهُ اللّٰهَ، سورۂ فتح ع ۱ اور جن دو میں ساکن پڑھی جاتی ہے وہ یہ ہیں (۱) اَرْجِهْ دو جگہ اعراف ع ۱۳ اور شعرآء ع ۳ (۲) فَاَلْقِهْ نمل ع ۳۔ اور اگر ہائے ضمیر سے پہلے کسرہ یا یائے ساکنہ کے علاوہ کوئی اور صورت ہو تو ہائے ضمیر مضموم پڑھی جاتی ہے جیسے

احناہ، رَاَیْتُمُوْہُ، لَہٗ، رَسُوْلُہٗ اور مِنْہُ اور یہ کل پانچ صورتیں بنتی ہیں غور کرکے خود متعین کرلو، ہر ایک کی مثال لکھ دی گئی ہے۔ البتہ وَیَتَّقْہِ سورہ نور ع کی ھا اس قاعدہ سے مستثنٰے ہے کہ بجائے مضموم پڑھی جانے کے مکسور پڑھی جاتی ہے، خوب سمجھ لو، پس ہائے ضمیر پر بس یہی دو حرکتیں آتی ہیں یعنی کسرہ اور ضمہ اور اس ھا پر فتحہ کسی صورت میں بھی نہیں آتا۔

سوال :- ہائے ضمیر میں صلہ کس صورت میں ہوتا ہے اور کس صورت میں نہیں ہوتا؟

جواب :- جب ہائے ضمیر کے ماقبل اور مابعد دونوں طرف حرکت ہو تو اس صورت میں ہائے ضمیر صلہ سے پڑھی جائے گی۔ پھر اگر ہائے ضمیر مضموم ہوگی، تو صلہ واؤ کے ساتھ ہوگا اور اگر مکسور ہوگی، تو صلہ یاء کے ساتھ ہوگا جیسے اَمْرُہٗ اِلَی اللّٰہِ اور بِوَجْھِہٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ البتہ یَرْضَہُ لَکُمْ سورہ زمر ع کی ھا باوجودیکہ اس کے ماقبل و مابعد دونوں طرف حرکت والا حرف ہے۔ مگر پھر بھی اس میں صلہ نہیں ہوتا اور اگر ہائے ضمیر کے ماقبل یا مابعد یا دونوں طرف ساکن حرف ہوگا تو ان تینوں صورتوں میں اس میں صلہ نہیں کیا جائے گا جیسے مِنْہُ الْمَآءَ یُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ اور فِیْہِ اَبَدًا وغیرہ البتہ فِیْہٖ مُھَانًا سورہ فرقان ع میں باوجودیکہ اس کی ھا کے ماقبل یائے ساکنہ ہے۔ مگر پھر بھی اس میں صلہ ہوتا ہے اور وَمَآ اَنْسٰنِیْہُ، اَلْقِہْ۔ یَرْضَہُ لَکُمْ اور فِیْہٖ مُھَانًا ان سب کے مستثنٰے ہونے کی وجوہ فوائد مکیہ کی شرح میں بیان ہوں گی۔ انشاء اللہ

سوال :- صلہ کے کیا معنی ہیں؟

جواب :- صلہ کے یہ معنی ہیں کہ ھائے ضمیر کی حرکت کو اشباع سے یعنی اس طرح کھینچ کر پڑھا جائے کہ ضمہ کے بعد واؤ ساکن معروف اور کسرہ کے بعد یائے ساکن معروف

پیدا ہو جائے چنانچہ رَسُوْلُہٗ اور بِہٖ جیسی مثالوں میں ھا کے بعد واؤ مدہ اور یاء مدہ کا جو تم تلفظ کرتے ہو، اسی کا نام صلہ ہے حالانکہ یہاں واو اور یا لکھے ہوئے نہیں ہیں اور اس کو مد صلہ بھی کہتے ہیں پھر اگر ھا کے بعد ہمزہ ہو جیسے بِہٖٓ اِنَّہٗ اور رَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ وغیرہ ہے تو قاعدہ کے مطابق اس میں مد منفصل بھی ہوگا

سوال :۔ کیا ہائے ضمیر میں صلہ وقف و وصل دونوں حالتوں میں ہوتا ہے یا صرف وصل میں

جواب :۔ صلہ صرف وصلاً ہی ہوتا ہے اور وقف میں نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صلہ نام ہے حرکت کے کھینچنے کا اور وقف میں حرف موقوف علیہ ساکن پڑھا جاتا ہے پس جب حرکت ہی نہ رہی تو صلہ کیسے اور وقف بالروم میں گو ثلث حرکت یعنی حرکت کا تیسرا حصہ ادا ہوتا تو ہے مگر صلہ کا درجہ چونکہ اکمال حرکت کے بعد سے شروع ہوتا ہے اس لیے اس صورت میں بھی صلہ کا نہ ہونا ظاہر ہے۔

سوال :۔ مَانَفْقَہُ سورہ ھود ع ۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَہِ تین جگہ سورہ شعرآء ع و ع اور سورہ مریم ع ۔ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ سورہ علق ۔ فَوَاکِہُ سورہ مومنون ع اور صٰفّٰت ع کیا ان کلمات کی ھا میں بھی صلہ ہوگا؟

جواب :۔ نہیں اس لیے کہ ان کلمات میں جو ھا ہے وہ ضمیر کی نہیں بلکہ نفس کلمہ کی ہے چنانچہ نَفْقَہُ اور فَوَاکِہُ میں تو لام کلمہ کی ہے اور تَنْتَہِ اور یَنْتَہِ میں عین کلمہ کی۔

سوال :۔ سورہ بقرہ ع میں لَمْ یَتَسَنَّہْ سورہ انعام ع میں اِقْتَدِہْ سورۃ الحاقہ ع میں کِتَابِیَہْ دو جگہ حِسَابِیَہْ دو جگہ مَالِیَہْ، سُلْطَانِیَہْ ایک ایک جگہ اور سورۃ القارعہ میں مَاھِیَہْ ان نو کلمات میں کونسی ھا ہے اور اس کا کیا حکم ہے اور یہ کیوں لائی جاتی ہے۔

جواب: ان میں ہائے سکتہ ہے اور یہ کلمہ کے آخری حرف کی حرکت کے ظاہر کرنے کے لیے لائی جاتی ہے اور حکم اس کا یہ ہے کہ یہ وقف وصل دونوں حالتوں میں ساکن پڑھی جاتی ہے چنانچہ ان کلمات پر خواہ تم وقف کرو اور خواہ ان کو مابعد سے ملاکر پڑھو یہ ہر حال میں ساکن ہی پڑھی جائے گی اور اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ اپنی پوری صفات کے ساتھ ادا ہو۔ بعض لوگ اس کو الف سے بدل دیتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ اور ان میں سے مَالِيَهْ کی ھا سے متعلق ایک قاعدہ ادغام کی بحث میں بھی گذر چکا ہے۔

فصل دہم - چند ضروری تنبیہات

سوال:- اس فصل میں کس قسم کے مسائل بیان کیے جا رہے ہیں اور وہ کونسی غلطیاں ہیں جو پڑھنے والوں سے عام طور پر ہو جاتی ہیں؟

جواب:- اس فصل میں چند ایسی غلطیوں پر تنبیہ کرنا مقصود ہے جو عام طور پر پڑھنے والوں سے ہو جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم اسی قسم کی چند غلطیوں کی طرف نمبروار توجہ دلاتے ہیں جو غفلت بے اعتنائی یا عجلت کی وجہ سے عام طور پر دوران تلاوت بھی ہو جاتی ہیں، ان تنبیہات کو غور سے پڑھو، اور ان غلطیوں سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرو۔

تنبیہ (۱) جب دو حلقی حرف جمع ہوں، مثلاً فَسَبِّحْهُ میں حا و ھا اِنَّ اللهَ عَهِدَ میں ھا و عین طُبِعَ عَلٰی میں دو عین، فَاصْفَحْ عَنْهُمْ میں حا و عین اور اَعُوْذُ میں ہمزہ و عین وغیرہ یا حرف حلقی اور حرف مد جمع ہوں جیسے فاعِلِیْنَ - عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ - عَلٰی عَقِبَیْهِ - عَاهَدَ - نُوْحُ - اهْبِطْ وَمَا قَدَرُ اللهَ حَقَّ اور یَفِیْ عِلِّیِّیْنَ وغیرہ تو ہر ایک کو خوب صاف صاف اور ایک دوسرے سے ممتاز کر کے ادا کرنا چاہیئے[1]۔ اور ایسے ہی جب دو متشابہ الصوت

[1] مگر عین وحا کے ادا کرتے وقت گلا نہیں گھونٹنا چاہیئے بلکہ یہ دونوں وسط حلق سے نہایت لطافت کے ساتھ بلا تکلف ادا ہونے چاہئیں

حرف رایسے حرف جن کی آواز ملتی جلتی ہو) جمع ہوں۔ جیسے بعض الظّٰلِمِیْنَ ۝ لَیَعَضُّ الظّٰالِمُ ۝ بَعْضَ الظَّنِّ اور اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ میں ضاد، ظا مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ میں ثا، سین۔ عَزِیْزٌ ذُوالْتِقَامٍ میں زا، ذال۔ اَلَیْسَ الصُّبْحُ میں سین، صاد۔ تَطَّلِعُ میں تا، طا تو ان کو خوب صاف صاف ادا کرنا چاہیئے اور ہر ایک کی جو صفت۔ ہو وہ اس کو دینی چاہیئے خیال نہ کرنے سے بعض دفعہ کچھ ایسا خلط ملط سا ہو جاتا ہے کہ دونوں حرف الگ الگ اور صاف صاف ادا نہیں ہوتے اور ایسے ہی جب دو ضعیف حرف جمع ہوں۔ مثلاً جِبَاهُهُمْ میں دو ہا یا ایک ضعیف اور دوسرا قوی ہو جیسے اِهْدِنَا میں ھا، دال یا دو حرف مفخم متصل یا قریب قریب ہوں جیسے ضَلْضَالٍ میں دو صاد اور مُضْطَرٍّ میں ضاد، طا یا دو مشدد حرف قریب قریب یا متصل ہوں جیسے ذُرِّیَّتَهٗ، مُطَهَّرِیْنَ مِنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی۔ لُجِّیٍّ یَّغْشٰهُ اور وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ میں ہیں۔ تو ہر ایک کو ممتاز کر کے پڑھنا چاہیئے اور جس میں جو صفت ہو۔ اس کو پورے طور سے ادا کرنا چاہیئے یا مثلین متجانسین اور متقاربین اس طرح جمع ہوں کہ ان میں شرط کے نہ پائے جانے یا مانع کے پائے جانے کی وجہ سے ادغام نہ ہو رہا ہو۔ جیسے بِوَجْهِهٖ ـــ اَعْیُنُنَا۔ بِشِرْكِكُمْ۔ قَدْ جَآءَ۔ قَدْ ضَلُّوْا۔ اِذْ زَیَّنَ۔ اِذْ تَقُوْلُ۔ قَالُوْا وَهُمْ۔ سَبِّحْهُ اور لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا وغیرہ تو ایسی صورت میں بھی اس بات کا خوب اہتمام کرنا چاہیئے کہ ہر حرف صاف صاف اور کسی خلط ملط کے بغیر ادا ہو اور ایسا نہ ہو کہ پہلا حرف ادا ہونے سے رہ جائے یا صاف طور پر ادا نہ ہو۔ یا ساکن ہو کر دوسرے میں مدغم ہو جائے۔

تنبیہ (۲) جب حرف مرقق کے بعد حرف مفخم واقع ہو جیسے وَلْیَتَلَطَّفْ میں لام و طا مِنْ مَّخْمَصَةٍ میں میم و خا اور میم و صاد اَفَضْتُمْ میں فا ضاد وَعَظْتَ

میں عین وظا حَصْحَصَ میں حا اور صاد اَحَطْتُّ میں حا، طا اَلْحَقُّ میں حا و قاف اور اُنْفُطِرَتْ میں فا و طا یا اس کا عکس یعنی حرف مفخم پہلے ہو اور مرقق بعد میں جیسے ظَلَمَ میں ظا و لام اِنَّ اللّٰہَ میں لام و الف اور ہا غَفَرَ میں غین و فا ضَلَّ میں ضاد اور لام اور فَاطَّلَعَ میں طا و لام وغیرہ تو ایسی صورت میں اس بات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہر حرف اپنی اسی کیفیت کے ساتھ ادا ہو۔جو اس کے لیے ضروری ہے ، ایسا نہ ہو کہ ماقبل یا مابعد کے حرف مفخم کی وجہ سے مرقق بھی مفخم ہو جائے یا اس کا عکس کہ مرقق کی وجہ سے مفخم میں بھی ترقیق کا کچھ اثر آجائے خیال نہ کرنے سے اکثر لوگوں سے یہ غلطی ہو جاتی ہے بالخصوص مفخم کے اثر سے مرقق کا مفخم ہو جانا تو بہت عام ہے اور اگر دو حرف مرقق ، مفخم بھی ہوں اور متشابہ الصوت بھی جیسے اَلَیْسَ الصُّبْحُ میں سین وصاد تو ایسی صورت میں ایک کے دوسرے سے متاثر ہو جانے کا احتمال اور بھی زیادہ ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں پُر کو پُر اور باریک کو باریک ادا کرنے کا اہتمام بھی زیادہ کرنا چاہیئے۔ خصوصاً جب کسی حرف مفخم سے پہلے ہمزہ ہو خواہ اسم جلالہٗ کا لام ہو۔خواہ را اور خواہ حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو جیسے اَللّٰہُ اَرْجَآئِھَا۔ اَخَّرْتَنِیْ۔ اَغْوَیْنَا۔ اَقْرَرْتُمْ۔ اَطَّلَعَ۔ اَصْحٰبُ اَضْلَلْتُمْ اور اَظْلَمُ وغیرہ تو ایسی صورت میں اس بات کا پوری طرح خیال رکھا جائے کہ ہمزہ مرقق ادا ہو اور بعد والے حرف کی تفخیم کا ہمزہ میں مطلقاً کوئی اثر نہ آنے پائے۔

تنبیہ (۳) ہمزہ متحرک ہو خواہ ساکن ، اس کو خوب صاف طور پر اور تحقیق سے صفت جہر اور شدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرنا چاہیئے ، خیال نہ کرنے سے بعض دفعہ ہمزہ حرف مد سے بدل جاتا ہے ، یا حذف ہو جاتا ہے ، یا اس میں تسہیل ہو جاتی ہے خصوصاً

جہاں دو ہمزہ جمع ہوں جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ۔ ءَاَلِدُ اور ءُاُنْزِلَ وغیرہ تو وہاں اس بات کا اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے کہ دونوں تحقیق کے ساتھ ادا ہوں ہاں اگر اس کلمہ میں تسہیل یا ابدال یا حذف کا قاعدہ پایا جا رہا ہو۔ تو اس صورت میں تحقیق سے پڑھنا جائز نہ ہوگا، بلکہ اسی قاعدہ کے موافق پڑھنا ضروری ہوگا۔ اور تسہیل، ابدال اور حذف کا مفصّل بیان اسی باب کی فصل پنجم میں گذر چکا ہے، ہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہمزہ میں گو شدت اور جہر کی وجہ سے کسی قدر سختی ہے مگر اس قدر نہیں کہ اس کے اثر سے ناف ہل جائے۔ حروف کا ناف سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر ہمزہ کسی حرف ساکن کے بعد ہو جیسے قَدْ اَفْلَحَ اور اِنَّ الْاِنْسَانَ وغیرہ تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ساکن کا سکون تام اور ہمزہ خوب صاف ادا ہو، ایسا نہ ہو کہ ہمزہ تو حذف ہو جائے اور اس کی حرکت سے ماقبل کا ساکن متحرک ہو جائے، چنانچہ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسا ہو جاتا ہے، بلکہ کبھی وہ ساکن مشدد بھی ہو جاتا ہے۔

تنبیہ (۴) صفت غنہ نون و میم کے حرفوں کے ساتھ ہی خاص ہے، ان کی حرکات میں اور ایسے ہی اگر ان کے بعد حروف مدہ ہوں جیسا کہ مِنَ النَّاسِ۔ اِلَی النُّوْرِ اور اِنِّیْ وغیرہ میں ہیں تو ان میں غنہ کا اثر نہیں آنا چاہیئے اور اس غلطی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ نون اور میم کی آواز ختم ہو کر جب حرکت یا حرف مد کی آواز شروع ہونے لگے تو آواز کو خیشوم سے فوراً بے تعلق کر لیا جائے۔ بس اس احتیاط کو تدبیر میں لانے سے انشاء اللہ غلطی کی اصلاح ہو جائے گی۔

تنبیہ (۵) نون مخفاۃ کے ادا کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس سے پہلے والے حرف کی حرکت میں اشباع ہو کر حرف مد پیدا نہ ہونے پائے جیسا کہ بعض لوگ اَنْفُسَكُمْ کو اَانْفُسَكُمْ اور اِنْ كُنْتُمْ کو اِیْنْكُوْنْتُمْ

پڑھ دیتے ہیں یہ سراسر غلط ہے۔

تنبیہ (۶) جب نون و میم ساکن ہوں جیسے مِنۡهَا فَكُمۡ الرَّجِيۡم اور مِنۡ نَّاصِرِيۡنَ وغیرہ تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان میں غنہ آنی ضرور ادا ہو عام طور پر مشاہدہ میں آیا ہے کہ طلبۂ سکون کی حالت میں غنہ آنی کا بھی خیال نہیں رکھتے اور آواز کو فوراً منقطع کر دیتے ہیں اس غلطی کی اصلاح ان دو باتوں کو ذہن میں رکھنے سے ہو سکتی ہے ایک یہ کہ یہ دونوں حروف متوسط میں سے ہیں شدیدہ میں سے نہیں ہیں دوسری یہ کہ سکون کی حالت میں بنسبت حرکت کے غنہ کچھ زیادہ ہوتا ہے۔

تنبیہ (۷) ایک یہ غلطی مشاہدہ میں آئی ہے کہ مِمَّنۡ مَّنَعَ اور وَمَا هُمۡ مِنۡكُمۡ جیسے الفاظ میں غنہ کے بعد آنے والی میم کو طلبۂ عموماً صاف طور سے ادا نہیں کرتے بلکہ اس میں کچھ اس طرح گڈ مڈ سی کر دیتے ہیں کہ میم غنہ کے اندر غائب ہو جاتی ہے اور صاف طور پر ادا نہیں ہوتی اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔

تنبیہ (۸) ایسے ہی ایک غلطی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ جب موقوف علیہ نون مشدد ہو جیسے اٰبَآءِهِنَّ اَبۡنَآءِهِنَّ اور وَلَا جَآنٌّ وغیرہ تو ایسے الفاظ پر وقف کرتے وقت بعض لوگوں سے نون میں کچھ قلقلہ سا ہو جاتا ہے لہذا اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ نون کا سکون کامل طور پر ادا ہو اور اس کی آواز ہلنے نہ پائے۔

تنبیہ (۹) ایک غلطی عام طور پر یہ بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ یا سے پہلے حرف مفتوح ہو جیسے شَيٰطِيۡنِهِمۡ اور وَلَيَالٍ وغیرہ تو اکثر طلباء اس حرف کے فتحہ کو کچھ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ وہ کسی قدر کسرہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور یہی غلطی اس طاء کے فتحہ میں بھی پائی جاتی ہے جس کے بعد ھا ہو جیسے وَ طَهِّرۡ وَ مُطَهَّرِيۡنَ اور فَطَهِّرۡ وغیرہ لہذا ان دونوں موقعوں میں اس بات کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیئے کہ فتحہ کامل طور پر ادا ہو اور کسرہ کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔

تنبیہ (۱۰) ادغام کی بحث میں پڑھ چکے ہو کہ دال کا ادغام صرف تا میں اور تا کا صرف دال، طا میں اور ذال کا صرف ظا میں ہوتا ہے مگر بعض لوگوں سے عجلت یا غفلت کی وجہ سے ان حرفوں کا ادغام اور بھی بہت سے حرفوں میں ہو جاتا ہے، چنانچہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ تا کا ثا۔ جیم، زا، سین۔ صاد اور ظا میں۔ اور دال کا جیم ذال۔ زا۔ سین۔ شین۔ صاد۔ ضاد اور ظا میں اور ذال کا تا۔ جیم۔ دال۔ زا۔ سین اور صاد میں بھی ادغام کر دیتے ہیں اور اس طرح پڑھ دیتے ہیں کَذَّبَتْ ثَّمُوْدُ۔ نَضِجَتْ جُّلُوْدُهُمْ۔ خَبَتْ زِّدْنٰهُمْ۔ اَنْبَتَتْ سَّبْعَ۔ حَصِرَتْ صُّدُوْرُهُمْ حُرِمَتْ ظُّهُوْرُهَا۔ وَلَقَدْ ذَّرَاْنَا۔ وَلَقَدْ زَّيَّنَّا۔ قَدْ سَّاَلَهَا۔ قَدْ شَّغَفَهَا۔ وَلَقَدْ صَّرَّفْنَا۔ قَدْ ضَّلُّوْا۔ لَقَدْ ظَّلَمَكَ۔ اِذْ تَّقُوْلُ۔ وَاِذْ جَّعَلْنَا۔ اِذْ دَّخَلُوْا۔ اِذْ زَّيَّنَ۔ اِذْ سَّمِعْتُمُوْهُ اور وَاِذْ صَّرَفْنَا وغیرہ وغیرہ اور خوب یاد رکھو کہ روایت حفصؒ کی رو سے ان موقعوں میں ادغام صحیح نہیں۔ اس لیے ایسے موقعوں میں ان حرفوں کو اظہار سے پڑھنے کا پورا اہتمام کرنا چاہیئے تاکہ ادغام ہو کر روایت کا خلاف لازم نہ آئے فقط

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تتمّہ

لحن اس کی قسمیں اور اُن کا حکم

سوال :- لحن کیا چیز ہے - اور اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب :- یہ تجوید کی ضد ہے - یعنی قرآن مجید کے صحیح طور پر پڑھنے اور اس کے حروف کو ان کے مخارج مقررہ سے جمیع صفات کی رعایت کے ساتھ ادا کرنے کو تو تجوید کہتے ہیں اور غلط یعنی تجوید کے خلاف پڑھنا اس طرح کہ یا تو حروف کو ان کے اصلی مخارج سے نہ نکالا جائے - یا ان کی صفات لازمہ یا عارضہ کو ادا نہ کیا جائے - یا حرکات و سکنات میں غلطی کی جائے - تو یہ لحن کہلاتا ہے اور گو لحن کے دو معنی آتے ہیں - (۱) لب و لہجہ (۲) غلطی - مگر جب اس کو تجوید کے مقابلہ میں بولتے ہیں تو اس وقت اس سے غلطی والے معنی ہی مراد اور متعین ہوتے ہیں -

سوال :- لحن کی کتنی قسمیں ہیں اور کیا کیا ہیں؟

جواب :- دو قسمیں ہیں (۱) لحن جلی (۲) لحن خفی -

سوال : لحن جلی کس قسم کی غلطی کو کہتے ہیں اور لحن خفی کس قسم کی غلطی کو؟

جواب : پانچ قسم کی غلطیوں پر تو لحن جلی کا اطلاق ہوتا ہے اور ان کے ماسوا جو غلطی ہو وہ لحن خفی کہلاتی ہے -

سوال :- وہ پانچ قسم کی غلطیاں جو لحن جلی میں داخل ہیں کیا کیا ہیں؟

جواب :- وہ یہ ہیں :- (۱) تبدیل حرف بالحرف یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا جیسا کہ اَلْحَمْدُ کے بجائے اَلْهَمْدُ - اَلْقَدْرُ کے بجائے اَلْكَدْرُ - عَلِيْمٌ کے بجائے اَلِيْمٌ يَبْصُطُ کے بجائے يَبْسُطُ

مُفۡلِحُوۡنَ کے بجائے مُسۡلِھُوۡنَ ہ پڑھوایا جائے کیوں کہ اس طرح پڑھنے سے پہلی مثال میں (ح ھ) سے دوسری میں (ق ک) سے تیسری میں (ع ،ء) سے چوتھی میں (ط ،ت) سے اور پانچویں میں حا ھ سے اور (ص ،س) سے بدل جائے گا اور ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدل جانا دو وجہ سے ہوتا ہے۔

(۱) تبدیل مخرج بالمخرج یعنی ایک مخرج کا دوسرے مخرج سے بدل جانا (۲) تبدیل صفت بالصفت یعنی ایک صفت لازمہ کا دوسری صفت لازمہ سے بدل جانا۔ چنانچہ پہلی تین مثالوں میں تو حرف کی تبدیلی۔ تبدیل مخرج بالمخرج کی چوتھی میں تبدیل صفت بالصفت کی اور پانچویں میں تبدیل مخرج بالمخرج اور تبدیل صفت بالصفت دونوں ہی کی وجہ سے ہوئی ہے اس لیے کہ (ح ھ) (ق ک) اور اسی طرح (ع ء) کا مخرج جدا جدا ہے اور (ط ت اور ص س) کا مخرج تو ایک ہی ہے۔ صرف بعض صفات لازمہ ممیّزہ کی وجہ سے یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ (ص اور ط) میں تو استعلا اور اطباق ہیں اور (س وت) میں ان کی ضدیں یعنی استفال اور انفتاح ہیں۔

(۲) کسی حرف کا کم یا زیادہ ہو جانا جیسا کہ لَمۡ یَلِدۡ کے بجائے لَمۡ یَالِدۡ اور لَمۡ یُوۡلَدۡ کے بجائے لَمۡ یُلَدۡ اور ضَرَبَ لَکُمۡ کے بجائے ضَرَبَالَکُمۡ اور جَعَلَا لَہٗ کے بجائے جَعَلَ لَہٗ پڑھ دیا جائے پس پہلی اور تیسری مثال زیادتی کی ہے اور دوسری اور چوتھی کمی کی۔

(۳) ایک حرکت کا دوسری حرکت سے بدل جانا یعنی بجائے زبر کے زیر یا پیش اور بجائے زیر کے زبر یا پیش اور بجائے پیش کے زبر یا زیر پڑھ دیا جائے جیسا کہ بجائے اَنۡعَمۡتَ کے اَنۡعَمۡتُ یا مَالِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ میں یَوۡمِ الدِّیۡنِ کے

بجائے یَوْمَ الدِّیْنِ یا یُوْمَ الدِّیْنِ اور بجائے خَتَمَ اللّٰہُ کے خَتَمَ اللّٰہِ پڑھ دیا جائے۔

(۴) بجائے حرکت کے سکون یا اس کا اُلٹ۔ یعنی سکون کے بجائے حرکت پڑھ دی جائے، جیساکہ خَلَقْنَا کے بجائے خَلَقَنَا اور اَنْشَاْهَا کے بجائے اَنْشَاَهَا پڑھ دیا جائے۔

(۵) مشدّد کو مخفف اور مخفف کو مشدّد پڑھ دیا جائے، جیساکہ مُسْتَمِرٌّ ۝ کے بجائے مُسْتَمِرٌ ۝ اور مُزْدَجَرٌ ۝ کے بجائے مُزْدَجَرٌّ پڑھ دیا جائے۔

سوال:۔ لحن جلی کی پانچوں صورتیں تو مع امثلہ کے معلوم ہوگئیں۔ اب لحن خفی کی تعریف اور اس کی صورتیں بھی بتا دیجئے۔

جواب:۔ اگر ہر حرف مع اپنی حرکت و سکون کے اپنے مخرج سے صفات لازمہ کی رعایت کے ساتھ ادا ہو اور کسی حرف کی کمی بیشی بھی نہ ہو، البتہ وہ صفات جن کا تعلق حروف کی تحسین و تزئین کے ساتھ ہے اور جن کو صفات عارضہ محسنہ مزینہ کہا جاتا ہے ادا نہ ہوں مثلاً را مفتوحہ اور مضمومہ کو پُر پڑھنے کی بجائے باریک پڑھا جائے یا نون ساکن و تنوین کے بعد اخفاء کے پندرہ حرفوں میں سے کسی حرف کے آنے کے باوجود اخفاء نہ کیا جائے یا حروف مدہ کے بعد ہمزہ یا سکون یا تشدید ہونے کے باوجود مد فرعی نہ کیا جائے یا غنہ زمانی کو ادا نہ کیا جائے یا حرکات کو مجہول ادا کیا جائے وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی غلطیوں کو لحن خفی کہتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق صفات عارضہ محسنہ سے ہے۔

سوال لحن جلی کے کیا معنی ہیں اور لحن خفی کے کیا۔ نیز یہ کہ ان کا یہ نام رکھنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب :۔ لحن جلی کے معنی ہیں بھاری اور واضح غلطی اور لحن خفی کے معنی ہیں ہلکی اور باریک غلطی اور لحن جلی کو لحن جلی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ایسی واضح اور کھلی غلطی ہے کہ جس کا ادراک ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کو عربی سے معمولی سا لگاؤ بھی ہو اور لحن خفی کو لحن خفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے قسیم کے مقابلہ میں ہلکی ہوتی ہے اور اس کو صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو علم تجوید میں ماہر ہوں اور صرف عربی جاننے سے اس کا احساس نہیں ہوتا۔

سوال :۔ ان دونوں کا حکم کیا ہے ؟

جواب : لحن جلی حرام ہے اس لیے کہ اس سے کلام اللہ میں تحریف اور اس کے حرفوں میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور معنی بھی بدل جاتے ہیں اور بسا اوقات تو ایسے بدلتے ہیں کہ اس سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے اور لحن خفی مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ ہی معنی بدلتے ہیں صرف حرفوں کا حسن اور ان کی خوبصورتی زائل ہو جاتی ہے البتہ بچنا اس سے بھی ضروری ہے اور اس پر بھی اللہ کی جانب سے مؤاخذہ کا اندیشہ ہے۔

سوال : تجوید کے ساتھ لحن کے ذکر کی کیا ضرورت ہے اور اس کا یہاں کیا موقع ہے؟

جواب :۔ ایک عام اصول اور ضابطہ ہے تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا یعنی چیزیں اپنی ضدوں کے ذریعہ پہچانی جاتی ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شی کے ساتھ اس کی ضد کو بھی بیان کر دیا جائے تو اس صورت میں اس شئ کی حقیقت پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔ پس اسی طرح اگر تجوید کے ساتھ اس کی ضد یعنی لحن کو بھی بیان کر دیا جائے تو اس سے تجوید کی حقیقت پوری طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے اس لیے تجوید کے مسائل بیان کرنے کے بعد اب اس بحث کے آخر میں بطور تتمہ لحن سے متعلق کچھ بیان کرنا بھی ضروری ہے یہ تو تم اوپر پڑھ ہی چکے ہو

کہ لحن کی دو قسمیں ہیں۔ لحن جلی اور لحن خفی اور یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ مخارج وصفات لازمہ، حرکت وسکون اور حرف کی کمی بیشی کی غلطی پر تو لحن جلی کا اطلاق ہوتا ہے اور صفات عارضہ کی غلطی پر لحن خفی کا اب یہاں بطور مثال چند اغلاط ذکر کرکے یہ بات سمجھائی جاتی ہے کہ تجوید کے ترک یا بالفاظ دیگر لحن کے ارتکاب سے معنیٰ میں کس کس طرح کی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے تاکہ تمہارے ذہنوں میں قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنے اور لحن یعنی غلط پڑھنے سے بچنے کی اہمیت خوب جاگزین ہو جائے

(۱) ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدل جانا جیسے عَلِيْمٌ کی بجائے اَلِيْمٌ یا اَلِيْمٌ کی بجائے عَلِيْمٌ پڑھ دیا جائے تو اس سے اگرچہ لفظ کی رو سے تو صرف اتنی ہی تبدیلی ہوئی کہ عین ہمزہ سے اور ہمزہ عین سے بدل جائیگا لیکن معنیٰ میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اس لیے کہ عَلِيْمٌ کے معنی ہیں بڑا عالم اور خوب جاننے والا اور یہ حق تعالیٰ کی صفت ہے جیسے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اور اَلِيْمٌ کے معنی ہیں دردناک اور تکلیف دہ اور یہ عذاب کی صفت ہے جیسے وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(۲) کسی حرف کا کم یا زیادہ ہو جانا جیسے ضَرَبَ لَكُمْ کی بجائے ضَرَبَا لَكُمْ اور جَعَلَا لَهٗ کی بجائے جَعَلَ لَهٗ پڑھ دیا جائے تو اس سے پہلی صورت میں بجائے واحد کے تثنیہ کا اور دوسری صورت میں بجائے تثنیہ کے واحد کا صیغہ ہو جائے گا۔

(۳) حرکت کا سکون سے بدل جانا جیسے اَنْشَاْهَا کی بجائے اَنْشَاْهَا پڑھ دیا جائے۔ اس سے اگرچہ بظاہر تو صرف اتنی ہی تبدیلی ہو گی کہ ہمزہ کا فتحہ سکون سے بدل جائے گا۔ اور بس۔ لیکن لفظ اتنا زیادہ متاثر ہوگا۔ کہ کلمہ سرے سے مہمل بن جائے گا۔

(۴) سکون کا حرکت سے بدل جانا جیسے خَلَقْنَا کی بجائے خلقنا پڑھ دیا جائے تو اس سے اگرچہ لفظ کی رو سے تو صرف یہی ہوگا کہ قاف کا سکون حرکت سے بدل جائے گا اور بس لیکن معنیٰ میں بہت بڑی تبدیلی آجائے گی۔ کیونکہ خَلَقْنَا بسکون قاف میں نا فاعل کی ضمیر ہے۔ اور معنیٰ یہ ہیں ہم نے پیدا کیا۔ اور خَلَقَنَا بفتحہ قاف میں نا مفعول کی ضمیر ہے اور فاعل ضمیر مستتر ہے اور معنی یہ ہیں ہو جاتے ہیں۔ کہ اس نے ہم کو پیدا کیا (عیاذاً باللہ)

(۵) ایک حرکت کا دوسری حرکت سے بدل جانا جیسے۔ اَنْعَمْتَ کی بجائے اَنْعَمْتُ پڑھ دیا جائے۔ اس میں لفظ کی رو سے تو صرف اتنا ہی ہوگا کہ تا کا فتحہ ضمہ سے بدل جائیگا اور باقی سارا کلمہ اسی ہیئت پر رہے گا۔ لیکن حرکت کی اس تبدیلی سے معنیٰ میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہو جائے گی کہ اَنْعَمْتَ بفتح تا کی صورت میں تو فاعل حق تعالیٰ ہیں اور اَنْعَمْتُ بضمہ تا۔ کی صورت میں فاعل خود وہ متکلم ہی ہو جائے گا۔ جو راہ مستقیم کے لیے دُعا کر رہا ہے اور اس معنی کا قبیح ہونا ظاہر ہے

(۶) سورۃ والصّٰفّٰتِ کے دوسرے رکوع کے ختم کے قریب ایک لفظ ہے۔ اَلْمُنْذَرِیْنَ ذال کے فتحہ کے ساتھ جس سے مراد وہ کفار ہیں جن کو انبیا علیہم السلام نے خدا کے عذاب سے ڈرایا تھا۔ لیکن اگر اس کو ذال کے کسرہ سے یعنی المنذِرِیْنَ پڑھ دیا جائے تو معنی بالکل ہی بگڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے معنی ہو جاتے ہیں ڈرانے والے۔ جس سے مراد انبیاء علیہم السّلام ہیں۔ اور مطلب یہ ہو جائیگا کہ دیکھو انبیا علیہم السّلام کا انجام کیا ہوا۔ (عیاذ باللہ) حالانکہ مقصود یہاں کفار کے انجام کو بیان کرنا ہے۔ یہ تو مثالیں ہوئیں لحن جلی کی۔ رہی لحن خفی سو جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس سے نہ تو معنیٰ بدلتے ہیں اور نہ لفظ ہی ایسا زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ صرف حرفوں کا حُسن اور ان کی زینت ہی فوت ہو

جاتی ہے۔ چنانچہ اگر را نے مفتوحہ یا مضمومہ کو باریک پڑھا جائے یا اخفا غنہ زمانی اور مد فرعی وغیرہ کو ادا نہ کیا جائے۔ یا حرکات کو مجہول پڑھا جائے۔ تو ان صورتوں میں نہ تو معنی ہی بدلتے ہیں اور نہ ہی لفظ ایسا زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ حرفوں کی زینت اور ان کا حسن اس سے بھی فوت ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔ اور تجوید کا کامل درجہ یہی ہے کہ لحن جلی کی طرح لحن خفی سے بھی بچا جائے اور مخارج، صفات لازمہ کی طرح صفات عارضہ کا بھی اہتمام کیا جائے۔ الحمد للہ کہ یہاں پہنچ کر ترتیل کے پہلے جز یعنی تجوید سے متعلق تمام ضروری مسائل بیان ہو چکے۔ اگر اللہ نے توفیق بخشی اور حالات نے مساعدت کی تو ان مسائل کی پوری تشریح، توضیح اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم مسائل اور فن کے دقائق البیان فی ترتیل القرآن میں سپرد قلم کیے جائیں گے اور اب تیسرے باب میں اس کے دوسرے جز یعنی معرفت الوقوف سے متعلق احکام، مسائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

وباللہ التوفیق وَھُوَ خَیْرُ الرَّفِیْق

باب سوئم

ترتیل کا دوسرا جزء یا تجوید کا تتمہ " معرفت الوقوف

اس باب میں ایک تمہید تین فصلیں اور ایک تتمہ ہے۔ تمہید میں وقف کی اہمیت اور اس کی تعریف وغیرہ کا، فصل اوّل میں کیفیت وقف کا، فصل دوم میں محل وقف کا، فصل سوئم میں ابتداء اعادہ سکتہ اور قطع کا اور تتمہ میں بقدر ضرورت رسم الخط کا بیان ہے۔

تمہید وقف کی اہمیت اسکی تعریف اور معرفت الوقوف کا مطلب

سوال :۔ وقف کا مسائل تجوید سے کیا تعلق ہے ؟

جواب :۔ باب اوّل کی پہلی فصل میں تم پڑھ چکے ہو کہ سورۂ مزمل کی آیۃ کریمہ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيلًا ۝ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ترتیل کے دو جز ہیں (۱) تجوید الحروف (۲) معرفت الوقوف۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ معرفت الوقوف کا حاصل کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے۔ جس طرح تجوید الحروف کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور اس کے حاصل ہوئے بغیر ترتیل نامکمل رہتی ہے کیونکہ اگر قاری حروف کو تو تجوید کے ساتھ ادا کرے لیکن وقف بے محل اور بے قاعدہ کرے تو اس سے کلام اللہ کا حسن اور اس کا ربط فوت ہو کر بے لطفی اور بے مزگی پیدا ہو جاتی ہے۔

جس کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو قرآن کے معانی سے واقف ہیں اسی لیے علماء قرأت نے تجوید کی طرح وقف کے موضوع پر بھی بہت سے رسائل تصنیف فرمائے ہیں، بلکہ خود رسائل تجوید میں بھی مسائل تجوید بیان کرنے کے بعد وقف سے متعلق احکام و مسائل بیان کرنے کا اہتمام فرماتے رہے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض دفعہ بے موقع وقف کرنے سے خلافِ مراد معنیٰ کا ایہام ہو جاتا ہے، اس لیے قرآن کی تلاوت کرنے والے کے لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ مسائل تجوید سیکھنے کی طرح وقف کے مسائل بھی سیکھے۔ پھر یہ کہ جس آیت کریمہ سے تجوید کا ضروری ہونا اور اس کا حاصل کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اسی آیت سے وقف کے احکام کا سیکھنا بھی ثابت ہوتا ہے اور اگر علم تجوید کے ذریعہ قرآن کے حرفوں کی تصحیح ہوتی ہے تو معرفت وقف کے ذریعہ قرآن کے معانی کی تفہیم ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید کا وقف کے محل اور اس کی کیفیت کی رعایت سے پڑھنا تفہیم معنیٰ اور تحسین قرأت کا باعث ہوتا ہے۔ پس قاری کو چاہیئے کہ تلاوت کرتے وقت قواعد تجوید کی طرح وقف کے قواعد کی بھی پابندی کرے، تاکہ اس کی تلاوت کا حسن دوبالا ہو۔ نیز بے موقع وقف کرنے سے خلاف مراد معنیٰ کا جو ایہام ہوتا ہے وہ بھی نہ ہو۔

وقف کی تعریف

سوال:۔ وقف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب:۔ لغت میں وقف کے معنی کَفّ یعنی روکنے کے ہیں اور اصطلاح میں وقف کی تعریف یہ ہے قَطْعُ الصَّوْتِ مَعَ النَّفَسِ وَاِسْكَانُ الْمُتَحَرِّكِ اِنْ كَانَ مُتَحَرِّكًا یعنی سانس اور آواز دونوں کا منقطع کر دینا (توڑ دینا) اور حرف موقوف علیہ اگر پہلے سے ساکن نہ ہو تو اس کو ساکن کر دینا اور بعض نے وقف کی تعریف ان لفظوں

میں بیان کی ہے۔ تَرْكُ الْحَرَكَۃِ مَعَ قَطْعِ النَّفَسِ زَمَانًا یعنی کچھ دیر کے لیے سانس کو منقطع کر کے حرکت کو ترک کر دینا یہ دونوں تعریفیں ہم معنی ہیں اس لیے کہ ترک حرکت اور اسکانِ متحرک دونوں کا مطلب ایک ہی ہے اور پہلی تعریف میں جو قَطْعُ الصَّوْتِ کی قید لگائی گئی ہے، وہ وضاحت کے لیے ہے ضرورت کی بناء پر نہیں اس لیے کہ قطع نفس (سانس کے توڑ دینے) کو انقطاع صوت (آواز کا ٹوٹ جانا) لازم ہے رہی دوسری تعریف میں زمانًا کی قید سو وہ وقف کو قطع سے جُدا کرنے کے لیے ہے۔ جسکی وضاحت آگے تیسری فصل میں آرہی ہے۔

معرفت الوقوف کا مطلب

سوال:۔ احکام وقف کے سلسلہ میں کتنی اور کن چیزوں کا جاننا ضروری ہے؟

جواب:۔ دو چیزوں کا (۱) کیفیتِ وقف (۲) محل وقف اور ان دونوں چیزوں کے جاننے کو اہل فن اور قراء کی اصطلاح میں معرفت الوقوف کہتے ہیں اور معرفت کے معنی جاننے کے آتے ہیں۔

سوال:۔ کیفیت وقف اور محل وقف سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ کیفیت وقف کا مطلب ہے وقف کرنے کا قاعدہ اور اس کا طریقہ اور اس کے جاننے سے مراد یہ ہے کہ قاری اس بات کو جانے کہ کون سے کلمہ پر وقف کس طرح کرنا چاہیئے اور کون سے پر کس طرح جیسا کہ ہم ابھی انشاء اللہ بیان کریں گے اور محل وقف کا مطلب ہے وقف کرنے کا موقع اور اس کی جگہ یعنی قاری اس بات کو جانے کہ کس کلمہ پر وقف کرنا معنی کی رو سے لازم ہے اور کس پر تام۔ کس پر کافی۔ ہے اور کس پر حَسَن کس پر قبیح ہے اور کس پر اَقْبَح اور یہ بھی جانے کہ کس کلمہ پر وقف کرنے کی صورت میں مابعد سے ابتدا کرنی چاہیئے

اور کس صورت میں ماقبل سے اعادہ اور اس کا بیان بھی انشاء اللہ آئیگا اب ہم ان دونوں چیزوں کو رسالہ ہذا کے معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور پوری تفصیل انشاء اللہ العزیز التبیان فی ترتیل القرآن میں ہدیہ ناظرین کی جائے گی۔

فصل اوّل کیفیّت وقف کی بحث

سوال:۔ کسی کلمہ پر وقف کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ وقف کرنے کے کئی طریقے ہیں ایک یہ کہ آواز اور سانس دونوں کو منقطع کرتے ہوئے حرف موقوف علیہ کو بالکل ساکن کر دیا جائے اس طرح کہ نہ تو حرکت کا کوئی حصہ زبان سے ادا ہو اور نہ اس کی طرف ہونٹوں سے اشارہ ہی ہو اس کو وقف بالاسکان کہتے ہیں اور وقف کے باب میں اصل یہی ہے اور یہی زیادہ مروج بھی ہے اور یہ عام بھی ہے اس لیے کہ یہ تینوں حرکتوں میں جائز ہے چنانچہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ یَوْمِ الدِّیْنِ ٥ اور نَسْتَعِیْنُ ٥ تینوں کے نون میں جائز ہے دوسرا یہ کہ حرف موقوف علیہ کو بالکل ساکن نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی حرکت کو بھی تھوڑا سا ظاہر کیا جائے جس کی مقدار ثلث حرکت یعنی حرکت کا تیسرا حصہ ہے اس طرح وقف کرنے کو وقف بالروم کہتے ہیں اور بعض حضرات نے وقف بالروم کی تعریف اس طرح کی ہے کہ حرف موقوف علیہ کی حرکت کو ایسی خفی (پست) آواز کے ساتھ ادا کیا جائے کہ قریب بیٹھنے والا ہی سن سکے اور یہ حرف کسرہ اور ضمہ ہی میں جائز ہے خواہ یہ دونوں منوّن ہوں خواہ غیر منوّن اور فتحہ میں جائز نہیں۔ چنانچہ یَوْمِ الدِّیْنِ ٥ اور نَسْتَعِیْنُ ٥ کے نون میں اور قَدِیْرٌ ٥ کے

اور مِنَ نَّارٍ کی را میں تو جائز ہے مگر اَلْعٰلَمِیْنَ ٥ کے نون میں جائز نہیں (۳) حرف موقوف علیہ کو ساکن تو بالکل اسی طرح کیا جائے جس طرح کہ وقف بالاسکان میں کیا جاتا ہے مگر ساکن کرتے ہی ہونٹوں کو اس طرح گول کر دیا جائے جس طرح کہ ضمّہ کے ادا کرتے وقت کیے جاتے ہیں۔ اس کو وقف بالاشمام کہتے ہیں اور یہ صرف ضمّہ ہی میں ہوتا ہے خواہ منوّن ہو، خواہ غیر منوّن۔ کسرہ اور فتحہ میں نہیں ہوتا چنانچہ یَسْتَعِیْنُ ٥ کے نون اور عَلِیْمٌ ٥ کے میم میں تو ہو سکتا ہے مگر اَلْعٰلَمِیْنَ ٥ اور یَوْمِ الدِّیْنِ ٥ کے نون میں اور مِن نَّارٍ کی را میں نہیں ہو سکتا (۴) ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا جائے اس کے دو موقع ہیں ایک یہ کہ کسی کلمہ کے آخری حرف پر دو زبر کا تنوین ہو اور دوسرا یہ کہ کسی کلمہ کا آخری حرف تائے مدورہ (وہ تا جو (ۃ) کی شکل میں لکھی جاتی ہے) ہو پس پہلی صورت میں یعنی جب کلمہ کے آخری حرف پر نصب کا تنوین ہو جیسے بَصِیْرًا ٥ خَبِیْرًا ٥ مَشْکُوْرًا ٥ اور مَدْحُوْرًا ٥ وغیرہ تو اس تنوین کو الف سے بدل کر اس طرح پڑھتے ہیں۔ بَصِیْرَا ٥ خَبِیْرَا ٥ مَشْکُوْرَا ٥ مَدْحُوْرَا ٥ اور ایسے موقعوں میں تنوین والے حرف کے بعد الف لکھا ہوا بھی ہوتا ہے اور اگر کسی کلمہ کا آخری حرف تائے مدّورہ ہو خواہ اس پر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش ہوں یا ایک زبر ایک زیر ایک پیش جیسے مُطَهَّرَةً ٥ طَيِّبَةٍ ٥ وَرَحْمَةٌ ٥ اَلْبَيِّنَةُ ٥ اِنَّ الصَّلٰوةَ ٥ وَالْمُؤَلَّفَةِ ٥ تو اس تا کو ہائے ساکنہ سے بدل کر اس طرح پڑھتے ہیں مُطَهَّرَهْ ٥ طَيِّبَهْ ٥ وَرَحْمَهْ ٥ اَلْبَيِّنَهْ ٥ اِنَّ الصَّلٰوهْ ٥ وَالْمُؤَلَّفَهْ ٥ اور اس کو وقف بالابدال کہتے ہیں (۵) صرف سانس اور آواز ہی کو منقطع کر دیا جائے اور حرف موقوف علیہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ بلکہ جس طرح وصل میں پڑھا جاتا ہے وقف میں بھی

بعینہٖ اسی طرح پڑھا جائے اور یہ صورت اس وقت ہوتی ہے۔ جب موقوف علیہ پہلے ہی سے ساکن ہو جیسے فَحَدِّثْ ۔ وَانْحَرْ اور عَلَیْهِمْ وغیرہ اس کو وقف بالسکون کہتے ہیں اور اب اس مسئلہ کو ایک نئے انداز اور مختصر طریقہ سے سمجھایا جاتا ہے۔

سوال:۔ آخر کے اعتبار سے کلمہ کی کتنی حالتیں ہیں اور ہر حالت میں وقف کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ آٹھ حالتیں ہیں (۱) کلمہ کے آخری حرف پر ایک زبر ہو جیسے اَلْعٰلَمِیْنَ ۝ (۲) ایک زیر ہو جیسے یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ (۳) ایک پیش ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ ۝ (۴) دو زیر ہوں جیسے مِنْ نَّذِیْرٍ ۝ (۵) دو پیش ہوں جیسے قَدِیْرٌ ۝ (۶) دو زبر ہوں جیسے بَصِیْرًا (۷) آخری حرف تائے مدّورہ ہو جیسے اَلْبَیِّنَةُ ۝ (۸) آخری حرف ساکن ہو جیسے اَنْتُمْ ۔ عَلَیْهِمْ ۔ جَعَلَا ۔ قَالُوْا ۔ اَلْقَوْا ۔ اَخِیْ ۔ ذَوَاتَیْ ۔ پس ایک زبر کی صورت میں صرف بالاسکان اور ایک زیر اور دو زیر کی صورت میں بالاسکان اور بالروم اور ایک پیش اور دو پیش کی صورت میں بالاسکان بالروم اور بالاشمام تینوں جائز ہیں اور دو زبر اور تائے مدّورہ کی صورت میں بالابدال ہوگا اور ساکن ہونے کی صورت میں بالسکون کہلائے گا۔

سوال:۔ کیا روم اور اشمام ہر حرف اور ہر حرکت میں جائز ہیں؟

جواب:۔ نہیں۔ فتحہ میں حرکت عارضی میں میم جمع میں ہائے تانیث میں یہ دونوں منع ہیں اور فتحہ میں ان دونوں کا ناجائز ہونا اوپر بھی بیان ہو چکا ہے پس یَعْلَمُوْنَ ۝ کے نون میں اَنْذِرِالنَّاسَ کی رامیں عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ کے میم میں اور رَحْمَةً کی تا میں روم اور اشمام جائز نہ ہوں گے اور ہائے ضمیر میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تو ہائے ضمیر کے ماقبل فتحہ یا الف یا کوئی حرف صحیح ساکن ہو جیسا کہ اَخَاهُ ، مِنْهُ

اور لَهٗ وغیرہ میں ہے تو ان تین صورتوں میں ہائے ضمیر میں بھی روم و اشمام کے ساتھ وقف کرنا جائز ہے اور اگر ہائے ضمیر کے ماقبل ضمہ یا کسرہ یا واؤ یا یاء ہو جیسا کہ رَسُوْلُهٗ ۔ بِرَبِّهٖ ۔ رَاَيْتُمُوْهُ فِيْهِ وغیرہ میں ہے تو ان صورتوں میں ہائے ضمیر پر روم و اشمام کے ساتھ وقف کرنے میں اختلاف ہے ۔ بعض حضرات جائز بتلاتے ہیں اور بعض ناجائز دونوں مذہب صحیح ہیں (از شاطبیہ)

چند ضروری تنبیہات

سوال :- اس عنوان کے تحت کونسا مسئلہ بیان کیا گیا ہے ؟

جواب :- اس عنوان کے ضمن میں کیفیت وقف سے متعلق چند خاص اور بہت ہی اہم ہدایات درج کی گئی ہیں ۔ خوب غور سے پڑھو اور یاد بھی رکھو (۱) وقف کی تعریف میں غور کرنے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ وقف میں حرف موقوف علیہ کو ساکن کرنا اور سانس اور آواز کا توڑ دینا یہ دونوں باتیں ضروری اور لازم ہیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جانے سے رہ گئی مثلاً متحرک کو ساکن تو کر دیا لیکن سانس کو منقطع نہ کیا یا سانس تو توڑ دیا ۔ لیکن متحرک کو ساکن نہ کیا ۔ تو ان دونوں صورتوں میں وقف کیفیت کے لحاظ سے غلط سمجھا جائے گا ۔ لہٰذا حرکت پر وقف کرنا ۔ یا وقف میں سانس نہ لینا جیسا کہ بعض واقفوں کی عادت ہے کہ وہ يَعْلَمُوْنَ ۝ تَفْعَلُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِلَيْكَ ۝ مِنْ قَبْلِكَ ۝ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۝ اور بِرَسُوْلٍ وغیرہ پر وقف کرتے ہوئے سانس اور آواز کو تو منقطع کر دیتے ہیں مگر حرف موقوف علیہ کو ساکن نہیں کرتے اور ایسے ہی بعض لوگ موقوف علیہ کو ساکن تو کرتے جاتے ہیں لیکن سانس نہیں لیتے سو خوب یاد رکھو کہ وقف کے یہ دونوں طریقے بالکل

۔۔۔ [illegible] تنبیہ کے عنوان کو سوال میں داخل کیا جائے ۔

خلاف اصل اور قطعاً غلط ہیں۔ وقف صحیح وہی ہوگا۔ جس میں قطع نفس اور اسکانِ متحرک دونوں ہی باتیں پائی جائیں گی۔ رہا آواز کا انقطاع سو وہ انقطاع نفس کے تابع ہے البتہ اگر موقوف علیہ پہلے ہی سے ساکن ہو۔ تو اُس صورت میں قاری کو ایک ہی عمل کرنا ہوگا۔ یعنی صرف سانس ہی کو منقطع کرنا پڑے گا۔ اور بس جیسا کہ اوپر نمبر ۵ کے تحت گزرا۔ ہاں اگر زیر اور پیش میں وقف بالروم کیا جائے گا۔ تو اب موقوف علیہ کو کلیتہً ساکن نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کی حرکت کا تھوڑا سا حصہ بھی ظاہر کرنا ہوگا۔ جیسا کہ نمبر۲ کے ذیل میں گزرا (۲) یاد رکھو کہ جس طرح وقف بالاسکان میں دو پیش اور دو زیر کا اور بالاشمام میں دو پیش کا تنوین حذف ہو جاتا ہے اسی طرح وقف بالروم میں بھی حذف ہو جاتا ہے پس الرَّحِیْمِ اور مِنْ نَّذِیْرٍ اور ایسے ہی نَسْتَعِیْنُ اور بَرْقٌ وقف بالرّوم میں یکساں ادا ہوں گے کہ میم ونون کی طرح کاف، را کی صرف حرکت ہی خفی آواز کے ساتھ ادا ہو گی اور بس تنوین کا کوئی حصہ ظاہر نہیں ہوگا۔ البتہ اگر موقوف علیہ حرف مشدّد ہو۔ جیسے مُسْتَمِرٍّ ۝ اور مُسْتَقَرٌّ ۝ وغیرہ تو تینوں قسم کے وقف میں تشدید کا ادا کرنا ضروری ہوگا ورنہ مشدد کو مخفف ادا کرنے کی صورت میں ایک حرف کی کمی لازم آئے گی۔ جو لحن جلی ہے خوب سمجھ لو خلاصہ یہ کہ وقف میں تنوین تو حذف ہو جاتا ہے لیکن تشدید حذف نہیں ہوتی (۳) اگر کسی کلمہ کے آخر میں ہائے ضمیر ہو جیسا کہ رَبُّهٗ اور بِرَبِّهٖ وغیرہ میں ہے تو اس کا صلہ تینوں قسم کے وقف میں حذف ہو جائے گا اور اس طرح پڑھیں گے رَبُّهْ ۝ بِرَبِّهْ ۝ اور ان کلموں کو قَالُوْا اور اَخِیْ وغیرہ پر قیاس کر کے وقف واؤ اور یاء پر یعنی صلہ کے ساتھ نہیں کریں گے کیونکہ صلہ کا واو، یاء ایک زائد حرف ہے جو لکھنے میں نہیں آتا محض حرکت کے کھینچنے سے پیدا ہو جاتا ہے (۴) مشورہ: حرف موقوف علیہ کے ماقبل

صحیح ساکن یعنی حرف مد اور لین کے علاوہ کوئی اور حرف ہو جیسے سُبِّحْهُ اور
وَاسْتَغْفِرْهُ وغیرہ تو ایسی صورت میں بجائے وقف بالاسکان کے وقف بالروم
بہتر رہتا ہے تاکہ ماقبل کے ساکن کا سکون تام ادا ہو اور اگر وقف بالاسکان ہی کیا
جائے تو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیئے کہ سکون وقفی کی وجہ سے ماقبل کا ساکن
متحرک نہ ہونے پائے مثلاً وَاسْتَغْفِرْهُ ۝ کے بجائے وَاسْتَغْفِرُهُ ۝ نہ
ہوجائے ۔ قاری کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وقف میں کلمہ کی رسم
(لکھائی) کو ملحوظ رکھے ۔ یعنی وقف کرتے وقت اس بات کو بھی دیکھے کہ وہ کلمہ جس
پر وقف کر رہا ہے کس طرح لکھا ہوا ہے ۔ اس لیے کہ ضابطہ یہ ہے کہ جو کلمہ
جس طرح لکھا ہوا ہو وقف میں اسی طرح پڑھا جاتا ہے خواہ وصل میں اس کے خلاف
ہی کیوں نہ پڑھا جاتا ہو غور کرو کہ تنوین خواہ زیر و پیش کا ہو یا زبر کا وصل میں تو
دونوں بالکل ایک ہی طرح ادا ہوتے ہیں اور دونوں کا تلفظ ایک ہی جیسا ہوتا
ہے لیکن وقف میں زیر و پیش کا تنوین تو حذف ہو جاتا ہے اور زبر کا حذف نہیں
بلکہ الف سے بدل جاتا ہے تو اس فرق کی وجہ یہی ہے کہ وقف رسم کے تابع ہے
پس زیر و پیش کا چونکہ رسم سے محذوف ہوتا ہے اس لیے وہ وقف میں بھی
حذف ہی ہو جاتا ہے اور زبر کا چونکہ الف کی صورت میں مرسوم ہوتا ہے اس
لیے وہ الف سے بدل جاتا ہے اور ایسے ہی تانیث کی تاء خواہ (ت) کی صورت
میں لکھی ہوئی ہو ۔ اور خواہ (ۃ) کی صورت میں وصل میں تو دونوں صورتوں میں
تاء ہی پڑھی جاتی ہے ۔ لیکن وقف میں یہ فرق ہو جاتا ہے کہ جن موقعوں میں (ت)
کی صورت میں مرسوم ہے ان میں تو تاء پڑھی جاتی ہے اور جن موقعوں میں (ۃ)
کی صورت میں مرسوم ہے ان میں ھا سے بدل جاتی ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ لفظ
لہ اَلظُّنُوْنَا احزاب ع میں لہ اَلرَّسُوْلَا سے اَلسَّبِیْلَا دونوں احزاب ع

میں ۳۳ ء اِلکِنَّا کہف ۳ ع میں ۳۸ ء سَلٰسِلَا ۳۳ ء پہلا قَوَارِیْرَا دونوں دہر ع میں ۳۳ ء اَنَا جو واحد متکلم کی ضمیر ہے قرآن میں جہاں بھی آئے باوجودیکہ وصل میں ان کا الف نہیں پڑھا جاتا ۔ مگر چونکہ لکھا ہوا ہے اس لیے وقف میں پڑھا جاتا ہے اور وقف میں الف کو حذف کرنا جائز نہیں البتہ صرف لفظ سَلٰسِلَا میں دونوں طرح وقف کرنا صحیح ہے ۔ الف کے ساتھ بھی اور الف کے بغیر بھی جس کی وجہ فوائد مکیہ کے حاشیہ میں درج ہے اور حذف کی صورت میں وقف لام پر ہوگا اور وہ ساکن پڑھا جائے گا ۔ اور پھر غور کرو کہ ہائے ضمیر میں وصلاً تو صلہ ہوتا ہے لیکن وقف میں یہ صلہ حذف ہو جاتا ہے تو یہ کیوں یہ بھی اسی لیے کہ وقف رسم کے تابع ہے پس چونکہ صلہ کا واؤ اور یاء مرسوم نہیں ہوتے اس لیے وہ وقف میں حذف ہو جاتے ہیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ لَنَسْفَعًا سورہ علق اور لَیَکُوْنًا یوسف ع ان دونوں میں وقف الف پر کرتے ہیں حالانکہ اصل کی رو سے ان میں نون خفیفہ ہے ۔ مگر چونکہ ان دونوں لفظوں میں نون خفیفہ دو زبر کی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے ، اس لیے وقف بھی الف ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اصل کا اعتبار کرتے ہوئے نون پر نہیں کیا جاتا اور ایسے ہی لفظ کَاَیِّنْ جہاں بھی آئے اصل کے اعتبار سے تو یہ کَاَیٍّ ہے مگر چونکہ اس میں جر کا تنوین نون کی صورت میں مرسوم ہے اس لیے اس پر وقف بھی نون کے ساتھ ہی کرتے ہیں اور جر کے تنوین کے عام قاعدہ کی رو سے اس تنوین کو حذف کرکے یا پر وقف نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ جن لفظوں کے آخر سے حروف مدہ رسماً محذوف ہیں وہ باوجود اصل میں ثابت ہونے کے بھی وقف میں حذف ہو جاتے ہیں ایسے حروف مدہ کی مثالیں جو اصل میں ثابت ہونے کے باوجود رسم سے محذوف ہیں یہ ہیں سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ نساء ع ۲۱ نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ یونس ع ۱۰ وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بنی اسرائیل ع ۲

وَيَمْحُ اللّٰهُ شوریٰ ع٣ يَدْعُ الدَّاعِ قمر ع١ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ علق
فَارْهَبُوْنِ فَاتَّقُوْنِ بقرہ ع۵ مَتَابِ عِقَابِ رعد ع٣ و ع۵ وَعِيْدِ ئِيْن جگہ
ابراہیم ع٣ اور قٓ ع٢ و ع٣ اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ نور ع٣ اَيُّهَ السّٰحِرُ زخرف
ع۵ اور اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ رحمٰن ع٢ کہ یہ اصل کی رو سے سَوْفَ يُؤْتِيْ. نُنْجِيْ
وَيَدْعُوْ. و يَمْحُوْ. يَوْمَ يَدْعُوْا. سَنَدْعُوْا. فَارْهَبُوْنِيْ. فَاتَّقُوْنِيْ
مَتَابِيْ. عِقَابِيْ۔ وَعِيْدِيْ اور اَيُّهَا ہیں لیکن ان کے آخر سے الف واؤ
یاء چونکہ رسماً محذوف ہیں اس لیے ان کلمات پر وقف بھی ان حرفوں کے حذف
کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے اور ثابت رکھنا جائز نہیں البتہ فَمَآ اٰتٰنِۦَ اللّٰهُ نمل ع٣
کی یاء کو وقف میں ثابت رکھنا بھی جائز ہے اور حذف کرنا بھی یعنی فَمَآ اٰتٰنِيْ اور
فَمَآ اٰتٰنْ دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھو کہ چند کلمے ایسے بھی ہیں
جن میں وقف رسم کے موافق نہیں ہوتا اور وہ یہ ہیں (۱) اَوْ يَعْفُوَا بقرہ ع٣١
(۲) اَنْ تَبُوْٓاْءَ مائدہ ع۵ (۳) لِتَتْلُوَاْ رعد ع٣ (۴) لَنْ نَّدْعُوَاْ کہف
ع٢ (۵) لِيَرْبُوَاْ روم ع٣ (۶) لِيَبْلُوَاْ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ع١ (۷)
وَنَبْلُوَاْ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ع٣ (۸) دوسرا قَوَارِيْرَا دہر ع١
(۹) ثَمُوْدَاْ چار جگہ فرقان ع٣ عنکبوت ع٣ نجم ع٣ اور هُوْد ع٦ میں
وہ جو لفظ اِنَّ کے بعد ہے الٰی اور لام جارہ کے بعد والا نہیں، ان سب
کلمات کے آخر میں گو الف مرسوم تو ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔ نہ وقفاً نہ وصلاً

المدُّ والوقف

سوال :۔ اس عنوان کا کیا مطلب ہے، اور اس کے ضمن میں کونسا مسئلہ بیان
کیا گیا ہے؟

جواب :- عنوان کا مطلب تو ظاہر ہی ہے کہ مد اور وقف اور اس کے ضمن میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حرف موقوف علیہ سے قبل اگر حرف مد یا حرف لین ہو جیسے اَلْعٰلَمِیْنَ ○ لَاضَیْرَ ○ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ مِنْ خَوْفٍ ○ نَسْتَعِیْنُ ○ مِنْهُمْ شَیْئٌ وغیرہ تو اس میں مد اور وقف دونوں کی ضربی وجوہ عقلاً کتنی نکلتی ہیں اور ان میں سے جائز کتنی ہیں اور ناجائز کتنی۔

سوال :- مد اور وقف کی ضربی وجوہ سے کس قسم کی وجوہ مراد ہیں ؟

جواب :- تم دوسرے باب میں مد کی بحث کے ضمن میں پڑھ چکے ہو کہ حرف مد اور حرف لین میں مد کی تین تین وجوہ ہیں۔ طول۔ توسط۔ قصر اور پھر اوپر اس بحث میں یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ اگر موقوف علیہ مفتوح ہو تب تو اس میں وقف صرف بالاسکان ہوتا ہے لیکن اگر مکسور ہو تو بالاسکان اور بالروم دو طرح سے اور اگر مضموم ہو تو بالاسکان بالروم اور بالاشمام تین طرح سے وقف کرنا جائز ہے اور اب اس عنوان کے تحت یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اگر حرف مد و لین کی وجوہ کو وقف کی وجوہ کے ساتھ ملا کر اس طرح پڑھا جائے کہ پہلے مد و لین کی تینوں وجوہ کے ساتھ وقف کی ایک وجہ پھر دوبارہ مد کی تینوں وجوہ کے ساتھ وقف کی دوسری وجہ اور پھر اسی طرح تینوں وجوہ کے ساتھ وقف کی تیسری وجہ پڑھی جائے تو اس کلمہ میں کل کتنی وجوہ بن جاتی ہیں۔ بس مد و وقف کی ضربی وجوہ سے مراد ان دونوں کی ملی جلی وجوہ ہیں اور تفصیل اس کی ابھی آتی ہے۔

سوال :- اگر حرف مد یا حرف لین کے بعد حرف موقوف علیہ مفتوح ہو جیسا کہ اَلْعٰلَمِیْنَ اور لَاضَیْرَ وغیرہ میں ہے تو [illegible] صورت میں ضربی وجوہ کتنی نکلتی ہیں اور ان میں سے جائز کتنی ہیں اور ناجائز کتنی

جواب :- چونکہ ایسے کلموں پر وقف صرف بالاسکان ہی ہو سکتا ہے اس لیے یہاں

وجہیں صرف تین ہی نکلتی ہیں (۱) طول مع الاسکان (۲) توسط مع الاسکان (۳) قصر مع الاسکان اور تینوں جائز ہیں۔

سوال:۔ اگر حرف مد یا لین کے بعد موقوف علیہ مکسور ہو جیسا کہ اَلرَّحِیْمِ یومِ الدِّیْنِ، مِنْ خَوْفٍ اور والصَّیْفِ وغیرہ میں ہے تو اس میں عقلی ضربی وجہیں کتنی نکلتی ہیں اور ان میں سے جائز کتنی ہیں اور ناجائز کتنی؟

جواب:۔ یہاں چونکہ وقف دو طرح سے ہو سکتا ہے (۱) بالاسکان (۲) بالروم اس لیے اس صورت میں عقلاً چھ وجہیں نکلتی ہیں، تین تو وہی جو اوپر بیان ہوئیں اور تین روم کے ساتھ اور وہ یہ ہیں (۴) قصر مع الروم (۵) توسط مع الروم (۶) طول مع الروم مگر ان میں سے جائز صرف پہلی چار ہیں اور طول، توسط مع الروم ناجائز ہیں اس لیے کہ روم میں حرف موقوف علیہ متحرک ادا ہوتا ہے گو وہ حرکت خفی سی ہی ہوتی ہے اور طول و توسط کے لیے حرف مد کے بعد سکون کا ہونا ضروری ہے۔

سوال:۔ اگر حرف مد یا لین کے بعد موقوف علیہ مضموم ہو جیسا کہ نَسْتَعِیْنُ اور مِنْهُمْ شَیْءٌ وغیرہ میں ہے تو ایسی صورت میں ضربی عقلی وجہیں کتنی نکلتی ہیں اور جائز ناجائز کی کیا تفصیل ہے؟

جواب:۔ اس صورت میں چونکہ وقف تین طرح سے ہو سکتا ہے اس لیے عقلاً نو وجہیں بنتی ہیں، چھ تو وہی جو اوپر بیان ہوئیں اور تین اشمام کے ساتھ یعنی (۷) طول مع الاشمام (۸) توسط مع الاشمام (۹) قصر مع الاشمام جن میں سے سات جائز ہیں اور دو ناجائز۔ پس طول توسط قصر مع الاسکان۔ طول، توسط قصر مع الاشمام اور قصر مع الروم یہ سات تو جائز ہیں اور طول توسط مع الروم ناجائز اور ان کے ناجائز ہونے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے مگر یہ تفصیل اس وقت ہے

جب حرفِ مد کے بعد موقوف علیہ ہمزہ نہ ہو اور اگر موقوف علیہ ہمزہ ہو اور ہو بھی حرف مد کے بعد تو اس صورت میں وجوہ کچھ کم نکلیں گی اس لیے کہ حرف مد کے بعد ہمزہ کے موقوف علیہ ہونے کی صورت میں بعض وجوہ ناجائز ہیں۔

سوال :۔ اگر کسی کلمہ میں حرف مد کے بعد موقوف علیہ ہمزہ ہو جیسے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ مِنْ مَّآءٍ اور مَنْ يَّشَآءُ وغیرہ میں ہے تو ایسی صورت میں کون کون سی وجوہ ناجائز ہیں؟

جواب :۔ اس صورت میں اسکان اور اشمام کے ساتھ قصر اور روم کے ساتھ قصر و طول ناجائز ہیں، پس فتحہ کی صورت میں صرف دو وجہیں ہوں گی ۱ طول مع الاسکان ۲ توسط مع الاسکان اور کسرہ کی صورت میں تین ہوں گی ۱ و ۲ طول۔ توسط مع الاسکان ۳ توسط مع الروم اور ضمہ کی صورت میں پانچ وجہیں جائز ہوں گی ۱ و ۲ طول توسط مع الاسکان ۳ و ۴ طول۔ توسط مع الاشمام (۵) توسط مع الروم اور باقی وجوہ کے ناجائز ہونے کی وجہ چونکہ کچھ مشکل ہے۔ اس لیے یہاں ان کو بیان کرنا مناسب نہیں۔ البتہ فوائد مکیہ کے حاشیہ میں یہ مسئلہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

مگر موقوف علیہ کے ہمزہ ہونے کی وجہ سے وجوہ اسی صورت میں کم ہوں گی کہ ہمزہ حرف مد کے بعد ہو اور اگر حرف لین کے بعد ہوگا تو اس صورت میں ہمزہ اور غیر ہمزہ میں کوئی فرق نہ ہوگا پس مِنْ خَوْفٍ اور من شَيْءٍ میں اور ایسے ہی يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ اور مِنْهُمْ شَيْئًا وغیرہ میں وجوہ کی تعداد ایک ہی ہوگی۔

تنبیہ :۔ یاد رکھو کہ مد کی وجوہ یعنی طول توسط اور قصر کے بارے میں تو مساوات اور برابری کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جیسا کہ مد کی بحث میں کافی وضاحت کے ساتھ یہ چیز لکھی جا چکی ہے کہ ان میں سے جو وجہ پہلے موقع میں اختیار کی جائے آخر تک اسی کو

معمول بنایا جائے لیکن کیفیات وقف کے بارے میں یہ احتیاط اور مطابقت مطلوب نہیں۔ یعنی اس میں یہ ضروری نہیں کہ اگر پہلی جگہ وقف بالاسکان کیا ہے تو اب دوسری اور تیسری جگہ بھی بالاسکان ہی کیا جائے بلکہ کہیں اسکان کہیں روم اور کہیں اشمام بھی جائز ہے مثلاً سورہ فاتحہ میں اَلْعٰلَمِیْنَ ؕ کے قصر مع الاسکان کے ساتھ اَلرَّحِیْمِ ؕ اور اَلدِّیْنِ ؕ میں قصر مع الروم اور نَسْتَعِیْنُ ؕ میں قصر مع الاشمام جائز ہے کیونکہ ایسی صورت میں صرف وقف کی کیفیت ہی بدلتی ہے مد کی وجہ نہیں بدلتی۔ خوب سمجھ لو۔

فصل دوم :۔ محل وقف کے بیان میں

سوال :۔ وقف کرنے کا موقع اور محل کیا ہے؟

جواب :۔ اگر تلاوت کرنے والا قرآن مجید کے معانی اور عربی سے واقف نہیں ہے تو اس کے لیے یہی مناسب بلکہ ضروری ہے کہ وہ وقف انہی موقعوں پر کرے جہاں قرآن مجید میں وقف کی علامات (نشانیاں) لگی ہوئی ہیں۔ اس لیے کہ علماء کرام رحمہم اللہ نے یہ علامتیں قرآن مجید کے معنوں میں غور و خوض کر کے اسی غرض سے لگائی ہیں کہ معنی نہ جاننے والوں کو محل وقف کے بارے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے اور وہ دورانِ تلاوت میں مناسب موقعوں پر خود بخود ہی وقف کرتے چلے جائیں اور ناواقفیت کی وجہ سے کسی ایسی جگہ وقف نہ کرنے پائیں جہاں معنی کی رو سے کلام پورا نہ ہوتا ہو یا اس جگہ وقف کرنے سے خلاف مراد معنی کا توہم ہوتا ہو۔ نیز وہ دقت بھی پیش نہ آئے جس کا بیان آگے آنے والا ہے اور وقف کی علامتیں یہ ہیں (۱) ○ (۲) م (۳) ط (۴) ج (۵) ز (۶) ص (۷) ق (۸) ک (۹) قف (۱۰) صل (۱۱) صلیٰ (۱۲) لا

(۱۳) قلا (۱۴) ⁘ ⁘ (۱۵) نیچے گول دائرہ اوپر کوئی علامت مثلاً ۃ ج ص وغیرہ وغیرہ[1]۔ لیکن ان میں سے پہلی چار علامتیں بڑی اور معتبر شمار ہوتی ہیں اور باقی ضعیف[2] بلکہ بعض علامتیں تو ایسی ہیں جن سے وقف نہ کرنے کی طرف اشارہ[3] کیا گیا ہے۔ لہٰذا قاری کو چاہیئے کہ پڑھنے کا انداز کچھ اس طرح رکھے کہ جب وقف کرے تو پہلی چار علامتوں کے موقعوں پر ہی کرے اور بلا ضرورت ضعیف علامت پر یا یوں ہی کہیں درمیان میں ٹھہرنے سے حتی الامکان اجتناب کرے اس لیے کہ ضعیف علامت پر یا درمیان میں ٹھہرنے سے پھر وہی دقّت پیش آئے گی جس سے بچانے کے لیے علماءؒ نے یہ محنت کی ہے یعنی یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اب کہاں سے لوٹائے آیا اسی کلمہ سے کہ جس پر وقف کیا ہے یا اس سے کچھ اوپر سے نیز درمیان میں ٹھہرنے کی صورت میں کلام بھی پورا نہیں ہوتا جس کی خرابی وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو کلام پاک کے معنی سمجھتے ہیں اور وقف کے بارے میں بہترین ضابطہ یہ ہے کہ قاری دوران تلاوت میں آیت[4] ۔ میم ۔ اور طا ان تینوں موقعوں پر التزاماً وقف کرتا جائے۔ اس لیے کہ وقف کرنے کی ضرورت تو بہر حال پیش آتی ہی ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں تو پھر کیوں نہ ایسے ہی موقعوں پر کیا جائے جہاں کلام پورا ہوتا ہو اور ایسے موقعے صرف

---

[1] ان کے علاوہ بعض وقف قرآن شریف کے حاشیہ پر بھی لکھے رہتے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) وقف منزل (۳) وقف جبرائیل علیہ السلام (۴) وقف غفران۔

[2] البتہ آخری علامت یعنی نیچے گول دائرہ اور اوپر علامت اور ایسے ہی حاشیہ کے چار وقف سو وہ چونکہ انہی چار میں داخل ہیں۔ اس لیے وہ بھی انہی کے حکم میں ہیں۔

[3] البتہ ان میں سے نمبر ۸ یعنی کاف اور نمبر ۱۴ یعنی تین نقطہ کے متعلق تھوڑی سی وضاحت ہے جس کو آئندہ فصل میں بیان کیا جائے گا۔

[4] یعنی وہ آیت جس پر لا نہ ہو۔

یہی تین ہیں نیز یہ کہ ان موقعوں پر وقف کرنے کی صورت میں ماقبل سے لوٹانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بلکہ مابعد سے ابتداء کی جاتی ہے اور اگر ان تین موقعوں کے علاوہ بھی ٹھہرنے کی ضرورت پیش آئے تو پھر چوتھا موقعہ جیم ہے اس لیے کہ گو اسکی حیثیت ان تین جیسی تو نہیں لیکن وقف کرنا جائز اس پر بھی ہے اس ضابطہ پر عمل کرنے سے ضعیف علامت پر یا درمیان میں وقف کرنے کی ضرورت بہت کم پیش آئے گی انشاء اللہ۔ ہاں اگر دو یا تین آیتیں یا علامتیں قریب قریب ہوں تو ایسی صورت میں ہر آیت اور ہر علامت پر ٹھہرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کو ایک سانس میں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ علامتیں ضرورت کے وقت ٹھہرنے کے لیے لگائی گئی ہیں اس لیے نہیں کہ ہر علامت پر ٹھہرنا ضروری بھی ہے۔ بلکہ وقف جتنے کم موقعوں پر کیا جائے گا اتنی ہی زیادہ تلاوت ہو سکے گی۔

سوال :۔ جب سب علامتوں پر وقف کرنا جائز نہیں تو پھر علماء نے یہ علامتیں لگائی کیوں ہیں ؟

جواب :۔ علامتوں کی تین قسمیں ہیں بعض علامتیں تو وہ ہیں جن پر وقف کرنا اور وقف کرنے کے بعد آگے سے پڑھنا دونوں باتیں جائز ہیں۔

(۲) بعض وہ ہیں کہ ان پر وقف کرنا تو جائز ہے لیکن مابعد سے ابتداء جائز نہیں بلکہ ماقبل سے اعادہ کرنا پڑتا ہے۔

(۳) بعض وہ ہیں جن پر سرے سے وقف کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ان موقعوں میں وقف کی بنسبت وصل بہتر ہے پس وہ وقف نہ کرنے کی علامتیں ہیں اور ان سے وقف نہ کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اور وضاحت ان تینوں قسموں کی آگے آرہی ہے۔

سوال :۔ محل وقف کی یہ وضاحت تو ان لوگوں کے لیے ہوئی جو قرآن کے معنی نہیں جانتے لیکن جو قرآن کے معنی سمجھتے ہیں اور عربی ترکیب سے واقف ہیں ان لوگوں کے لیے اس بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب :۔ بہتر تو ایسے لوگوں کے لیے بھی یہی ہے کہ وہ وقف علامات وقف پر ہی کریں اس لیے کہ گو وہ معنی سمجھتے ہیں اور عربی ترکیب سے واقف ہیں مگر وہ غور وفکر جو ان علماء کو حاصل تھا۔ جنہوں نے یہ محنت کی ہے ہر شخص کو کہاں حاصل اور پھر دوران تلاوت میں معنی کی ان گہرائیوں تک پہنچنا جن کو ملحوظ رکھتے ہوئے علماءؒ نے یہ علامتیں لگائی ہیں اور ان میں درجے قائم کئے ہیں ایک مشکل کام ہے مگر تاہم چونکہ وہ معنی سمجھتے ہیں اس لیے وقف کا محل خود بھی متعین کر سکتے ہیں کیونکہ وہ غور کرنے سے سمجھ سکتے ہیں کہ کس کلمہ پہ کلام تام ہے اور کس پر غیر تام اور کس کلمہ کو مابعد سے تعلق لفظی و معنوی دونوں طرح کا ہے اور کہاں اس کا عکس ہے وغیرہ وغیرہ اور ایسے ہی لوگوں کی رہنمائی کی خاطر علماؒ کرام نے کلام کے تمام اور ناتمام ہونے اور کلمۂ موقوف علیہ کے مابعد سے تعلق ہونے اور نہ ہونے کی بنا پر وقف کی متعدد قسمیں کی ہیں جن کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

سوال :۔ کلام کے تمام و ناتمام ہونے اور کلمہ موقوف علیہ کے مابعد سے تعلق ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے وقف کی کتنی اور کیا کیا قسمیں ہیں؟

جواب :۔ چار قسمیں ہیں ۱؎ تام ۲؎ کافی ۳؎ حسن ۴؎ قبیح۔ وقف کی یہ چار قسمیں تو محل وقف کے اعتبار سے ہیں اور دو قسمیں واقف (قاری) کی حالت کے اعتبار سے ہیں اور وہ یہ ہیں ۱؎ اختیاری ۲؎ اضطراری اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قاری وقف کرتے وقت دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو وہ وقف اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی عارضہ کے بغیر صرف استراحت (تازہ دم

ہونے) کی غرض سے کرتا ہے اور اس کو کوئی مجبوری پیش نہیں آتی اور یا وہ وقف کرنے پر بوجہ بھول جانے یا سانس کے تنگ ہو جانے یا کھانسی وغیرہ کے عارضہ سے مجبور ہو جاتا ہے اور تلاوت کو جاری نہیں رکھ سکتا۔ پہلی صورت میں چونکہ وہ وقف اپنے اختیار اور ارادہ سے کرتا ہے۔ اس لیے اس کو وقف اختیاری کہتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں چونکہ وہ وقف کرنے پر مجبور ہوتا ہے اس لیے یہ وقف اضطراری کہلاتا ہے۔ پھر یہ سمجھو کہ وقف اختیاری میں تو چونکہ قاری مجبور نہیں ہوتا۔ اس لیے اس میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ وقف ایسے ہی موقع پر کرے، جہاں کلام پورا ہو چکا ہو اور نحوی اصلاح کے موافق جملہ کے دونوں جز یعنی مسند اور مسند الیہ آگئے ہوں اور وقف اضطراری میں چونکہ وہ مجبور ہوتا ہے اور کلام کے پورا ہونے تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے اس کو اجازت دی گئی ہے کہ جس کلمہ پر مجبوری پیش آجائے وہیں ٹھہر جائے۔ پھر یہ سمجھو کہ کلمہ موقوف علیہ پر کلام کا پورا ہونا کبھی تو اس معنیٰ کر کے ہوتا ہے کہ اس کا مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا نہ لفظی نہ معنوی اور کبھی یہ پورا ہونا ایسا ہوتا ہے کہ باوجود پورا ہونے کے بھی موقوف علیہ کو مابعد سے تعلق رہتا ہے پھر اس تعلق کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں اس لیے کہ کبھی تو یہ تعلق صرف معنوی ہوتا ہے اور کبھی لفظی بھی ہوتا ہے اور معنوی بھی۔ بس اس تعلق و عدم تعلق ہی کی بنا پر وقف اختیاری کی یہ تین قسمیں کی گئی ہیں تام، کافی، حسن، لیکن ہیں یہ تینوں کلام تام ہی کی اس لیے کہ ان تینوں میں جملہ کے دونوں جز آگئے ہوتے ہیں رہا کلام غیر تام یعنی وہ جس میں جملہ کے دونوں جز نہ آگئے ہوں سو اس پر وقف کرنا قبیح ہے جو صرف اضطراراً ہی جائز ہے کسی مجبوری کے بغیر اختیاراً وہاں وقف کرنا جائز نہیں اور اب ہم ان چاروں کی الگ الگ وضاحت کرتے ہیں۔

سوال :- تام - کافی - حسن اور قبیح ان چاروں کی الگ الگ تعریف مع ان کی امثلہ کے بیان کیجئے ؟

جواب :- جس کلمہ پر وقف کیا ہے اگر اس کو مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو - نہ لفظی نہ معنوی یعنی جملہ بھی ختم ہو گیا ہو اور مضمون بھی - تو یہ وقف تام کہلاتا ہے جیساکہ سورہ بقرہ کے شروع میں اَلْمُفْلِحُوْنَ کہ اس کو مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے نہ لفظی نہ معنوی اس لیے کہ یہاں پہ مومنین کا بیان ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے کفار کا بیان شروع ہوتا ہے اور یہ وقف عام طور پر سورتوں اور قصوں کے خاتمہ پر ہی ہوتا ہے اور اگر کلمہ موقوف علیہ کو مابعد سے لفظی تعلق تو نہ ہو البتہ معنوی ہو یعنی جملہ تو ختم ہو چکا ہو لیکن مضمون ختم نہ ہوا ہو تو اس وقف کو وقف کافی کہتے ہیں - جیساکہ سورہ بقرہ ہی کے شروع میں یُنْفِقُوْنَ ۝ اور لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ کہ ان دونوں کو مابعد سے تعلق لفظی تو نہیں البتہ معنوی ہے اور وہ یہ کہ یُنْفِقُوْنَ ۝ کے بعد بھی ماقبل کی طرح مؤمنین ہی کا بیان ہے اور ایسے ہی لَا یُؤْمِنُوْنَ کے بعد بھی ماقبل کی طرح کفار ہی کا بیان ہے اور اگر کلمہ موقوف علیہ پر جملہ تو پورا ہو چکا ہو لیکن مابعد سے تعلق لفظی اب بھی باقی ہو تو یہ وقف ، وقف حسن کہلاتا ہے جیساکہ سورہ فاتحہ کے شروع میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پر کیونکہ اگرچہ لِلّٰہِ پر مبتدا ، اور خبر مل کر جملہ پورا تو ہو گیا ہے لیکن اس کو مابعد سے یعنی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے تعلق باقی ہے اس لیے کہ اللہ موصوف ہے اور رب العٰلمین اس کی صفت اور ایسے ہی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر بھی وقف حسن ہی ہے کیونکہ صفاتِ باری عَزَّ اِسْمُہٗ کا سلسلہ ان دونوں کے بعد بھی جاری ہے اور اگر کلمہ موقوف علیہ پر سرے سے جملہ ہی پورا نہ ہوا ہو تو یہ وقف ، وقف قبیح کہلائے گا جیساکہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں اَلْحَمْدُ پر اور وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ میں وَاِذْ قَالَ پر کیونکہ اس صورت میں مبتدا پر بغیر خبر کے اور فعل پر بغیر فاعل کے وقف ہوگا۔ مگر یاد رکھو کہ ایسے موقعوں پر وقف صرف اضطراراً ہی جائز ہے ارادہ اور اختیار سے جائز نہیں اس لیے کہ یہاں کلام پورا نہیں ہوتا اور اس سے کوئی مفید مطلب نہیں نکل سکتا۔

سوال :۔ کیا محل کے اعتبار سے وقف کی یہی چار قسمیں ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور قسم بھی ہے ؟

جواب :۔ اصل کی رو سے تو یہی چار قسمیں ہیں لیکن ان کے علاوہ دو قسمیں اور بھی بیان کی جاسکتی ہیں اور وہ یہ ہیں ۱ لازم ۲ اقبح ۔ وقفِ لازم تو ایسا لازم اور ضروری وقف ہے کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے یعنی اس کے موقعہ پر بجائے وقف کے وصل کیا جائے تو اس سے نہایت نامناسب اور خلاف مقصود معنی متوہّم ہوتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں وقف اقبح ایسا قبیح اور نامناسب وقف ہے کہ جس کے کرنے سے خلاف مراد اور غلط معنی کا توہم ہوتا ہے۔ پس وقف لازم کے موقع پر تو وقف نہ کرنا اور وقف اقبح کے موقع پر وقف کرنا قبیح اور فاسد معنی کے ایہام کا سبب ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص سورہ اٰل عمران کے چھٹے رکوع میں اِلَّا اللّٰہُ کو ملائے بغیر وَمَا مِنْ اِلٰہٍ پر یا سورہ نساء کے ساتویں رکوع کے شروع میں وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی کو ملائے بغیر لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ پر وقف کرے تو یہ وقف اقبح کہلائے گا کیونکہ اس سے پہلے موقعہ میں تو ایک فاسد عقیدہ کا اور دوسرے موقعہ میں ایک اہم اور فرض عبادت سے روکنے کا توہم ہوتا ہے العیاذ باللہ پس قاری کو چاہیئے کہ ایسے موقعوں پر وقف کرنے سے قطعاً اجتناب کرے اور ایسے ہی سورہ اٰل عمران کے انیسویں رکوع کے شروع میں وَنَحْنُ اَغْنِیَآءُ پر اگر وقف نہ کیا جائے، بلکہ اس کا سَنَکْتُبُ مَا قَالُوْا

سے وصل کیا جائے، یا سورہ توبہ کے تیسرے رکوع میں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ پر وقف نہ کیا جائے بلکہ اس کو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے ملا کر پڑھا جائے تو ایسی صورت میں نہایت قبیح معنی متوہم ہوتے ہیں، اس لیے علماء نے ایسے موقعوں پر وقف کرنے کو نہایت ضروری اور لازم قرار دیا ہے اور اسی لیے اس کو وقف لازم کہتے ہیں اور ایسے ہی موقعوں پر قرآن میں میم کی علامت بنی رہتی ہے جس سے لازم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور گو ایسے موقعوں پر ٹھہرنا شرعاً تو ضروری نہیں اور نہ ہی نہ ٹھہرنے والا کافر یا گنہگار ہوتا ہے جب تک کہ اس فاسد معنی کا قصد نہ کرے مگر وصل سے غلط معنی کا جو توہم ہو جاتا ہے، اس سے بچنے کے لیے ٹھہرنا عرفاً ضروری ہے پس ان دو سمیت وقف کی محل کے اعتبار سے یہ چھ قسمیں ہو جاتی ہیں لازم تام۔ کافی حسن، قبیح اور اقبح۔

سوال :۔ جو لوگ معنی نہیں سمجھتے، وہ تام کافی حَسَن اور قبیح وغیرہ کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟

جواب :۔ ایسے لوگوں کو ان وقوف کو پہچاننے کی چنداں ضرورت نہیں اس لیے کہ ان کو تو انہی موقعوں پر وقف کرنا چاہیئے، جہاں وہ علامتیں بنی ہوئی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اور یہ علامتیں ایسے ہی لوگوں کی سہولت کی خاطر لگائی گئی ہیں جو معنی نہ جاننے کی وجہ سے کلام کے تمام اور ناتمام ہونے اور موقوف علیہ کے مابعد سے تعلق وعدم تعلق کو نہیں معلوم کر سکتے پس اُن کے لیے یہ علامتیں ہی تام۔ کافی اور حسن کے قائم مقام ہیں کیونکہ علماء نے جس مقصد کے لیے وقف کی یہ قسمیں تجویز کی ہیں اسی مقصد کے لیے وقف کی یہ علامتیں وضع کی ہیں۔

سوال۔ کیا وقف اضطراری کے لئے بھی وقف اختیاری کی طرح کوئی محل متعین ہے
جواب :۔ جس وقف کا کرنا اور جائز ہونا ہی اضطرار اور مجبوری کی وجہ سے ہے اس
کے لیے محل اور موقع کی تعیین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ ہر کلمہ پر ہو سکتا
ہے، البتہ اس بات کا خیال رکھنا اس میں بھی ضروری ہوتا ہے۔ کہ کلمہ مقطوعہ
کے آخر پر ہی کیا جائے نہ تو کلمہ کے درمیان جائز ہے اور نہ کلمہ موصولہ کے آخر
پر ہی چنانچہ اَلَّیْل میں (ی) پر وَالشَّمْسِ میں (م) پر تَقْدِیْرُ میں قاف
یا (ی) پر اور اسی طرح سورہ ہود کے شروع میں الَّا میں اَنْ پر اور یونس
ع اَمَّنْ میں اَمْ پر وقف اضطراری بھی جائز نہیں اس لیے کہ اَلَّیْل میں (ی)
اَلشَّمْسِ میں (م) تَقْدِیْرُ میں قاف اور (ی) تو کلمہ کے درمیانی حروف ہیں اور اَلَّا میں نون اور اَمَّنْ میں
اُمْ کا میم گو ہیں تو کلمہ کے آخر میں مگر چونکہ وہ لَا اور مَنْ سے موصول ہیں اس
لیے ان پر بھی وقف کرنا جائز نہیں۔ پس کلمہ کے درمیان اور کلمہ موصولہ کے آخر
پر وقف کرنا گو وہ اضطراراً (مجبوری کی بنا پر) ہی کیوں نہ ہو۔ وقف میں لحن
اور انتہائی قبیح ہے اور مقطوع و موصول کی وضاحت اور اس کی پوری بحث
نصاف کی چوتھی کتاب مقدمۃ الجزریہ میں آئے گی۔

سوال :۔ کیا وقف اختیاری اور اضطراری کے علاوہ وقف کی کوئی اور قسم
بھی ہے ؟

جواب :۔ اصل کے اعتبار سے تو یہی دو قسمیں ہیں کیونکہ وقف یا تو اختیار اور
ارادہ سے ہوگا اور یا مجبوری سے جیسا کہ اوپر بیان ہوا لیکن ان کے علاوہ وقف
کی ایک تیسری قسم اور بھی بیان کی گئی ہے اور وہ ہے وقف اختباری، اختبار کے
معنی آزمانے اور تحقیق کرنے کے ہیں، پس اگر استاذ شاگرد سے کسی کلمہ پر وقف
کرنے کے لیے اس غرض سے کہے کہ وہ دیکھے کہ آیا وہ اس کلمہ پر وقف قاعدہ کے

موافق کر سکتا ہے یا نہیں یا شاگرد خود اُستاذ سے کسی کلمہ پر وقف کرنے سے متعلق دریافت کرے یعنی یہ پوچھے کہ فلاں کلمہ پر وقف کس طرح کرنا چاہیئے مثلاً استاذ شاگرد کو اَلظُّنُوْنَا اَلرَّسُوْلَا یا لِیَرْبُوَا اور لِتَتْلُوَا وغیرہ پر یا کسی کلمہ پر روم یا اشمام کے ساتھ وقف کرنے کے لیے اس غرض سے کہے کہ آیا یہ ان کلموں پر وقف کرنے کا قاعدہ سمجھتا ہے یا نہیں یا روم و اشمام کا طریقہ جانتا ہے یا نہیں، یا شاگرد اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ وغیرہ پر یا اسی قسم کے کسی اور کلمہ پر وقف کرنے سے متعلق دریافت کرے، کہ جس پر وقف کرنے کا کوئی خاص قاعدہ ہو تو یہ وقف اختیاری کہلاتا ہے اور یہ کلام تام پر بھی ہو سکتا ہے اور غیر تام پر بھی اور گو وقف کی ایک قسم اور بھی ہے۔ یعنی وقف انتظاری مگر چونکہ اس کی ضرورت صرف ایک روایت کے پڑھنے میں پیش نہیں آتی، اس لیے یہاں اس کی وضاحت کی بھی ضرورت نہیں۔

فصل سوم: ابتداء۔ اعادہ۔ سکتہ اور قطع کے بیان میں

ابتداء و اعادہ

سوال: ابتداء اور اعادہ کے کیا کیا معنی ہیں اور یہ دونوں کیا ہیں؟

جواب: ابتداء کے معنی ہیں آگے سے پڑھنا اور اعادہ کے معنی ہیں اوپر سے لوٹانا اور یہ دونوں وقف کے متعلقات سے ہیں کیونکہ وقف کرنے کے بعد بعض حالتوں میں تو قاری کو آگے سے پڑھنا ہوتا ہے اور بعض حالتوں میں اوپر سے لوٹانا پڑتا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے اس لیے معرفت وقف کی طرح ابتداء، اعادہ کی

معرفت بھی ضروری ہے کیونکہ جو قباحت اور خرابی بے موقع اور قاعدہ کے خلاف وقف کرنے سے پیدا ہوتی ہے وہی قباحت اور خرابی قاعدہ کے خلاف اور بے جا ابتدا اور اعادہ سے بھی پیدا ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کی معرفت کے بغیر وقف ہی کی معرفت کامل نہیں ہوتی اور وقف کی طرح ابتداو اعادہ میں بھی دو چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔ (۱) کیفیت ابتداء و اعادہ (۲) محل ابتداء و اعادہ لہذا مختصر طور پر ان کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔

سوال :- ابتداء اور اعادہ کیسے کرنے چاہئیں ؟

جواب :- کیفیت میں ابتداء اور اعادہ دونوں یکساں ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ دونوں حرکت سے کیے جاتے ہیں۔ پس اگر کلمہ کا پہلا حرف ساکن ہو تو چونکہ ابتدا بسکون محال ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں شروع میں ہمزہ وصلی لاتے ہیں۔ تاکہ ابتداء ہو سکے اور اعادہ کو بھی ایسا ہی سمجھو۔ اور ہمزہ وصلی کی حرکت کے متعلق ہمزہ کی بحث میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

محل ابتداء و اعادہ

سوال :- ابتداء و اعادہ کہاں سے کرنے چاہئیں ؟

جواب :- معنی نہ سمجھنے والوں کے لیے اس بارہ میں یہ ضابطہ ہے کہ آیت میم اور طا ان تین علامتوں کے اور ایسے ہی وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وقف جبرئیل علیہ السلام اور وقف غفران کے موقع پر وقف کرنے کی صورت میں تو ما بعد سے ابتدا کریں اور جیم کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سانس میں اس سے بڑی علامت تک پہنچنے کی گنجائش ہو تب تو اس پر وقف نہ کیا جائے اور اگر گنجائش نہ ہو تو جائز ہے لیکن وقف کرنے کے بعد اس سے پہلے کی کسی بڑی علامت کے موقع

سے اعادہ کر لینا بہتر ہے بشرطیکہ وہاں سے اعادہ کرنے کی صورت میں اُسے کسی بڑی علامت تک پہنچنا ممکن ہو ورنہ مابعد سے ابتدا کی جائے اور باقی علامتوں کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے صل۔ لا۔ قلا اور صلا ان چار علامتوں کے موقعوں پر تو وقف کرنا ہی نہیں چاہیئے اور ز۔ ص۔ ق۔ قف کے موقعہ پر گو عند الضرورت وقف کیا تو جا سکتا ہے لیکن وقف کرنے کے بعد پھر ماقبل سے اعادہ ضروری ہے اور مابعد سے ابتداء درست نہیں[1]۔ رہا کاف سو اس کی کوئی اپنی الگ حیثیت نہیں بلکہ یہ کَذٰلِکَ کا مخفف ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو اس سے پہلی علامت کا ہے۔ پس اس سے پہلے اگر کوئی قوی علامت ہو تو یہ اسی کے حکم میں ہوگی اور اگر ضعیف ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہے رہا وہ گول دائرہ جس پر کوئی علامت ہو سو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں آیت بھی ہے اور اس علامت کا مرموز یعنی وقف بھی اور حکم اس کا یہ ہے کہ اس پر وقف کرنے کی صورت میں مابعد سے ابتدا جائز ہے خواہ اس پر لا ہی کیوں نہ ہو باقی رہے تین تین نقطے سو ان کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس طرح کی علامت جہاں بھی ہوتی ہے قریب قریب دو جگہ ہوتی ہے اور ایسے موقعہ میں قرآن مجید کے حاشیہ پر لفظ مع یا لفظ معانقہ لکھا رہتا ہے اور حکم اس کا یہ ہے کہ نہ دونوں جگہ وقف کرنا چاہیئے اور نہ دونوں جگہ وصل پس اگر پہلی جگہ وقف کر لیا ہو تو دوسری جگہ نہیں کرنا چاہیئے اور اگر پہلی جگہ نہ کیا ہو تو دوسری جگہ کرنا چاہیئے۔ فقط۔ یہ وضاحت تو ہوئی ان لوگوں کے لیے جو معنی نہیں سمجھتے اور جو لوگ معنی سمجھتے ہیں ان کے لیے یہ ضابطہ ہے کہ تام لازم اور کافی میں تو مابعد سے ابتدا کریں اور حسن میں یہ تفصیل ہے کہ اگر

---

[1] ایسے ہی اگر یوں ہی کہیں درمیان میں وقف کرنا پڑ جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ ماقبل سے اعادہ کیا جائے

تو یہ آیت کے آخر پر واقع ہو۔ تب تو اس میں بھی مابعد ابتدا جائز ہے۔ اور اگر آیت کے درمیان ہو۔ تو ماقبل سے اعادہ کیا جائے۔ اور وقف قبیح میں اعادہ ہی ضروری ہے ابتدا جائز نہیں اور وقف اقبح میں اولاً تو وقف سے اجتناب ہی کیا جائے۔ اور اگر بامر مجبوری وہاں وقف ہو ہی جائے تو پھر اس میں بھی اعادہ ہی ضروری ہوگا۔

سوال :- یہ تو معلوم ہوگیا کہ معنیٰ نہ سمجھنے والوں کو کسی ضعیف علامت پر یا درمیان میں وقف کرنے کی صورت میں اور معنیٰ سمجھنے والوں کو وقف حسن۔ اور وقف قبیح میں ماقبل سے اعادہ کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ ماقبل سے کہاں سے کیا جائے۔

جواب :- ابتدا کی طرح اعادہ بھی وقف کی ان ہی تین علامتوں کے یا وقف تام اور وقف کافی کے موقع ہی سے کرنا چاہیئے۔ مثلاً سورہ آل عمران کے انیسویں رکوع کے شروع میں کوئی شخص مَا قَالُوْا پر یا اَلْاَنْبِیَآءَ پر وقف کرے تو چونکہ یہاں وقف کی کوئی علامت نہیں اس لیے اب سَنَکْتُبُ سے اعادہ کرنا ضروری ہوگا کیونکہ اس سے پہلے اَغْنِیَآءُ پر وقف کی علامتوں میں سے ایک قوی علامت یعنی میم ہے اور ایسے ہی اگر کوئی شخص سورۂ بقرہ کے شروع میں بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ پر وقف کرے تو اب وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ سے اعادہ کرنا ہوگا کیونکہ اس سے پہلے یُنْفِقُوْنَ پر وقف کافی ہے خلاصہ یہ کہ ابتدا ہو خواہ اعادہ وقف کی کسی معتبر علامت یا وقف تام اور وقف کافی کے بعد سے ہی کیا جائے گا ضعیف علامت کے بعد سے یا یوں ہی کہیں درمیان سے یا وقف حسن اور وقف قبیح کے بعد سے ابتدا کی طرح اعادہ بھی درست نہیں البتہ اس حسن کے بعد سے جائز ہے جو آیت کے آخر پر ہو۔

سوال :- جس طرح علماء نے کلام کی تمامی اور ناتمامی وغیرہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے وقف کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں، تو کیا اس طرح انہوں نے ابتدا اور اعادہ کی بھی کچھ قسمیں بیان کی ہیں؟

جواب :- ہاں اس اعتبار سے ابتدا و اعادہ کی بھی متعدد قسمیں بیان کی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ حسن احسن قبیح اقبح چنانچہ جو ابتدا۔ وقف لازم اور وقف تام کے بعد سے کی جائے وہ احسن جو کافی یا اس حسن کے بعد سے کی جائے جو راُس آیت پر ہو وہ حسن اور جو قبیح یا اس حسن کے بعد سے کی جائے جو آیت کے درمیان ہو وہ قبیح کہلاتی ہے اور اگر کفار منافقین۔ اور مشرکین کے مقولہ سے یا کسی اور ایسی جگہ سے کی جائے جہاں سے ابتدا کرنے کی صورت میں بہت ہی نامناسب معنی متوہم ہوتے ہیں تو یہ ابتدا اقبح کہلاتی ہے اور اس سے بہت احتیاط کرنی چاہیئے مثلاً کوئی شخص سورہ مائدہ کے ع میں قَالُوْٓا پر وقف کر کے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ سے یا سورہ توبہ ع۵ میں وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ پر وقف کر کے عُزَيْرُ ابْنُ سے یا صفت ع۵ میں لَيَقُوْلُوْنَ پر وقف کر کے وَلَدَ اللّٰهُ سے ابتدا کرے تو ایسے موقعوں سے ابتدا کرنے کی صورت میں چونکہ بہت ہی نامناسب اور قبیح معنی متوہم ہوتے ہیں اس لیے یہ ابتدا اقبح کہلائے گی اور اعادہ کو بھی ایسے ہی سمجھو۔

تنبیہ :- جس طرح وقف گو وہ اضطراری ہی کیوں نہ ہو، کلمہ غیر موصولہ کے آخر پر ہی ہو سکتا ہے کلمہ کے درمیان اور کلمہ موصولہ کے آخر پر جائز نہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اسی طرح ابتداء اور اعادہ بھی کلمہ غیر موصولہ ہی کے شروع سے ہو سکتے ہیں نہ تو کلمہ کے درمیان سے جائز ہیں اور نہ ہی کلمہ موصولہ (وہ کلمہ جو پہلے کلمہ سے ملا کر لکھا ہو) کے شروع سے مثلاً کوئی شخص سورہ یوسف میں مُبِيْنِ پر وقف کر کے نِ اقْتُلُوْا سے ابتدا کرے، تو درست نہ ہوگا۔ اس لیے کہ نِ اقْتُلُوْا کے شروع میں جو نون ہے۔ وہ

مُبِیْنُ کا جزو ہے نہ کہ اُقْتُلُوْا کا اور اسی طرح اگر کوئی شخص سورہ ہُوْد کے شروع سے اَنْ کو ملائے بغیر لَا تَعْبُدُوْا سے ابتدا یا اعادہ کرے، تو یہ بھی جائز نہیں اس لیے کہ لَا یہاں رسماً اَنْ سے موصول ہے، پس قاری کے لیے ضروری ہے، کہ یہ بھی جانے کہ کونسا کلمہ مابعد سے مقطوع ہے اور کونسا موصول تاکہ وہ وقف اور ابتداء کے بارہ میں کسی غلطی اور لحن کا مرتکب نہ ہونے پائے اور مقطوع و موصول کی پوری بحث نصاب کی چوتھی کتاب یعنی مقدمۃ الجزریہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

سکتہ

سوال :- سکتہ کے کیا معنی ہیں اور یہ کیا ہے؟

جواب :- سکتہ کے معنی خاموشی اور خاموش ہونے کے ہیں اور یہ بھی ابتداء اور اعادہ کی طرح وقف کے متعلقات میں سے ہے۔ کیونکہ اگر ٹھہرنے میں آواز کے ساتھ سانس کو بھی منقطع کر دیا جائے تب تو یہ وقف کہلاتا ہے جیسا کہ وقف کی تعریف کے ضمن میں گزرا اور اگر آواز کو تو منقطع کر دیا جائے لیکن سانس نہ لیا جائے تو یہ سکتہ ہے اور وقف، سکتہ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ سکتہ میں توقف (ٹھہرنا) بہت ہی تھوڑی دیر کے لیے ہوتا ہے[عہ]۔ بخلاف وقف کے کہ اس میں توقف بنسبت سکتہ کے زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے وقف کی دوسری تعریف میں زماناً کی قید لگائی گئی ہے (دیکھو وقف کی تعریف) البتہ وقف کی طرح سکتہ ہر جگہ جائز نہیں بلکہ اسکے خاص مواقع میں جو ذیل میں بیان کیے جا رہے ہیں۔

سوال :- سکتہ کن موقعوں میں ہوتا ہے اور کل سکتے قرآن مجید میں کتنے ہیں؟

جواب :- سکتے سارے قرآن مجید میں کل چار ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) سورہ کہف کے شروع میں

عہ لیکن یہ توقف اتنا مختصر بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ سامع کو سکتہ کا علم ہی نہ ہو۔

عِوَجًا کے الف پر (۲) سورہ یٰسٓ ع۲ میں مِنْ مَّرْقَدِنَا کے الف پر (۳) سورہ قیامہ ع۱ میں وَقِیْلَ مَنْ کے نون پر (۴) سورہ مُطَفِّفِیْن میں بَلْ رَانَ کے لام پر یہ چار سکتے تو وہ ہیں جو صاحب روایت یعنی خود حضرت حفصؒ سے ثابت ہیں اور یہ ضروری اور واجب ہیں اور ان کے ترک سے روایت کا خلاف لازم آتا ہے ہاں ان کے علاوہ چار سکتے اور بھی ہیں مگر وہ صاحب روایت سے مروی نہیں بلکہ علماء اوقاف کے مقرر کیے ہوئے ہیں اس لیے وہ واجب بھی نہیں ہیں البتہ جائز ہیں اور وہ یہ ہیں سورۂ اعراف ع۲ میں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کے الف پر (۲) سورہ اعراف ہی کے ع۲۳ میں اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا کے واو پر (۳) سورہ یوسف ع۳ میں اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا کے الف پر (۴) سورۂ قصص ع۳ میں یُصْدِرَ الرِّعَآءُ کے ہمزہ پر۔ پس پہلے چار تو واجب ہیں اور بعد والے چار جائز[1] اور چونکہ سکتہ میں قطع نفس کے بغیر تمام احکام وقف کے جاری ہوتے ہیں، اس لیے عِوَجًا میں سکتہ تنوین پر نہیں ہوگا۔ بلکہ تنوین کو الف سے بدل کر اس پر ہوگا کیونکہ وقف میں بھی دو زبر کا تنوین الف سے بدل جاتا ہے اور اسی وجہ سے مَنْ رَاقٍ اور بَلْ رَانَ میں ادغام نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ادغام وصل میں ہوتا ہے اور سکتہ حکم میں وقف کے[2] ہے۔ ایسے ہی اگر یُصْدِرَ الرِّعَآءُ پر سکتہ کیا جائے گا تو وقف کی طرح اس حالت میں بھی ہمزہ ساکن پڑھا جائے گا۔

سوال :- آپ نے اوپر بتایا ہے کہ کل سکتے چار یا آٹھ ہیں حالانکہ نو جگہ تو صرف ہائے سکتہ ہی ہے جیسا کہ ہم ہائے ضمیر کی بحث میں پڑھ چکے ہیں؟

---

[1] اور وہ بھی اس شرط سے کہ بلا لحاظ روایت کئے جائیں ورنہ بلحاظ روایت ان کا کرنا جائز نہیں مگر چونکہ قرآن مجید کے حاشیہ پر ان موقعوں میں بھی لفظ سکتہ لکھا رہتا ہے اس لیے یہاں ان کا بیان کرنا بھی ضروری تھا ورنہ بات نامکمل رہتی۔

[2] اور یوں بھی ادغام بلا اتصال حرفین ممکن نہیں اور سکتہ سے حرفین میں انفصال ہو جاتا ہے۔

جواب :- ہائے سکتہ کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر سکتہ کیا جاتا ہے یا کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ ہا وقف و وصل دونوں حالتوں میں ساکن پڑھی جاتی ہے اور اس پہ وصل میں بھی حرکت نہیں آتی یعنی سکتہ کے حرف کی طرح اس پہ وصل میں بھی وقف ہی کا حکم جاری ہوتا ہے اور بس البتہ ان میں سے صرف مَالِيَهْ کی ہا پر سکتہ جائز ہے۔ دیکھو ادغام کی تفصیلی بحث۔

سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کے مندرجہ ذیل موقعوں میں سات سکتے ہیں (۱) اَلْحَمْدُ کے دال پر (۲) لِلّٰهِ کی ھا پر (۳تا ۵) مٰلِكِ اِيَّاكَ اور اِيَّاكَ کے کاف پر (۶) اَنْعَمْتَ کی تا پر (۷) اَلْمَغْضُوْبِ کی باء پر اور اس پر وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر ان موقعوں پر سکتہ نہ کیا جائے، تو یہ حروف بعد والے کلموں سے مل کر دُلِلْ ۔ هِرَبْ ۔ كِيَو ۔ كَنَعْ كُنَسْ ۔ تَعَلْ ۔ بِعَلْ ہو جائیں گے اور یہ شیطان کے نام ہیں سو اس بارہ میں علماء فن کی کیا تحقیق ہے؟

جواب :- ان کا یہ قول سراسر باطل اور قطعاً بے اصل ہے، سکتہ کے مواقع بس وہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں، فن کے علماء نے ایسے لوگوں کو جو سورہ فاتحہ میں سکتے بتاتے ہیں جاہل کہا ہے اور ان کا یہ کہنا کہ اگر ان موقعوں پر سکتہ نہ کیا جائے تو یہ حروف بعد والے کلموں سے مل کر شیطان کے نام ہو جاتے ہیں اس سے ان کی اور بھی جہالت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ یہ ایک کلمہ کا آخر اور دوسرے کلمہ کا شروع ملا کر ایک نیا کلمہ گھڑ لیا گیا ہے۔ جس کی کوئی بھی اصل نہیں، اور اگر اسی طرح ایک کلمہ کا آخر اور دوسرے کلمہ کا شروع ملا کر کوئی کلمہ بنا لیا جائے اور پھر اس کو شیطان کا نام قرار دے دیا جائے تو اس طرح تو پھر اور بھی بہت سے کلمے شیطان کے نام بن جائیں گے خلاصہ یہ کہ ان کے یہ خود ساختہ (اپنے بنائے ہوئے) سکتے اور اس پر یہ

مخترع (گھڑی ہوئی) دلیل دونوں غلط مضحکہ خیز اور مہمل ہیں روایت حفص تو کیا کسی اور روایت میں بھی ان سکتوں کا وجود نہیں۔

قطع کا بیان

سوال:۔ قطع کیا چیز ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب:۔ قطع کے لغوی معنی کاٹنے اور توڑنے کے ہیں۔ اور اصطلاح قراء میں قطع کہتے ہیں قرأت کے ختم کر دینے کو اور یہ بھی وقف کے متعلقات میں سے ہے اس لیے کہ اگر ٹھہرنے کے بعد تلاوت کو جاری رکھنے کا ارادہ ہو تب تو یہ ٹھہرنا وقف کہلاتا ہے۔ اور اگر ٹھہرنے کے بعد آگے پڑھنے کا ارادہ نہ ہو تو یہ قطع کہلاتا ہے مثلاً تم نے کسی سورۃ یا کسی پارہ یا کسی دوسری مقدار کی تلاوت کرنے کا ارادہ کیا تو دوران تلاوت میں تم جہاں جہاں ٹھہرو گے اسے تو وقف کہیں گے۔ اور جب تم اس سورہ یا پارہ یا کسی دوسری مقدار کی آخری آیت پر ٹھہرو گے کہ جس کے بعد تمہارا پڑھنے کا ارادہ نہ ہوگا تو اس آخری آیت پر ٹھہرنے کو قطع کہیں گے پس درمیان تلاوت میں ٹھہرنے کو وقف اور ختم تلاوت پر ٹھہرنے کو قطع کہتے ہیں۔

سوال:۔ قطع کہاں کرنا چاہیئے اور اس کا محل کیا ہے؟

جواب:۔ قطع کا محل بنسبت وقف کے خاص ہے۔ کیونکہ وقف تو ہر ٹکی آیت اور بڑی علامت پر ہو سکتا ہے بلکہ عند الضرورت کچی آیت اور ضعیف علامت پر بلکہ درمیان میں بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اوپر فصل دوم میں گزرا۔ لیکن قطع کا یہ حال نہیں یہ صرف پکی آیت پر ہی جائز ہے نہ تو وقف کی کسی علامت پر جائز ہے[1] اور نہ اس آیت پر ہی درست ہے جس کو مابعد سے لفظی تعلق ہو اور جس کو عرف عام میں کچی آیت کہتے

---

[1] خواہ وہ علامت قوی اور معتبر ہی کیوں نہ ہو۔

ہیں لہذا قاری کو چاہیئے کہ قرأت کسی پکّی آیت پر ہی ختم کرے بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ قطع کسی رکوع یا کسی مضمون یا کسی قصّہ پر بلکہ کسی سورۃ کے ختم پر کیا جائے۔ خوب سمجھ لو۔

تتمّہ رسم الخط کے بیان میں

سوال :- رسم الخط کیا چیز ہے؟

جواب :- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہؓ کرام کے اجماع سے قرآن مجید کے جو متعدد نسخے لکھوا کر بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھیجے تھے۔ جنکا ذکر کتاب کے مقدمہ میں آچکا ہے، وہ قرآن جس طریقہ پر لکھے گئے تھے، اس کو علماء اور قرّاء کی اصطلاح میں قرآن کا رسم الخط کہتے ہیں اور قاری کے لیے اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔

سوال :- تجوید کی کتاب میں رسم الخط کے ذکر کا کیا موقع ہے اور قاری کے لیے اس کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

جواب :- رسم کا جاننا قاری کے لیے دو وجہ سے ضروری ہے ایک تو اس لیے کہ وقف رسم کے تابع ہے جیسا کہ کیفیت وقف کی بحث میں تنبیہ (۵) کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے پس صحت وقف کا مدار رسم کے جاننے پر ہے اور دوسرے اس لیے کہ بعض کلمات کی رسم تلفظ کے خلاف ہے تو اگر ایسے موقعوں میں ان کلمات کا تلفظ رسم کے مطابق کیا جائے گا۔ تو کہیں تو مثبت منفی ہو کر معنی بالکل بدل جائیں گے اور کہیں کلمہ سرے سے مہمل ہی ہو جائے گا لہذا قاری کے لیے ضروری ہے کہ ان کلمات کو جن کی رسم تلفظ کے خلاف ہے محفوظ کرلے تاکہ تلاوت کرتے وقت اس فاش غلطی کا مرتکب نہ ہونے پائے اور بجائے ثواب کے عذاب کا مستحق نہ ہو اور اسی مقصد کے پیش نظر تجوید کی کتابوں میں بقدر ضرورت رسم الخط کا بیان ہوتا ہے اور پوری تفصیل اس علم

کی رسم ہی کی کتابوں میں بیان کی جاتی ہے۔

سوال : وہ کون کونسے کلمات ہیں جن کی رسم تلفظ کے خلاف ہیں ؟

جواب : ان میں سے بعض کلمات کا ذکر اور کیفیت وقف کی بحث میں آچکا ہے چنانچہ تم پڑھ چکے ہو کہ لفظ اَنَا جہاں بھی آئے لٰکِنَّا سورہ کہف میں اَلظُّنُوْنَا۔ اَلرَّسُوْلَا۔ اَلسَّبِیْلَا تینوں سورہ احزاب میں سَلٰسِلَا اور پہلا قَوَارِیْرَا دونوں سورہ دھر میں ان سات کلمات کا الف باوجودیکہ مرسوم ہے لیکن اس پر بھی وصلاً نہیں پڑھا جاتا صرف وقفاً ہی پڑھا جاتا ہے اور اَوْ یَعْفُوَا سورہ بقرہ میں اَنْ تَبُوْٓأَ سورہ مائدہ میں لِتَتْلُوَا سورہ رعد میں لَنْ نَّدْعُوَا سورہ کہف میں لِیَرْبُوَا سورہ روم میں لِیَبْلُوَا اور نَبْلُوَا دونوں سورہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دوسرا قَوَارِیْرَا سورہ دھر میں اور ثَمُوْدَا چار جگہ سورہ فرقان عنکبوت نجم اور ہود میں ان نو کلمات کا الف مرسوم ہونے کے باوجود نہ تو وقفاً ہی پڑھا جاتا ہے اور نہ وصلاً اور اب یہاں چند کلمات ایسے اور درج کیے جاتے ہیں جن میں رسم تلفظ کے خلاف ہے۔ ان کو بھی اچھی طرح یاد کرلو اور تلاوت کے وقت ان کا خیال رکھو اور وہ یہ ہیں (۱) یَبْصُۜطُ پارہ ۲ ع ۱۶ بَصْۜطَةً پارہ ۸ ع ۱۶ یہ دونوں لکھے ہوئے تو صاد کے ساتھ ہیں مگر پڑھے سین کے ساتھ جاتے ہیں (۳) اَمْ هُمُ الْمُصَۜیْطِرُوْنَ پارہ ۲۷ سورہ طور ع ۲ میں خلف ہے یعنی اس میں صاد اور سین دونوں پڑھنے جائز ہیں اور ان تینوں میں صاد کے اوپر چھوٹا سا سین بھی لکھا رہتا ہے اور گو پارہ ۳۰ سورہ غاشیہ میں بِمُصَۜیْطِرٍ میں بھی صاد کے اوپر چھوٹا سا سین لکھا رہتا ہے مگر خوب یاد رکھو کہ روایت حفص رحؒ میں اس کو صاد ہی سے پڑھنا ضروری ہے اور پانچ کلمے ایسے ہیں جن میں لکھا ہوا تو لا ہے یعنی لام کے بعد الف ہے مگر پڑھنے میں الف نہیں آتا اور وہ یہ ہیں ۱ لَاۡ اِلَی اللّٰهِ پارہ ۴ ع ۸ ۲ لَاۡ اَوْضَعُوْا سورہ توبہ ع ۷ ۳ اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗ سورہ نمل ع ۲ ۴

لَاۡ اِلَى الۡجَحِیۡمِ صٰفّٰت ع اور لَاۡ اَنۡتُمۡ سورہ حشر ع پس ان کلمات میں اگر الف پڑھا جائے گا تو کلمہ بجائے مثبت کے منفی ہو جائے گا اور معنی بالکل بدل جائیں گے اسی طرح اَفَائِنۡ دو جگہ پارہ ع اور پارہ ع۔ مَلَائِہٖ جہاں بھی آئے لِشَایۡءٍ سورہ کہف ع وَجِایۡءَ دو جگہ سورہ زمر ع اور سورہ والفجر ان میں فالام شین اور جیم کے بعد الف لکھا ہوا تو ہے لیکن پڑھا نہیں جاتا اور اگر ان کلموں میں الف پڑھا جائے گا تو کلمہ مہمل ہو جائے گا۔ ان کے علاوہ بعض حروف ایسے اور بھی ہیں جو لکھے ہوئے تو ہیں مگر پڑھنے میں نہیں آتے ان کا قاعدہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔

سوال :۔ کون سا حرف پڑھا جاتا ہے اور کونسا نہیں پڑھا جاتا ؟

جواب :۔ جس حرف پہ زبر۔ زیر۔ پیش یا جزم ہو وہ تو پڑھا جاتا ہے اور جو حرف خالی ہو یعنی اس پر جزم و حرکت میں سے کچھ نہ ہو وہ پڑھنے میں نہیں آتا جیسے قَالُوا الۡاٰنَ میں لام کے بعد واؤ الف اور ع فِی الۡاَرۡضِ میں فاء کے بعد یا اور ع اور قَالَا الۡحَمۡدُ میں لام کے بعد الف اور ع یہ اس لیے نہیں پڑھے جاتے کہ یہ جزم و حرکت سے خالی ہیں البتہ الف ایک ایسا حرف ہے جس پر باوجودیکہ حرکت و جزم وغیرہ میں سے کبھی کچھ نہیں ہوتا لیکن اس پر بھی وہ اکثر موقعوں میں پڑھا جاتا ہے جیسے اَلصِّرَاطَ میں را کے بعد اور اَلتَّابُوۡتَ میں تا کے بعد والا الف۔

سوال :۔ آپ نے ابھی اوپر بتایا ہے کہ الف پر باوجودیکہ نہ حرکت ہوتی ہے اور نہ جزم۔ مگر پھر بھی وہ اکثر موقعوں میں پڑھا جاتا ہے۔ تو اب ہمیں کیسے معلوم ہو کہ کونسے موقع میں پڑھا جاتا ہے اور کون سے موقع میں نہیں پڑھا جاتا

جواب :۔ جو الف کلمہ کے درمیان ہو۔ یا ہو تو آخر میں مگر اس کے بعد دوسرے کلمہ کے

شروع میں ہمزہ وصلی نہ ہو۔ وہ تو پڑھا جاتا ہے اور جو ہو بھی کلمہ کے آخر میں اور اس کے بعد دوسرے کلمہ کے شروع میں ہمزہ وصلی بھی ہو۔ وہ نہیں پڑھا جاتا۔ پہلی قسم کے الف کی مثالیں الصِّرَاطَ۔ اَلتَّابُوْتُ۔ فَلَمَّا اَلْقَوْا۔ اور وَاِذَا قِیْلَ ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اَلصِّرَاطَ اور اَلتَّابُوْتُ میں تو الف کلمہ کے درمیان ہے اور فَلَمَّا اَلْقَوْا وغیرہ میں گو ہے تو کلمہ کے آخر میں۔ لیکن اس کے بعد ہمزہ وصلی نہیں اور دوسرے قسم کے الف کی مثالیں قَالَا الْحَمْدُ اور تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ۔ وغیرہ ہو سکتی ہیں کیونکہ ان میں لام اور ھا کے بعد والا الف کلمہ کے آخر میں بھی ہے اور اس کے بعد دوسرے کلمہ کے شروع میں ہمزہ وصلی بھی ہے ایسے ہی وہ الف بھی پڑھنے میں نہیں آتا جو جمع کے واو کے بعد لکھا رہتا ہے جیسے اٰمَنُوْا۔ کَفَرُوْا۔ لَا تُفْسِدُوْا اور خَلَوْا وغیرہ کے آخر میں ہے ایسے الف کے بعد اگر ہمزہ پر حرکت ہو تب بھی پڑھنے میں نہیں آتا جیسے قَالُوْا اٰمَنَّا اور خَلَوْا اِلٰی میں واؤ کے بعد والا الف خوب سمجھ لو۔

سوال :۔ بعض موقعوں میں اوپر نیچے دو حرف لکھے رہتے ہیں مثلاً یَبْدَؤُ میں دال کے بعد اوپر ہمزہ نیچے واو بِئْسَ اور نَبِیٍّ ءٍ میں با کے بعد اوپر ہمزہ نیچے یا یُؤْمِنُوْنَ میں یا کے بعد اوپر ہمزہ نیچے واو یَسْتَهْزِئُ میں زا کے بعد اوپر ہمزہ نیچے یا اور سَائِلٌ میں الف کے بعد اوپر یا نیچے ہمزہ تو اس کی کیا وجہ ہے نیز یہ کہ ان کا حکم کیا ہے آیا یہ دونوں حرف پڑھے جاتے ہیں یا کیا۔

جواب : دونوں نہیں پڑھے جاتے صرف وہی پڑھنے میں آتا ہے جس پر جزم یا کوئی حرکت ہوتی ہے اور دوسرا حرف پڑھنے میں نہیں آتا۔ اب رہا یہ سوال کہ ایسے موقعوں میں دو حرف لکھے ہوئے کیوں ہوتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ حروفِ ہجا میں سے ہمزہ ایک ایسا حرف ہے جس کی کوئی مستقل شکل نہیں کہیں

تو وہ بہ شکل الف لکھا جاتا ہے کہیں بہ شکل یا اور کہیں بہ شکل واؤ اور کہیں محذوف الشکل یعنی بے صورت ہوتا ہے اور عین کا سرا جس کو کہ تم ہمزہ سمجھتے ہو یہ اس کی شکل نہیں بلکہ علامت ہے پس جہاں تم دیکھو کہ واؤ کے اوپر عین کا سرا بنا ہوا ہے سمجھو کہ یہاں ہمزہ بہ شکل واؤ مرسوم ہے اور جہاں عین کا سرا یا پر بنا ہوا ہو سمجھو کہ یہاں ہمزہ بہ شکل یا ہے اور عین کا سرا بطور علامت ہے تاکہ پڑھنے والے یہاں واو اور یا نہ پڑھیں بلکہ ہمزہ پڑھیں - ہاں جہاں ہمزہ یعنی سرا عین اور اس سے نیچے والے حرف دونوں پر جزم و حرکت میں سے کچھ ہو، وہاں دونوں ہی پڑھے جائیں گے جیسے دِفْءٌ میں فا پر تو جزم ہے اور ہمزہ پر پیش تو اب یہاں فا اور ہمزہ دونوں ہی پڑھے جائیں گے کیونکہ یہاں فا ہمزہ کی سورت نہیں بلکہ ہمزہ کی صورت محذوف ہے اور عین کا سرا اس کی علامت ہے خوب سمجھ لو۔

سوال :- جس طرح يُؤْمِنُوْنَ میں واؤ کے اوپر اور نَبِيٍّ میں یا کے اوپر ہمزہ کی علامت بنی ہوئی ہوتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہمزہ بصورت واو یا بصورت یا ہے تو اس طرح اِقْرَاْ اور مَاْكُوْلٍ وغیرہ میں الف پر ہمزہ کی علامت کیوں نہیں بنائی جاتی جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں ہمزہ بصورت الف ہے -

جواب : واؤ، یا یہ دونوں چونکہ حرکت کو بھی قبول کرتے ہیں اور جزم کو بھی یعنی یہ دونوں متحرک بھی ہوتے ہیں اور ساکن بھی اس لیے ان پر تو ہمزہ کی علامت بنانے کی ضرورت تھی ورنہ يُؤْمِنُوْنَ کو يُوْمِنُوْنَ اور نَبِيٍّ کو نَبِيٍّ پڑھتے بخلاف الف کے کہ یہ چونکہ نہ حرکت کو قبول کرتا ہے اور نہ جزم کو بلکہ ان دونوں سے ہمیشہ خالی ہوتا ہے اس لیے اس پر کسی حرکت یا جزم کا ہونا خود یہی بتاتا ہے کہ یہ الف نہیں بلکہ ہمزہ ہے اور اسی لیے مَاْكُوْلٍ اور اِقْرَاْ وغیرہ میں جو الف ہے وہ حقیقت میں الف نہیں بلکہ ہمزہ ہے دیکھو مخرج نمبر ۱۶

سوال :- بعض حفاظ سورہ روم کے چھٹے رکوع میں ضُعف اور ضُعفاً کو بفتح ضاد یعنی ضَعف اور ضَعفاً پڑھتے ہیں تو کیا یہ صحیح ہے۔

جواب :- ہاں ضمہ کی طرح ضاد کا فتحہ بھی صحیح اور درست ہے اس لیے کہ جس طرح حضرت حفصؒ سے ان الفاظ میں ضاد کا ضمہ مروی ہے اسی طرح ان سے ضاد کا فتحہ بھی مروی ہے چنانچہ بعض قرآنوں کے حاشیہ پر بفتح الضاد لکھا بھی رہتا ہے لہٰذا اگر کوئی صاحب تراویح یا کسی اور مجلس میں ضاد پر زبر پڑھیں تو ان سے جھگڑنا نہیں چاہیے البتہ یہ ضروری ہے کہ تینوں لفظوں میں ایک ہی حرکت پڑھی جائے یہ جائز نہیں کہ ایک جگہ تو پیش پڑھی جائے اور دوسری جگہ زبر پڑھی جائے خوب سمجھ لو۔

سوال :- حروف مقطعات کا تلفظ کس طرح ہوتا ہے اور ان کو مقطعات کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب :- یہ حروف پورے پورے اور الگ الگ پڑھے جاتے ہیں اور مقطعات کے معنی بھی یہی ہیں کہ کٹے کٹے یعنی الگ الگ پڑھے جانے والے حروف اور اسی وجہ سے ان کو مقطعات کہتے ہیں پس سورۂ اعراف کے شروع میں آلمٓصٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا اَلِف ۔ لَآم ۔ مِیْم صَاد اور سورہ مریم کے شروع میں کٓھٰیٰعٓصٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا۔ کَاف ۔ ھَا ۔ یا عَیْن ۔ صَاد سورہ شوریٰ کے شروع میں حٰمٓ عٓسٓقٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا حَا مِیْم عَیْن ۔ سِیْن ۔ قَاف اور باقی حروف مقطعات کو بھی اسی طرح سمجھ لو خلاصہ یہ کہ ان حرفوں کا تلفظ بالکل اسی طرح کرنا چاہیے جس طرح کہ قاعدہ میں حروف تہجی کا تلفظ کیا جاتا ہے پھر ان میں سے جن میں بیچ کا حرف مدہ یا لین ہے ان میں تین یا پانچ الفی طول بھی ہوتا ہے جیسا کہ اس کا ذکر مد کی بحث میں بھی

آچکاہے اور ایسے ہی ان حروف میں جہاں جہاں ادغام یا اخفا کا قاعدہ پایا جاتا ہے وہاں ان قاعدوں کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے مثلاً اَتُّقَدَّ میں ادغام کا اور حَتّٰی عَتَّقَ میں اخفاء کا قاعدہ پایا جاتا ہے۔ الحمدللہ کہ یہاں پہنچ کر تیسرا باب بھی ختم ہوا۔ اور اب خاتمہ میں چند ضروری مسائل درج کیے جاتے ہیں۔ ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے وباللہ التوفیق۔

خاتمہ :- اس میں تین فصلیں اور ایک تتمہ ہے۔ فصل اوّل میں قرآن مجید کے آداب فصل دوم میں استعاذہ اور بسملہ کے احکام۔ فصل سوم میں عربی لہجے کی اہمیت۔ اور بعض ان چیزوں کا ذکر ہے جو تلاوت میں معیوب ہیں اور تتمہ میں تلاوت قرآن کے انداز اور ختم قرآن کے طریقہ کا بیان ہے۔

فصل اوّل — تلاوتِ قرآن کے آداب میں

سوال :- آداب سے کیا مراد ہے؟

جواب :- آداب، ادب کی جمع ہے اور ادب اس اچھی حالت یا اچھی عادت کو کہتے ہیں جس کو کسی کام کے کرتے وقت اختیار کر لینے سے اس کام کا نتیجہ اچھا نکل آتا ہے اور اس کام کو جس غرض کے لیے کیا گیا ہو وہ پوری خوبی اور عمدگی کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ دورانِ علاج میں پرہیز کا اہتمام۔ چنانچہ علاج پورے طور پر اسی صورت میں کارگر ہو سکتا ہے کہ جب مریض علاج کے ساتھ ساتھ پرہیز کو بھی اپنا وظیفہ بنائے ورنہ ظاہر ہے کہ بدپرہیزی سے صرف یہی نہیں کہ مریض شفا ہی سے محروم رہتا ہے بلکہ بعض دفعہ اس کا مرض اور بھی بگڑ جاتا ہے۔ پس یہی حال قرآن مجید کی تلاوت کا بھی ہے کہ اگر قاری دورانِ تلاوت میں آدابِ تلاوت کو ملحوظ رکھے گا۔ تو

انشاء اللہ العزیز اُن تمام نعمتوں اور فضیلتوں کا مستحق قرار پائے گا جن کا ذکر مقدمہ کی دوسری فصل میں فضائل تلاوت کے عنوان کے تحت آچکا ہے اور اگر وہ آداب کی رعایت نہیں رکھے گا تو پوری فضیلت اور سعادت کا مستحق نہیں سمجھا جائیگا بلکہ اندیشہ ہے کہ کہیں بے ادبی کی وجہ سے بجائے ثواب کے اس کو الٹا گناہ نہ ہو اللہ تعالیٰ ہم سب کو آداب تلاوت کی پوری پوری رعایت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ یہ تلاوت ہمارے لیے قربِ حق اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ثابت ہو۔ آمین یارب العٰلمین

سوال :۔ تلاوتِ قرآن کے آداب کیا ہیں ؟

جواب :۔ تلاوت کے آداب بہت ہیں علماء نے اس موضوع پر بھی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس مختصر سے رسالہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں یہاں صرف چند موٹے موٹے اور مشہور آداب کے ذکر پر ہی اکتفا کیا جائے گا حق تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ وہ ان کا اہتمام کر لینے سے بھی تلاوت کا نور مرحمت فرما دیں گے اور تلاوت قرآن کی جو فضیلتیں احادیث میں آئی ہیں وہ حاصل ہو جائینگی انشاء اللہ۔

سوال :۔ وہ مشہور اور موٹے موٹے آداب کیا ہیں ؟

جواب :۔ وہ یہ ہیں ۱؎ قاری مسواک اور وضو کے بعد یکسوئی کی جگہ میں نہایت وقار اور تواضع کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ سے اس ثواب کی امید رکھتے ہوئے جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں تلاوت کرے اور پورے خشوع اور حضورِ قلب کے ساتھ اس طرح پڑھے کہ گویا خود حق سبحانہٗ وعزّ اسمہٗ کو کلام پاک سنا رہا ہے اور اگر یہ تصور پیدا نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا خیال تو ضرور ہی کر لے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کی تلاوت کو سن رہے ہیں۔

۲؎ قرآن شریف کی تلاوت بہتر تو یہی ہے کہ وضو کر کے کی جائے کیونکہ وضو

کرکے پڑھنے سے ایک حرف کا ثواب پچیس نیکیوں کے برابر ملتا ہے ہاں بے وضو بھی جائز ہے لیکن بے وضو قرآن شریف کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ البتہ ناپاکی اور جنابت کی حالت میں ہاتھ لگانا اور زبان سے پڑھنا دونوں ہی منع ہیں۔ ہاں دعا کی آیتوں کو صرف دعا کی نیت سے اس حالت میں بھی پڑھنا جائز ہے۔

۳ تلاوت کے وقت خوشبو استعمال کرے اگر میسر ہو ورنہ مسواک اور وضو ہی کافی ہے اور حسب توفیق لباس صاف پہن کر سکون و وقار کے ساتھ بیٹھے جس طرح کہ مشائخ اور بزرگوں کی خدمت میں بیٹھتے ہیں۔

۴ تلاوت قرآن کے وقت نہ ہنسے نہ کھیلے کیونکہ یہ بہت بے ادبی کی بات ہے درمیان میں کسی سے بات چیت بھی نہ کرے اگرچہ سلام کا جواب ہی کیوں نہ ہو البتہ اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو قرآن مجید کو بند کرکے بات کرے اور پھر اَعُوْذ پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔ تلاوت کرنے والے کو سلام نہ کرنا چاہیے اور اگر کسی نے سلام کیا تو اس پر جواب دینا واجب نہیں۔

۵ تلاوت آہستہ اور اونچی آواز سے دونوں طرح جائز ہے مگر جہاں جو صورت بہتر ہو وہاں اسی طرح مستحب ہے مثلاً اگر زور سے پڑھنے میں ریا کا اندیشہ ہو یا اس سے کسی مریض کو تکلیف ہوتی ہو تو اس صورت میں آہستہ پڑھنا مستحب ہوگا اور اگر زور سے پڑھنے سے دوسرے کے دل میں تلاوت کا شوق پیدا ہونے کی امید ہو یا کوئی قرأت سننے کا خواہشمند ہو تو اس صورت میں زور سے پڑھنا مستحب ہوگا۔

۶ تلاوت کے آخر میں یہ کلمات پڑھے صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰینَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ ط خصوصاً جب سامعین موجود ہوں تو ان کلمات کے پڑھنے کا اہتمام ضرور کرے تاکہ ان کو قراءۃ کے ختم ہونے کا علم ہو جائے۔

۵ تلاوت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب ہونا چاہیئے ریا یعنی کسی کو دکھانے کی غرض سے نہیں ہونی چاہیئے۔ کسی نیک کام کو ریا کے طور پر کرنے کی شریعت میں بہت مذمت آئی ہے۔ حتیٰ کہ حدیث شریف میں اس کو شرک اصغر (چھوٹا شرک) فرمایا گیا ہے۔ اس سے بچنے کا ہر وقت خیال رکھنا چاہیئے

فصل دوم : اِستعَاذہ اور بسملہ کے احکام

سوال :- استعاذہ اور بسملہ کے کیا کیا معنی ہیں؟

جواب :- لغت میں استعاذہ کے معنی پناہ مانگنے کے ہیں اور اصطلاح میں استعاذہ کہتے ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ یا اسی قسم کی کوئی اور عبارت پڑھنے کو جس سے استعاذہ والے معنے نکل سکتے ہوں اور بسملہ کے معنی ہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ پڑھنا۔

سوال :- استعاذہ کہاں اور کس موقع پر کرنا چاہیئے؟

جواب :- جب بھی قرآن مجید پڑھنا شروع کیا جائے عام اس سے کہ یہ شروع کرنا کسی سورۃ کے شروع سے ہو یا کسی پارہ کے شروع سے یا کسی اور جگہ سے استعاذہ بہرحال ضروری ہے پس استعاذہ کا محل ابتدائے قرأت ہے اور بلا استعاذہ کیے قرأت شروع کرنا آداب قرآن کے خلاف ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اسکو واجب کہا ہے۔

سوال :- ابتدائے قرأت میں استعاذہ کیوں ضروری ہے؟

جواب :- اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ نحل ع ۱۳ ترجمہ :- جب آپ قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کریں تو شیطان مردود کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کریں۔

سوال :۔ استعاذہ کن الفاظ سے کرنا چاہیئے :

جواب :۔ استعاذہ کے بہتر اور مختار الفاظ تو وہی ہیں جو اوپر درج کیے گئے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۔ لیکن جائز ان کے علاوہ اور الفاظ سے بھی ہے مثلاً اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ یا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وغیرہ

سوال : اَعُوْذُ کا آیت سے وصل کرکے پڑھنا چاہیئے یا فصل کرکے ۔

جواب :۔ بہتر تو فصل ہی ہے ہاں وصل بھی جائز ہے ۔ بشرطیکہ آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے کوئی نام نہ ہو، جیسا کہ آیت الکرسی سورہ الرحمٰن اور سورہ حشر کی آخری تین آیتوں کے شروع میں ہے ۔ ایسے موقعوں میں فصل ہی ضروری ہے اور وصل قطعاً جائز نہیں ۔

سوال :۔ بعض قرآنوں کے حاشیہ پر شروع سورۂ براۃ کے موقعہ پر ایک نئی قسم کا استعاذہ لکھا رہتا ہے اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ اگر شروع سورۂ توبہ درمیان قرأت میں واقع ہو یعنی پڑھتے پڑھتے درمیان میں شروع ہو جائے تب تو نہ وہ خاص قسم کا استعاذہ ہی کیا جائے گا اور نہ وہ جو اوپر درج کیا گیا ہے کوئی بھی جائز نہیں اس لیے کہ درمیان قرأت استعاذہ کا محل نہیں ۔ ہاں اگر سورۂ توبہ کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے، تو اس صورت میں اگرچہ بعض کتابوں میں اس خاص قسم کے استعاذہ کو بھی جائز بتایا گیا ہے ۔ مگر چونکہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہونے کی وجہ سے اس موقع پر اس کے مختار ہونے کا وہم ہوتا ہے اس لیے علماء محققین نے اس کو بدعت کہا ہے ۔ لہذا احتیاط اس کے ترک ہی میں ہے اور اس کا نہ پڑھنا ہی بہتر ہے ۔ اور یہاں بھی وہی استعاذہ مختار ہے جو اوپر درج ہو چکا ہے ۔

سوال :۔ اگر دوران تلاوت میں کوئی ایسا کلام ہو جائے جس کا تعلق قرآن مجید سے نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ ایسی صورت میں دوبارہ استعاذہ کر کے قرأت شروع کرنی چاہیئے گو یہ کلام کسی کے سلام کا جواب ہی کیوں نہ ہو، البتہ قرآن مجید پڑھنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے سلام کر دیا اور اس نے جواب دے دیا تو حکم وہی ہوگا جو بیان ہوا یعنی استعاذہ لوٹانا پڑے گا۔ ہاں اگر اس کلام کا تعلق قراۃ سے ہو مثلاً استاذ شاگرد کا قراۃ سے متعلق کسی مسئلہ میں امتحان کرے یا شاگرد استاذ سے کوئی مسئلہ پوچھے تو ایسی صورت میں استعاذہ کے لوٹانے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ اس کے بعد پڑھنے کا ارادہ ہو اور اگر ارادہ منقطع ہو گیا تو شروع کرتے وقت دوبارہ استعاذہ کرنا چاہیئے۔

سوال :۔ استعاذہ آہستہ کرنا چاہیئے یا زور سے؟

جواب :۔ اس بارہ میں استعاذہ قرأۃ کے تابع ہے پس قرأۃ سرّیہ میں بالسّر اور قرأۃ جہریہ میں بالجہر ہوگا، ہاں قراۃ جہریہ میں استعاذہ بالسّر بھی جائز ہے۔ مگر نماز میں استعاذہ آہستہ ہی کیا جائیگا خواہ نماز جہری ہو یا سرّی۔

بسملہ

سوال :۔ بسم اللہ کہاں اور کس موقع پر پڑھنی چاہیئے؟

جواب :۔ سورہ توبہ کے سوا باقی ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے عام اس سے کہ وہ سورۃ پڑھتے پڑھتے درمیان میں شروع ہو جائے یا قرأت کی ابتداء ہی اس سورۃ کے شروع سے ہو۔ بسم اللہ کا پڑھنا ہر حال میں ضروری ہے۔ پس جس طرح استعاذہ کا محل ابتداء قرأۃ ہے اس طرح بسم اللہ کا محل ابتداء سورۃ ہے اور جس طرح ابتدا قرأت میں یہ تفصیل ہے کہ شروع سورۃ سے ہو خواہ درمیان سورۃ سے۔

اسی طرح ابتداء سورۃ میں بھی یہ تفصیل ہے کہ اس سے قرأت کی ابتداء ہو یا درمیان قرأت میں واقع ہو۔ قرأت اور سورۃ دونوں کی ابتداء اور درمیان کے اعتبار سے جتنی اور جو جو صورتیں نکلتی ہیں۔ اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

سوال :۔ شروع سورۃ توبہ کا کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ اگر سورۃ توبہ پڑھتے پڑھتے درمیان قرأت میں شروع ہو جائے تب تو اس پر بسم اللہ کا پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ ہاں اگر قرأت کی ابتداء بھی سورۃ توبہ کے شروع ہی سے ہو۔ تو اس صورت میں بعض علماء نے بسم اللہ کے پڑھنے کو بھی جائز کہا ہے[1]۔

سوال :۔ اگر کسی سورۃ کے درمیان سے پڑھنا شروع کیا جائے۔ تو اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ اس صورت میں قاری کو اختیار ہے۔ چاہے بسم اللہ پڑھے چاہے نہ پڑھے۔ مگر پڑھ لینا بہتر اور اولیٰ ہے اگرچہ جائز نہ پڑھنا بھی ہے۔ اور سورۃ براۃ کے وسط کا بھی یہی حکم ہے کہ اس سے شروع کرتے وقت بھی بسم اللہ کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں باتیں جائز ہیں۔

سوال : سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں پڑھی جاتی ؟

جواب : اس لیے کہ باقی سورتوں کی طرح اس کے شروع میں لکھی ہوئی نہیں ہے۔

سوال :۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ ابتداء سورۃ میں تو بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے اور درمیان سورۃ سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں ضروری نہیں بلکہ پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں جائز ہیں ؟

جواب :۔ ابتداء سورۃ چونکہ بسم اللہ کا محل ہے۔ اور درمیان سورہ محل نہیں اس

---

[1] لیکن اولیٰ یہاں بھی نہ پڑھنا ہی ہے تفصیل توضیحات مرضیہ شرح فوائد مکیہ میں درج ہے۔

لیے وہاں تو ضروری ہے۔ اور یہاں ضروری نہیں۔

سوال:۔ محل سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ محل کے معنی موقع کے ہیں اور بسم اللہ کے محل سے مراد یہ ہے کہ وہ موقع جہاں بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہو۔ اور نہ پڑھنے کی صورت میں قرآن مجید کی سورہ مکمل نہ ہوتی ہو۔ اور اس قسم کا موقع ابتداءِ سورۃ ہی ہے۔ درمیان سورۃ میں یہ بات نہیں ہوتی۔ وہاں تو بسم اللہ کا پڑھنا تبرکاً ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ ہر وہ مہتم بالشان کام جس کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ اس میں برکت نہیں ہوتی پس اس حدیث پر عمل کرنے کی غرض سے درمیان سورۃ سے تلاوت شروع کرتے وقت بھی بسم اللہ کا پڑھ لینا بہتر ہے۔ گو محل کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ضروری نہیں۔

سوال:۔ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنی چاہیئے یا آہستہ آواز سے؟

جواب:۔ غیر نماز کی حالت میں تو بسم اللہ بھی اعوذ کی طرح قرأت کے تابع ہی ہوگی اور فرض و واجب نمازوں میں بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھی جائے گی خواہ نماز سرّی ہو یا جہری، اور تراویح میں علماء کے درمیان کچھ اختلاف ہے اکثر حضرات تو اس میں بھی بالسرّ ہی پڑھتے ہیں اور سارے قرآن میں کسی ایک سورۃ کے شروع میں بآواز بلند پڑھ لیتے ہیں اور بعض اس طرف بھی گئے ہیں کہ تراویح میں بسم اللہ ہر سورۃ کے شروع میں بآواز بلند پڑھنی چاہیئے۔ اس بناء پر کہ حضرت حفص رحؒ کی روایت کے موافق بسم اللہ کا ہر سورۃ کے شروع میں پڑھنا ضروری ہے، کہ اگر کسی سورۃ کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو وہ سورۃ کامل طور پر ختم نہ ہوگی۔ بلکہ ایک آیت اس میں سے کم ہو جائے گی۔

دونوں باتیں صحیح ہیں جس پر چاہو عمل کرو مگر علماء کے اس اختلاف کو باہمی نزاع

اور تفرقہ کا باعث نہیں بنانا چاہیئے۔ کہ اگر کہیں قاری روایت کی کامل اتباع کے پیش نظر ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ باآواز بلند پڑھنے کا التزام کرے تو مقتدی اپنی کم علمی کی وجہ سے اس کو خواہ مخواہ مطعون کرنے لگ جائیں اور ایسے ہی اگر مقتدی کسی وجہ سے ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر پڑھنے کو کسی تفرقہ کا باعث سمجھیں تو امام کو بھی اس پر اصرار نہیں ہونا چاہیئے ایسی صورت میں اس کو یہی چاہیئے کہ وہ سارے قرآن میں کسی ایک کے شروع میں تو باآواز بلند پڑھ لے۔ اور باقی سورتوں کے شروع میں آہستہ پڑھتا رہے۔ خلاصہ یہ کہ اس معمولی سے اختلاف کو تفریق بین المومنین کا باعث ہرگز نہیں بنانا چاہیئے۔ جبکہ دونوں باتیں جائز بھی ہیں اور دونوں پر بڑے بڑے علماء کا عمل بھی ہے۔

اعوذ اور بسم اللہ کا وصل و فصل

سوال:۔ قرأۃ اور سورۃ کی ابتدا اور وسط کے اعتبار سے کتنی اور کیا کیا صورتیں بنتی ہیں اور ہر صورت کا حکم کیا ہے؟

جواب:۔ تین اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ ابتدائے قرأت ابتدائے سورۃ یعنی کسی سورۃ کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے، مثلاً تم سورۃ بقرہ یا آل عمران یا انبیاء یا سورہ ملک یا کسی اور سورۃ کے شروع سے پڑھنا شروع کرو۔

۲۔ ابتدائے قرأۃ درمیان سورۃ یعنی کسی سورۃ کے درمیان سے پڑھنا شروع کیا جائے مثلاً تم چوتھے یا پانچویں یا چھٹے پارے کے شروع سے یا کسی اور ایسی جگہ سے پڑھنا شروع کرو۔ جہاں سے کوئی سورۃ شروع نہ ہو رہی ہو۔

۳۔ ابتدائے سورۃ درمیان قرأۃ یعنی پڑھتے پڑھتے کوئی سورۃ درمیان میں شروع

ہو جائے مثلاً آج تم اپنی منزل کا آٹھواں یا نواں یا گیارھواں پارہ پڑھ رہے ہو تو ظاہر ہے کہ درمیان تلاوت میں سورۂ اعراف یا سورۂ انفال یا سورۂ یونس علیہ السلام شروع ہوگی، اور حکم ان تینوں صورتوں کا ابھی بیان ہوگا۔ انشاء اللہ

ابتدائے قرأۃ از ابتدائے سورۃ

سوال:۔ جب کسی سورۃ کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے، تو اس وقت کیا کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ اعوذ اور بسم اللہ دونوں ہی پڑھنے چاہئیں، اعوذ تو اس لیے کہ قرأۃ کی ابتداء ہے اور بسم اللہ اس لیے کہ سورۃ کی ابتداء ہے۔

سوال:۔ ایسی سورۃ میں اعوذ اور بسم اللہ کو مابعد سے ملا کر پڑھنا چاہیئے یا ان پر وقف کرکے؟

جواب:۔ ایسی صورت میں فصل اور وصل کے اعتبار سے عقلاً چار صورتیں نکلتی ہیں

۱۔ اعوذ کو بسم اللہ سے اور بسم اللہ کو آیت سے ملا کر پڑھیں۔ اس کو وصل کل کہتے ہیں۔

۲۔ الرجیم اور الرحیم دونوں پر وقف کیا جائے اس کو فصل کل کہتے ہیں۔

۳۔ اعوذ کا بسم اللہ سے وصل اور الرحیم پر وقف کیا جائے اس کا نام وصل اول فصل ثانی ہے۔

۴۔ اس کا عکس یعنی الرجیم پر تو وقف کیا جائے اور الرّحیم کو ما بعد سے ملا کر پڑھا جائے اس کو فصل اوّل وصل ثانی کہتے ہیں اور یہاں یہ چاروں ہی جائز ہیں لیکن لیکن ان میں سب سے بہتر فصل اوّل وصل ثانی ہے اس لیے کہ اس سے یہ بات واضح

ہو جاتی ہے کہ تعوذ قرآن مجید میں سے نہیں اور بسم اللہ قرآن کا جز ہے

ابتدائے سورۃ درمیان قراۃ

سوال:۔ اگر پڑھتے پڑھتے درمیان میں کوئی سورۃ شروع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اَعُوْذ تو پڑھی نہیں جائے گی اس لیے کہ اس کا محل نہیں پایا جا رہا مگر وصل وفصل کے لحاظ سے یہاں بھی وہی چار صورتیں ہوں گی جو اوپر بیان ہوئیں۔ لیکن یہاں جائز صرف تین ہیں۔ اور ایک ناجائز ہے۔

سوال:۔ ابتدائے سورۃ درمیان قراۃ میں جو ایک صورت ناجائز ہے۔ وہ کونسی ہے اور اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے۔ نیز یہ کہ تین جائز صورتوں میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟

جواب:۔ ناجائز صورت وصل اوّل فصل ثانی والی ہے۔ یعنی ختم ہونے والی سورۃ کو بسم اللہ سے ملا کر الرَّحِیم پر وقف کر دیا جائے اور دوسری سورۃ کو نئے سانس سے شروع کیا جائے اور اس کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے بہ ظاہر ہوتا ہے کہ بسم اللہ کا تعلق ختم ہونے والی سورۃ کے ساتھ ہے حالانکہ بسم اللہ سورۃ کی ابتداء کے لیے ہے اور باقی جو تین صورتیں جائز ہیں ان میں سب سے بہتر فصل اوّل وصل ثانی ہے اس لیے کہ اس سے مقصود خوب واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ بسم اللہ ابتداء سورۃ کے لیے ہے۔ سورۃ کے آخر کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔

سوال:۔ جب درمیان قرأت میں سورۃ براۃ شروع ہو جائے تو اس میں کتنی اور کیا کیا صورتیں ہیں؟

جواب:۔ صورتیں تو یہاں بھی تین ہی ہیں مگر وہ نہیں جو باقی صورتوں کے درمیان قرأت میں شروع ہونے کی صورت میں بیان ہوئیں بلکہ ان سے مختلف ہیں اس لیے کہ تم

پڑھ چکے ہو کہ سورۂ براۃ کے شروع میں جبکہ وہ درمیان قرأت میں واقع ہو بسملہ بالاتفاق ممنوع ہے۔ لہٰذا اب دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں (۱) یہ کہ انفال کے آخر پہ وقف کر دیا جائے اور سورۂ براۃ کو نئے سانس سے شروع کیا جائے (۲) عَلِیْمٌ کا براۃ سے وصل کر کے عَلِیْمُ نِ بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ پڑھا جائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ سکتہ کیا جائے۔ یعنی علیم پہ تھوڑی دیر کے لیے بغیر سانس لیے سکوت کر کے پھر اسی سانس میں سورۂ براۃ کو شروع کر دیا جائے پس اس موقع پر تین صورتیں ہیں (۱) وصل (۲) وقف (۳) سکتہ۔

ابتدائے قرأت درمیان سورۃ

سوال:۔ اگر تلاوت کسی سورۃ کے درمیان سے شروع کی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس صورت میں اَعُوْذُ کا پڑھنا تو ضروری ہے اس لیے کہ اس کا محل (ابتدائے قرأت) پایا جا رہا ہے اور بسم اللہ کے بارے میں اختیار ہے مگر پڑھ لینا بہتر اور مستحسن ہے جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے پھر اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اَعُوْذُ کو آیت سے ملا کر یا الرحیم پہ وقف کر کے دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ ہاں اگر آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے کوئی نام ہو تو اس صورت الرجیم کا آیت سے وصل جائز نہیں جیسا کہ فصل کے شروع میں بھی معلوم ہو چکا ہے اور اگر بسم اللہ بھی پڑھی جائے تو پھر یہاں بھی وہی چار عقلی صورتیں نکلیں گی جو ابتدائے قرأت از ابتدائے سورۃ کے زیر عنوان بیان ہوئیں مگر جائز یہاں صرف دو ہی ہیں اور دو ناجائز ہیں۔

سوال:۔ جائز دو کون سی ہیں اور ناجائز دو کون سی؟

جواب:۔ (۱) فصل کل (۲) وصل اوّل فصل ثانی یہ دو تو جائز ہیں اور باقی دو یعنی وصل کل اور

فصل اوّل وصل ثانی ناجائز۔

سوال :۔ ان دو صورتوں کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب :۔ ان دو صورتوں میں چونکہ بسم اللہ کا آیت سے وصل ہو جاتا ہے اور یہ جائز نہیں ۔ اس لیے یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

سوال :۔ اوپر ابتداء قرأت از ابتداء سورۃ کے ضمن میں فصل و وصل کے اعتبار سے جو چار صورتیں بیان کی گئی ہیں ۔ اُن میں بھی تو دو صورتیں ایسی ہیں جن میں بسم اللہ کا آیت سے وصل ہو جاتا ہے اور وہاں ان کو بھی جائز بتایا گیا ہے ۔ پھر اس فرق کی کیا وجہ ہے کہ وہاں تو جائز ہیں اور یہاں ناجائز؟

جواب :۔ ابتداء سورۃ چونکہ بسم اللہ کا محل ہے اور درمیان سورۃ محل نہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے ۔ اس لیے وہاں تو بسم اللہ کو آیت سے ملا کر پڑھنا جائز ہے اور یہاں ناجائز۔

فصل سوم قرآن مجید کو عربی لہجہ میں پڑھنے کی اہمیت اور اس کی تاکید

سوال :۔ قرآن مجید کو کس لہجہ میں پڑھنا چاہیئے؟

جواب :۔ من جملہ اور آداب کے تلاوت قرآن مجید کا ایک بہت بڑا ادب یہ بھی ہے کہ تلاوت عربی لہجہ میں کی جائے قرآن مجید جبکہ نازل بھی عربی میں ہوا اور جس پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا وہ بھی عربی ہیں اور جس سرزمین میں نازل ہوا وہ بھی سرزمین عرب ہے اور اس کا تلفظ بھی وہی معتبر ہے جو اُن خالص عربوں کے تلفظ کے موافق ہو جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا تو پھر اس کی تلاوت بھی عربی لہجہ ہی میں ہونی چاہیئے اور اگر حق تعالیٰ کی توفیق کسی کے شامل حال ہو جائے اور وہ قرآن پاک

کو تجوید کے ساتھ پڑھنا سیکھ لے تو بے شک یہ ایک بہت بڑی نعمت اور نور ہے اور اگر تحصیل تجوید کے ساتھ ساتھ وہ عربی لہجہ کو بھی سیکھ لے اور اس میں تلاوت کرنے پر قادر ہو جائے تو یہ نور علیٰ نور ہے، ہر زبان کا ایک لب و لہجہ ہوا کرتا ہے کہ اگر اس لب و لہجہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے لہجہ میں اس زبان کے الفاظ کو ادا کیا جائے تو یہ بات اس زبان کے جاننے والوں کے نزدیک مضحکہ خیز اور انتہائی معیوب سمجھی جاتی ہے اور اس صورت میں اس زبان کی وہ آن اور وہ شان بھی باقی نہیں رہتی جسے اہلِ زبان ضروری سمجھتے ہیں اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے لیے بھی وہی لب و لہجہ معتبر ہوگا جس میں قراء عرب تلاوت کرتے ہیں اور اس لہجہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نیا لہجہ ایجاد کر لینا اور اس میں تلاوت کرنے کو ضروری سمجھنا اور عربی لہجہ کو جس سے کہ قرآن کی عظمت دو بالا ہوتی ہے اور وہ لوگوں کے قرآن کی طرف مائل ہونے کا سبب بنتا ہے، اس کو گانے سے تعبیر کرنا جیسا کہ بعض لوگوں کا وہم ہے یہ سراسر غلط اور خود پسندی ہے علاوہ ازیں عربی لہجہ میں تلاوت کرنے کی، حدیث میں بھی بہت تاکید آئی ہے، چنانچہ ان میں سے چند حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

۱ - اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا (رواہ نسائی ومالک فی الموطا) یعنی قرآن شریف کو عربوں کے لہجوں اور ان کی آوازوں میں پڑھو۔

۲ - زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی) یعنی زینت دو تم قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ۔

۳ - حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا۔ (رواہ الدارمی) یعنی زینت دو تم قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ اس لیے کہ اچھی آواز قرآن شریف کے حسن کو دو بالا کر دیتی ہے۔ ان احادیث سے قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کی تاکید اور اس کا مامور بہ (جس کا حکم کیا گیا ہو)

ہونا خوب ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا جو لوگ تغنی بالقرآن یعنی قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کی مخالفت کرتے ہیں، وہ سنت کے خلاف پر ہیں۔ ہاں خوش آوازی اور عربی لہجہ کے اہتمام کے ساتھ ساتھ قواعد تجوید کی رعایت اور ان کی پابندی کرنا بھی ازبس ضروری ہے کیونکہ اصل مقصود یہی ہے لہٰذا اگر قاری لہجہ کے بنانے میں ایسا منہمک ہوا کہ قواعد تجوید کی پابندی نہ کی، اور لہجہ ہی کو مقصود سمجھ لیا، تو یہ بے شک درست نہیں پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حرفوں کے مخارج اور ان کی صفات لازمہ کا خیال نہ رکھا یا حرکت و سکون میں غلطی کی، یعنی لحن جلی لازم آگئی تو ایسا پڑھنا ناجائز اور حرام ہے اور دوسرا یہ کہ صفات عارضہ میں کوتاہی کی یعنی لحن خفی لازم آئی تو مکروہ ہے پڑھنا اور سننا دونوں کا ایک ہی حکم ہے، خلاصہ یہ کہ خوش آوازی اور لہجہ اس صورت میں مستحسن اور مستحب ہے جبکہ قواعد تجوید کی رعایت اور ان کی پابندی بھی کی جائے ورنہ حرام یا مکروہ ہے لہٰذا طلباء کو چاہیئے کہ پہلے تصحیح حروف کی مشق کریں اور پھر لہجہ کو سیکھیں بعض لوگ حروف کو صحیح ادا کرنے کی کوشش تو کرتے نہیں اور شروع ہی سے لہجہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں بلکہ اسی کو مقصود سمجھتے ہیں، یہ بات بھی خلاف قاعدہ اور نادرست ہے۔

تنبیہ: بعض لوگوں نے اپنی خوش آوازی اور لہجہ کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرانے کی غرض سے خواہ مخواہ تکلف کرکے لہجہ میں طرح طرح کی چیزیں ایجاد کرلی ہیں۔ جو بہت ہی نامناسب اور معیوب ہیں علماء فن نے ایسی بہت سی چیزیں بیان فرمائی ہیں لیکن ہم اختصار کے پیش نظر یہاں ان میں سے چند موٹی موٹی اور بہت ہی مشہور چیزیں بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں ۱؎ تطریب ۲؎ ترقیص ۳؎ ترعید ۴؎ تحزین پس تطریب تو یہ ہے کہ قرأت اس طرح کی جائے جس طرح گانے والا اپنی آواز کو گھما گھما کر گاتا ہے سو یاد رکھو کہ یہ ممنوع ہے، اس لیے

کہ اس طرح پڑھنے سے تلاوت اپنی اصلی شکل سے نکل جاتی ہے۔ اور اللہ کا کلام معاذ اللہ گانے کے مشابہ ہو جاتا ہے اور ترقیص یہ ہے کہ قاری دورانِ قراءت میں اپنی آواز کو اس طرح نچائے کہ اس سے حروف مدہ میں حرکات پیدا ہو جائیں اور بعض نے کہا ہے ترقیص یہ ہے کہ قاری حرفِ ساکن پر سکتہ سا کرے اور پھر اس کے بعد حرف متحرک کو اس طرح ادا کرے۔ گویا کہ وہ دوڑ رہا ہے اور ترعید یہ ہے کہ قاری تلاوت کے وقت اپنی آواز کو اس طرح کپکپائے کہ گویا وہ سردی کی شدت یا کسی تکلیف کی وجہ سے کانپ رہا ہے اور تحزین یہ ہے کہ قاری اپنی طبیعت اور عادت کے خلاف اس منہج پر تلاوت کرے گویا کہ وہ غم میں ڈوبا ہوا ہے اور سننے والا یوں محسوس کرے کہ وہ ابھی رو پڑے گا سو اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس میں ریا پائی جاتی ہے۔ ہاں اگر قاری کا رونا کسی ایسی آیت کے معنی سے متاثر ہونے کی بنا پر ہو جس میں اللہ کے عذاب کا ذکر ہو تو اس صورت میں رونا یا رونے کی شکل بنا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحسن اور آدابِ قرآن میں سے ہے لیکن دل میں تو یہ کیفیت ہو نہیں محض تصنع اور بناوٹ سے ایسی شکل بنائی جائے تو یہ معیوب اور ناجائز ہے، خوب یاد رکھو کہ یہ سب باتیں ناجائز ہیں اور ان کا اختیار کرنا منع ہے اور ان کے اختیار کرنے والے کی تردید کرنا اور اس کا انکار کرنا ضروری اور واجب ہے (ملخصاً از نہایت القول المفید مع بعض الزیادات)۔

تتمہ:- تلاوت قرآن کے انداز اور ختم قرآن کے طریقہ میں

سوال:- تلاوت قرآن کا کیا انداز ہونا چاہیئے؟

جواب:- تلاوت قرآن کے تین انداز ہیں [۱] ترتیل [۲] حدر [۳] تدویر۔

سوال :۔ ان تینوں کا کیا کیا مطلب ہے ؟

جواب :۔ اطمینان اور خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا جس طرح کہ جلسوں اور اجتماعات میں پڑھا جاتا ہے اس کو ترتیل کہتے ہیں۔ تیزی اور روانی کے ساتھ پڑھنا جس طرح کہ تراویح میں پڑھتے ہیں اس کو حدر کہتے ہیں اور ان دونوں کی درمیانی رفتار پہ پڑھنا جس طرح امام فرض نمازوں میں پڑھتا ہے اس کو تدویر کہتے ہیں مگر تیز اس حد تک پڑھنا جائز ہے کہ قواعد تجوید کی رعایت برقرار رہے اور اگر اتنا تیز پڑھا کہ حرف صاف صاف سنائی نہ دیئے اور خلط ملط ہوتا گیا یا حرف مد کی مقدار پوری نہ ہوئی یا حرکات سمٹی ہوئی ادا ہوئیں تو ایسا تیز پڑھنا جائز نہیں۔ پھر یہ سمجھو کہ تدویر میں پڑھنا تو کوئی ایسا زیادہ مشکل نہیں۔ کیونکہ اس میں نہ تو بہت تیز پڑھا جاتا ہے اور نہ ہی بہت ٹھہر ٹھہر کر۔ البتہ حدر اور ترتیل میں پڑھنا ان کی خوب مشق کیے بغیر مشکل ہے کیونکہ بہت ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا بھی مشکل ہے اور تیز پڑھنا بھی۔ لہذا تلاوت کے ان ہر دو انداز کی مشق بھی زیادہ کرنی چاہیئے۔

ختم قرآن کا طریقہ

سوال :۔ قرآن مجید کے ختم کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟

جواب :۔ جب قاری قرآن مجید ختم کرے تو اُسے چاہیئے کہ دو باتوں کا خیال رکھے ایک یہ کہ جب سورہ وَالضُّحٰی پر پہنچے تو اس سے سورہ والناس تک کی ہر سورہ کے آخر میں اللہ اکبر کہے اس کو تکبیر کہتے ہیں یہ اگرچہ ضروری تو نہیں مگر ایک پسندیدہ اور اچھا عمل ہے پھر خواہ ختم ہونے والی سورہ کے آخری لفظ کو تکبیر سے۔ تکبیر کو بسم اللہ سے اور بسم اللہ کو اگلی سورہ سے ملا کر پڑھے یا ان سب پر وقف کر کے پڑھے یا کسی پر وقف کرکے اور کسی کو ملا کر پڑھے سب صورتیں جائز ہیں جس طرح

چاہے پڑھے[1] - البتہ یہ ایک صورت جائز نہیں کہ سورہ کے آخری لفظ کو تکبیر سے

[1] مگر چونکہ ان سورتوں کی آخری لفظ کی مختلف حالتیں ہیں اور ہر حالت میں تکبیر کو ساتھ ملانے کا قاعدہ الگ ہے اس لیے وہ قاعدے حاشیہ میں درج کیے جاتے ہیں - پوری توجہ سے پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو - جن بائیس سورتوں کے آخر میں تکبیر پڑھی جاتی ہے - آخری حرف کی حالت کے لحاظ سے ان کی چار صورتیں ہیں (۱) بعض سورتوں کے آخری حرف پر جزم ہے - جیسے فَحَدِّثْ - فَارْغَبْ اور وَاقْتَرِبْ (۲) بعض کے آخری حرف پر تنوین ہے جیسے لَخَبِيْرٌ - حَامِيَةٌ - مُمَدَّدَةٍ - مَاكُوْلٍ - مِنْ خَوْفٍ - تَوَّابًا - مِنْ مَّسَدٍ اور اَحَدٌ بعض کا آخری حرف ہائے ضمیر ہے جیسے رَبَّهٗ - شَرًّا يَّرَهٗ - اور بعض کے آخری حرف پر تینوں حرکتوں میں سے کوئی حرکت ہے جیسے الحاکمین - اَلْفَجْرِ اور اَلْاَبْتَرُ وغیرہ پس اگر سورۃ کے حرف پر جزم یا تنوین ہو تو ان دو صورتوں میں اگر اس لفظ کو تکبیر سے ملائیں گے - تو لفظِ اللّٰہ کے ہمزہ کو گرا دیں گے اور جزم والے حرف اور تنوین کو زیر دے کر اس طرح پڑھیں گے فَحَدِّثِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اور لَخَبِيْرُنِ اللّٰهُ اكبر اور ماقبل کے زیر کی وجہ سے لفظ اللّٰہ کے لام کو باریک پڑھیں گے - اور اگر آخری حرف ہائے ضمیر ہو تو اس میں صلہ نہیں کریں گے بلکہ ہمزہ کو گرا کر ھا کو لام سے ملا دیں گے اور اس طرح پڑھیں گے - رَبَّهُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اور ماقبل کے ضمہ کی وجہ سے لام کو پُر پڑھیں گے - اور اگر سورۃ کے آخری حرف پر حرکت ہو تو اس صورت میں حرکت کو باقی رکھ کر حرف کو لام سے ملا دیں گے - اور اس طرح پڑھیں گے بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ اللّٰهُ اَكْبَرُ - مَطْلَعِ الْفَجْرِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اور اَلْاَبْتَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اور اگر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی پڑھا جائے تو اس صورت میں تنوین کا تو یَرْمَلُوْن کے قاعدہ سے لام میں ادغام کریں گے اور اس طرح پڑھیں گے - اَحَدُ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اور باقی تین صورتوں میں حرکت - سکون اور صلہ کو اصلی حالت پر رکھ کر ملا دیں گے - جیسے فَحَدِّثْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - اَلْفَجْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور رَبَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

نوٹ :- معلمین کو چاہیئے کہ طلباء کو یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھا دیں اور اجراء بھی کرا دیں کیونکہ یہ قدرے مشکل ہے -

اور تکبیر کو بسم اللہ سے تو ملا کر پڑھا جائے اور الرَّحِیْم پر وقف کر جائے کیونکہ اگر پہلی دو چیزوں کو ملا دیا ہے تو اب الرَّحِیْم پر وقف کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اگلی سورۃ سے ملا کر پڑھنا ہی ضروری ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔ اور بعض حضرات اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور بعض ان دونوں کے ساتھ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ بھی پڑھتے ہیں یہ اضافہ بھی جائز ہے مگر اس کا خیال رہے کہ اگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھا ہے تب تو وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھنا بھی جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تو پڑھا نہ جائے اور وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ یہ تین صورتیں تو جائز ہیں لیکن صرف اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ جائز نہیں اور دوسری بات یہ کہ سورہ وَالنَّاس کے آخر پر تلاوت ختم نہیں کر دینی چاہیئے بلکہ اُسی وقت اور اُسی مجلس میں دوسرا قرآن مجید شروع کر دینا چاہیئے۔ اور سورۃ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی چند ابتدائی آیات یعنی اَلْمُفْلِحُوْنَ تک پڑھ کر قرأت ختم کرنی چاہیئے اس عمل کو اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ کہتے ہیں جس کے معنی ہیں ایسا اُترنے والا جو اُترتے ہی پھر سفر شروع کر دے یعنی یہ شخص قرآن مجید کا ایسا ختم کرنے والا ہے کہ اس نے ختم کرتے ہی دوسرے قرآن کا آغاز کر دیا ہے اور تلاوت قرآن سے اُکتایا نہیں۔

اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ والے عمل کو حدیث میں افضل الاعمال بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عمل کی توفیق عطا فرمائے اور تلاوت قرآن کو ہمارے لیے ذریعۂ نجات اور اپنے قرب کا سبب بنائے آمین! پھر ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور اپنی دینی و دنیوی حاجتیں اس سے مانگو اور قرآن شریف کی تلاوت میں جو قصور اور کوتاہیاں ہوئی ہیں خواہ وہ تم کو معلوم ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو وہ

بڑا غفور الرحیم اور مہربان ہے۔ ختم قرآن کی دعاؤں میں یہ دعا بہت مشہور ہے ہو سکے تو زبانی یاد کر لو۔

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً۔

اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے اللہ قبر میں میری گھبراہٹ کی غم خواری کیجئے۔ اے اللہ قرآن کی بدولت مجھ پر رحم فرمایئے اور اس کو میرے لیے امام نور۔ ہدایت اور رحمت بنا دیجئے۔ اے اللہ مجھے اس میں سے جو کچھ بھول گیا ہے وہ یاد کرا دیجئے۔ اور جو کچھ میں نہیں جانتا ہوں وہ سکھا دیجئے اور مجھے شب و روز اس کی تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمایئے اور اے رب العلمین اس قرآن کو میرے حق میں حجت یعنی سفارش بنا دیجئے آمین یارب العلمین۔

الحمد للہ اولاً و آخراً یہاں پہنچ کر رسالہ معلم التجوید للمتعلم المستفید تمام ہوا حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل، کرم اور اپنی عنایت سے اس حقیر سی خدمت کو قبول فرما کر طالبین فن کے لیے نافع اور مؤلف کے لیے ذریعہ نجات اور دینی ترقی کا باعث بنائیں اور اس کے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے اس کو شرف قبول سے محروم نہ فرمائیں کیونکہ ہر قسم کی خوبی اور بھلائی انہی کے ہاتھ میں ہے اور کسی چیز کی نفع رسانی انہیں کے حکم سے ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ

وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَ ارْحَمْنَا مَعَهُمْ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ٥

۲۳ شعبان المعظم بروز چہار شنبہ دن کے ۱۲ بجکر ۲۸ منٹ ۱۳۷۸ھ
مطابق ۴/ مارچ ۱۹۵۹ء

استدعا

جملہ ناظرین سے بالعموم اور علوم دینیہ کے معلمین اور متعلمین سے بالخصوص استدعا ہے کہ وہ مؤلف کے لیے حسن خاتمہ اور رضائے مولیٰ کی دُعا فرمائیں مؤلف پر ان کا یہ احسان عظیم ہوگا

" " "

مکتبہ القراءۃ کی شائع کردہ کتابیں

۱۔ قواعد ھجاء القرآن مع طریقہ تعلیم الصبیان : مصنف حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رح

یہ کتاب معلمین حضرات کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ، ایک بیش بہا تحفہ ایک بہترین مشیر، ایک کامل رہنما اور ایک مکمل دستور العمل ہے: سائز $\frac{18\times22}{8}$ صفحات ۲۴۰

۲۔ معلم التجوید للمتعلم المستفید : مصنف : حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رح

علم تجوید کے موضوع پر عام فہم اور سلیس زبان میں بشکل سوال وجواب ایک جامع اور مفید ترین کتاب سائز $\frac{18\times22}{8}$ صفحات ۲۴۸

۳۔ فوائد مکیّہ مع حاشیہ توضیحات مرضیہ :

طلبا تجوید کیلئے ایک بیش بہا اور قابل قدر تحفہ

۴۔ سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الضاد

حرف ضاد کی ادا پر ایک علمی اور تحقیقی مقالہ

۵۔ جمال القرآن مع حاشیہ ایضاح البیان : حاشیہ : حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رح

تجوید کے ضروری اور اہم مسائل پر مشتمل ایک جامع رسالہ۔

۶۔ التقدمۃ الشریفیۃ فی شرح المقدمۃ الجزریہ:

شارح : حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رح

طلبا تجوید کیلئے مفید ترین اور گرانقدر کتاب

۷۔ المقدمۃ الجزریۃ مع رسالہ تحفۃ الاطفال : ترجمہ حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رح

اس کتاب میں اس بات کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ مختصر اور لفظی ہونے کے ساتھ ساتھ بامحاورہ اور سلیس بھی ہو۔ سائز $\frac{20\times30}{16}$ صفحات ۸۸

۸۔ زینت القرآن : مصنف ، حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رح اسکولی بچوں کیلئے ایک نہایت آسان اور مختصر رسالہ : سائز $\frac{20\times30}{16}$ صفحات ۱۲۰

۹- جامع الوقف مع معرفۃ الوقوف : مصنف : استاذ القراء حضرت مولنا قاری محب الدین احمد لکھنوی بھارت - علم وقف کا ایک لاثانی اور بے نظیر رسالہ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ - صفحات ۸۸

۱۰- مکمل قرانی قاعدہ : طلبہ اور طالبات کو قرآن حکیم کی تعلیم دینے کیلئے ایک جامع اور مکمل قرانی قاعدہ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز - صفحات ۶۴ -

۱۱- اشرفی قرآنی قاعدہ : ننھے منے بچوں کے لیے ایک بہترین قاعدہ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات

قواعد ھجاء القرآن مع طریقہ تعلیم الصبیان

یہ کتاب معلّمین

حضرات کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ایک بیش بہا تحفہ ، ایک بہترین مشیر ایک کامل رہنما اور ایک مکمل دستور العمل ہے۔
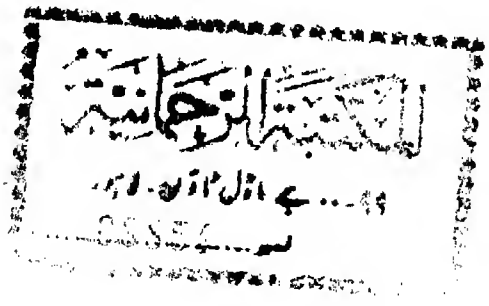
اِستدعا

مَیں اپنے تمام احباب اور دوستوں کی خدمت میں جو اس کتاب سے استفادہ کریں یا جن کے مطالعہ میں یہ کتاب آئے، نہایت ہی لجاجت اور منت کے ساتھ درخواست کرونگا کہ مؤلف پُرتقصیر کے لیے حسنِ خاتمہ اور فلاحِ دارین کی دُعا فرمائیں اور اگر یہ تالیف ان کے ہاتھوں میں مؤلف کے مرنے کے بعد پہنچے، تو قبر اور آخرت کی مشکلات کی آسانی اور ان کی کٹھن منزلوں سے پار ہو کر دخولِ جنّت اور حصولِ رضائے مولا کے لیے دعا فرمائیں۔ کیا عجب ہے کہ کسی صاحب دل کی دُعا ہی میری نجات کا ذریعہ بن جائے اور ایسے ہی جن لوگوں نے اس تالیف میں میری مدد کی ہے اور اس کے منظرِ عام پر آنے کا ذریعہ بنے ہیں۔ ان کی طرف سے بھی ناظرین کی خدمت میں یہی درخواست ہے۔

گر قبول افتد زہے قسمت

العبد الضعیف

ابو الاشرف محمد شریف

ماڈل ٹاؤن، لاہور

(المتوفی ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ / اکتوبر ۱۹۷۸ء)

ناشر

حافظ خالد محمود

مکتبۃ القراءۃ ۵ بی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان